ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۵

دیباچہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت تصانیف اس سے قبل رُوحانی خزائن کے نام سے ایک سیٹ کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ایک عرصہ سے نایاب ہونے کی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رُوحانی مائدہ کو دوبارہ شائع کرکے تشنہ روحوں کی سیرابی کا سامان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا بیحد احسان ہے کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں اب ان کتب کو دوبارہ سیٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ یہ کتب اکثر چونکہ اُردو زبان میں ہیں اور اُردو دان طبقہ کی اکثریت پاکستان میں ہے اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان کتب کی اشاعت بھی پاکستان میں ہوتی۔ لیکن ناگزیر مشکلات کی وجہ سے مجبوراً بیرون پاکستان سے ہی ان کی اشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا۔

اس ایڈیشن کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں۔

أ۔ قرآنی آیات کے حوالے موجودہ طرز پر (نام سورۃ : نمبر آیت) نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔

ب۔ سابقہ ایڈیشن سے محض کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

ج۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو صاف TYPE میں پیش کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو ان رُوحانی خزائن کے ذریعہ راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے۔ آمین

خاکسار

الناشر

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء

مبارک احمد ساقی ایڈیشنل ناظر اشاعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام از ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء تا ۳۰ر مئی ۱۹۰۳ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ملفوظاتِ طیبہ کی یہ پانچویں جلد ہے جو ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء سے لے کر ۳۰ر مئی ۱۹۰۳ء کے ملفوظاتِ طیبہ پر مشتمل ہے ملفوظاتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ضرورت اور اہمیت کا ذکر ہم جلد اوّل کے پیش لفظ میں کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ملفوظاتِ طیبہ جماعت کی اصلاح و تربیت کیلئے بہترین ذریعہ ہے یہ مجموعہ ہے اُن مواعظ و نصائح کا جو اللہ تعالیٰ کا مقدس مسیح اور مہدی افرادِ جماعت کے حالات کے پیش نظر انہیں اعلیٰ مدارجِ روحانیت پر لے جانے کیلئے وقتاً فوقتاً کرتا رہا۔ یہ ایک روحانی مائدہ ہے جو انواع و اقسام کے مطائبات پر مشتمل ہے جس سے مختلف طبائع اور مختلف قابلیتوں والے افراد مستفید ہو سکتے ہیں۔ کبھی آپ سلسلہ کے قیام کی ضرورت اور اس کی علّتِ غائی کی طرف جماعت کو توجہ دلاتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :- "اب خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال دوبارہ ظاہر ہو۔ اور آپ کے اسم اعظم کی تجلّی دنیا میں پھیلے اور اسلئے اس نے اس سلسلہ کو اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال ظاہر کرنا ہے اسلئے کوئی مخالف اسکو گزند نہیں پہنچا سکتا" (صـ ۲۴) اور کبھی طالبانِ حق اور متلاشیانِ حقیقت کی یوں رہنمائی فرماتے نظر آتے ہیں :- "میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص محض احقاقِ حق کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے تو وہ میرے معاملہ کی سچائی پر خدا تعالیٰ سے اطلاع پائیگا اور اس کا زنگ دُور ہو جائیگا۔" (صـ ۲۳) اور کبھی اپنے احباب کو شیطان کی تدبیر اور مکروں کی طرف جو وہ اسلام کے خلاف کر رہا ہے ایک فتح نصیب جرنیل کی طرح توجہ دلا کر اس عظیم الشان جنگ کیلئے تیار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ "یہ زمانہ روحانی لڑائی کا ہے۔ شیطان کے ساتھ جنگ شروع ہے۔ شیطان اپنے تمام ہتھیاروں اور مکروں کو لیکر اسلام کے قلعہ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اسلام کو شکست دے مگر خدا تعالیٰ نے اس وقت شیطان کی آخری جنگ میں اس کو ہمیشہ کے لئے شکست دینے کیلئے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔" (صـ ۲۵) اور کبھی سوالات کے جوابات دینے میں مشغول

دکھائی دیتے ہیں۔ ایک دوست کے وظیفہ دریافت کرنے پر فرماتے ہیں:- "نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمدِ الٰہی ہے۔ استغفار ہے اور درود شریف ہے۔ تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے۔ اور اس سے ہر قسم کے ہم و غم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔" (صفحہ ۴۳۲)

پھر ان ملفوظات میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے آپ کی سیرتِ طیبہ پر روشنی پڑتی ہے اور ان سے پتہ لگتا ہے کہ آپکے دل میں خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی اشاعت کیلئے بے پناہ جوش پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے آپکو اسقدر الفت اور پیار تھا کہ آپکے دل و دماغ سے اُس کی یاد کبھی محو نہیں ہوتی تھی۔ اور آپ کی زبان ہمیشہ اس کے ذکر سے تر رہتی۔ مثلاً ۱۴ مارچ ۱۹۰۳ء کو مفتی محمد صادق صاحب نے اخبار سول ملٹری سے طاعون سے متعلق مضمون پڑھکر سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کا کہیں ذکر نہ تھا۔ حضرت اقدسؑ نے سُنکر فرمایا: "یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا لفظ ہرگز مُنہ پر نہیں لاتے حالانکہ اگر حاکم کے مُنہ سے ایک بات نکلتی ہے تو ہزاروں آدمیوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔" پھر بٹالہ کے ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کا جو ایک دیسی آدمی تھا ذکر کرکے فرمایا: "کہ اسکے مُنہ سے یہ بات نکلی کہ نماز پڑھنی چاہیئے اسپر بہت سے مسلمانوں نے نماز شروع کردی۔" اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے اور چاہتے تھے کہ لوگ اسکی طرف متوجہ ہوں۔ الغرض ملفوظاتِ طیبہ روحانی خزائن ہیں اور ہر احمدی کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان خزائن کو حاصل کرے اور ان سے مستفید ہو۔ بدقسمت ہے وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت دی اور پھر بھی وہ ان خزائن کے حاصل کرنے سے محروم رہا۔ حضرت مرزا بشیر احمد مرحوم رضی اللہ عنہ نے بھی دوستوں کو جماعت کے نوجوانوں اور نسلی احمدیوں کی تربیت کے لئے یہی مشورہ دیا تھا۔ آپنے فرمایا: "دوستوں کے مشورہ کے لئے اسقدر بتائے دیتا ہوں کہ یوں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثر کتب تو بیش قیمت مضامین سے بھری پڑی ہیں مگر خاص طور پر دو کتابیں اس میں بڑی شاندار ہیں۔ دوست ان کتابوں کا خود بھی ضرور مطالعہ کریں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ضرور پڑھائیں اور بار بار پڑھاتے رہیں۔ کیونکہ ان سے انشاء اللہ انہیں عظیم الشان فوائد حاصل ہونگے۔ اوّل کشتیٔ نوح یا اس کا خلاصہ یعنی "ہماری تعلیم"۔ دوم ملفوظات یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈائریاں جنکے اس وقت تک تین حصے چھپ چکے ہیں (اب یہ پانچواں حصہ ہے۔ شمس) یہ دونوں کتابیں تربیت کے میدان میں جواہرات کی عدیم المثال کانیں ہیں جنکی اس زمانہ میں کوئی نظیر نہیں۔" اللہ تعالیٰ تمام دوستوں کو ان نصائح اور ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان ملفوظات میں مذکور ہیں۔ ذیل میں ملفوظات کی اس جلد کا انڈیکس بصورت خلاصہ مضامین درج کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ان ملفوظاتِ طیبہ کو بہت سے لوگوں کی ہدایت اور ہدایت یافتہ لوگوں کی روحانی ترقیات کا موجب بنائے۔ آمین

۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

خاکسار جلال الدین شمس ربوہ

اِنڈیکس مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انڈکس ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جلد پنجم

(مرتبہ مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری)

آیات قرآنیہ

آیات مبین

ابتلاء

ابلیس

اُبوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابوجہل

احیاء موتیٰ

اخبار

اخلاص

ادب

اذان

ارتداد

اُردو

اسباب

افترار

الہام

(عربی) الہامات (حضرت مسیح موعودؑ)

اُردو الہامات

(پنجابی زبان میں)

امام الدین

ام المومنین رض

ت

تجلّی

تسبیح

تعبیر رؤیا

تعدد ازواج

تفاؤل

تفسیر

تمباکو

تمباکو نوشی کے متعلق حضور اقدس کے ارشادات

توبہ

چوڑھے

ح

حج

حدیث

احادیث (ارشادات نبوی)

خ

خلق

خُلق۔ اخلاق

خلیفۃ اللہ

خواب (نیز دیکھئے رؤیا)

دل

دُنیا

ع

عادت

عبادت۔ عبودیت

عبد الرحمٰن

عیسیٰؑ

تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل
میں آپ کے اخلاق بہت کمتر تھے ص۱۹۴

۱۱۔ آپ کی تمام زندگی ناکامی میں گذری۔ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ نصرتوں میں سے کوئی
حصہ بھی آپ میں نظر نہیں آتا ص۱۹۲

۱۲۔ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ
میں بڑا خوش ہوں کیونکہ بے تعلق ہوں مگر یہ
کوئی فضیلت نہیں۔ اس سے اخلاق کے
سارے شعبے مکمل نہیں ہوتے ص۶۴ ۴

عیسائیت

۱۔ عیسائی مذہب مُردہ ہے۔ ایک بھی عیسائی
نہیں جو کھڑا ہو کر دعویٰ سے کہہ سکے کہ میں ان
زندہ آثار اور نشانات سے جو زندہ مذہب کے
ہیں اسلام کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ ص۵ ۴

۲۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خاتم نبوت کہتے ہیں اور
الہام کا دروازہ بند کرتے ہیں حالانکہ خود تسلیم
کرتے ہیں کہ مسیح کے بعد ایک یوحنا گذرا
ہے جس نے نبوت کی ص۵۳

۳۔ ان لوگوں نے کس قدر نقصان اسلام کو پہنچایا
ہے، تیس لاکھ سے زیادہ مسلمان ان کے ہاتھوں
پر مُرتد ہو چکے ہیں کروڑہا کتابیں اسلام کی تردید
میں ان کی طرف سے مفت شائع ہو چکی ہیں۔
ص۹۷، ۴۵۵-۴۵۶

۴۔ یہ ایسے فتنے ہیں جن کی نظیر کسی زمانہ میں
نہیں ملتی ص۹۷

۵۔ انجیل کی تعلیم پر خود عیسائی بھی عمل نہ کر سکے ص۲۴۹

۶۔ جن اصولوں کو عیسائی قوم مانتی ہے وہ خود اصول
جرائم کے محرک ہیں۔ وہ گناہ سے ایسے بے پروا
ہو گئے ہیں جیسے شاکت مت والے ص۵۱ ۴

۷۔ یہ لوگ زہرناک کیڑے کی طرح اسلام کے
درخت کی جڑ کو کاٹ رہے ہیں ص۵۵ ۴

۸۔ عیسویت کے ابطال کے واسطے ایک دانا آدمی
کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کے اس عقیدہ پر
نظر کرے کہ خدا مر گیا ہے ص۲۹۲

غ

غضب

۱۔ جو شخص سختی کرتا اور غضب میں آجاتا ہے
اس کی زبان سے معارف اور حکمت کی باتیں
ہرگز نہیں نکل سکتیں ص۱۲۶

۲۔ غضب اور حکمت دونوں جمع نہیں ہو سکتے ص۱۲۷

۳۔ غضب نصف جنون ہے۔ جب زیادہ
بھڑکتا ہے تو پورا جنون ہو سکتا ہے ص۱۲۷

۴۔ جنون میں اور اس میں بہت تھوڑا فرق
ہے ص۲۰۸

۵۔ تمہاری نرمی ایسی نہ ہو کہ نفاق بن جاوے اور
تمہارا غضب ایسا نہ ہو کہ بارود کی طرح آگ
لگا دے ص۱۲۷

۶۔ مخالف سے مغلوب الغضب ہو کر گفتگو نہ
کی جائے ص۲۰۸

۷۔ حکمت اور معرفت کی باتیں لکھتے وقت جوش

گ

گالی

گناہ

۶۔ میری طبیعت اور فطرت میں یہ بات نہیں کہ میں اپنے آپ کو کسی تعریف کا خواہشمند پاؤں میں ہمیشہ انکساری اور گمنامی کی زندگی پسند کرتا ہوں لیکن خدا تعالیٰ نے خود مجھے باہر نکالا ص۱۴

۷۔ جس قدر میری تعریف اور بزرگی کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں جو مجھ پر نازل کیا گیا ہے کیا یہ سارا کا تعریف و بزرگی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے ص۶

۸۔ عیسائی مذہب کے واعظوں اور منادوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اس سید الکونین کی شان میں گستاخیاں کیں اور ایک عاجز مریم کے بچے کو خدا کی کرسی پر جا بٹھایا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے آپ کا جلال ظاہر کرنے کیلئے آپ کے ایک ادنیٰ غلام کو مسیح ابن مریم بنا کے دکھا دیا ص۱۵

۹۔ (ظہور علامات مسیح موعودؑ) تمام اہل کشف نے کہا تھا کہ مسیح موعود چودھویں صدی میں آئے گا وہ تمام علامات و نشانات جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق پہلے سے بتائے گئے تھے، ظاہر ہو گئے ص۱۵

۱۰۔ یہ لوگ جو میرا انکار کرتے ہیں ان ضرورتوں پر نظر نہیں کرتے جو اسوقت ایک مصلح کے وجود کی داعی ہیں ص۶

۱۱۔ اسلام پر یہ شیطان کا آخری حملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں ہمیشہ کیلئے اس کا سر کچل دوں ص۱۷

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ (کثرت ملاقاتوں سے) گھبرانا نہیں اور قوت بھی عطا کی کہ گھبراہٹ ہوتی ہی نہیں ص۱۹

۱۳۔ خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کا نام حَکَم رکھا ہے۔ حَکَم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ اس وقت اختلاف ہوگا اور ۷۳ فرقے موجود ہوں گے ص۲۱

۱۴۔ مسیح موعود اختلاف کیوقت آکر اختلاف کو مٹائیگا ص۲۳

۱۵۔ اس کا فیصلہ قطعی اور یقینی ہوگا ص۲۷

۱۶۔ وہ اپنے نور فراست اور خدا تعالیٰ کے الہام سے بعض ڈھیروں کے ڈھیر جلا دیگا اور پکی اور محکم باتیں رکھ لیگا ص۲۳

۱۷۔ اکثر اکابرین امت نے آنیوالے مسیح و مہدی کو سلام کی وصیت کی ص۸۴

۱۸۔ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ دیا جائے گا۔ ص۳۲-۱۰۵

۱۹۔ منبر پر چڑھ کر یہ کہا جائے گا ان ھذا الرجل غیر دیننا۔ اس شخص نے ہمارے دین کو بدل دیا ہے ص۳۳-۲۰۵

۲۰۔ قتل کے مقدمہ میں حضور کے ایک مخالف گواہ کی وقعت کو کم کرنے کی نیت سے جب حضور کے وکیل نے اس کی ماں کا نام دریافت کرنا چاہا تو حضور نے اسے روک دیا اور فرمایا کہ ایسا داغ ہرگز نہ لگاؤ جس سے اسے مفر نہ ہو ص۶۲

۲۱۔ (مقدمات کے متعلق حضور کا ارشاد)۔ میرا اپنا اصول یہ ہے کہ بدتر سے بدتر انسان بھی اگر مقدمہ کرے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا تصرف ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ جو چاہتا ہے اس سے فیصلہ لکھواتا ہے ص۶۵

۲۲۔ ایک ڈاکٹر سے حضور کی گفتگو ص۸۲

(ا) میری تصدیق میں دلائل کا ایک مجموعہ میرے ساتھ ہے
(ب) نصوص قرآنیہ، حدیثیہ میری تصدیق کرتے ہیں
(ج) ضرورت موجودہ میرے وجود کی داعی ہے
(د) وہ نشان جو میرے ہاتھ پر پورے ہوئے۔ وہ الگ میرے مصدق ہیں
ص۸۷

۲۳۔ میری تائید میں ایک نوع سے ڈیڑھ سو اور ایک نوع سے ایک لاکھ نشانات ظاہر ہوئے ہیں ص۹۰

مصیبت

تمام راستبازوں کا تجربہ ہے کہ مصیبت اور صعوبت میں خدا خود راہ نکال دیتا ہے ص۲۲۰

معافی و مواخذہ

۱۔ جو بات طاقت سے باہر ہے اُسے خدا معاف کر دیگا اور جو طاقت کے اندر ہے اس سے مواخذہ ہوگا ص۱۸۰

۲۔ وسوسے جو بلا ارادہ دل میں پیدا ہوتے ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہوتا اور جب انسان کسی کام کی پکی نیت کرے۔ تو اللہ تعالیٰ مواخذہ کرتا ہے ص۱۸۱

معجزات

۱۔ معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے سے دوسرے عاجز ہوں ص۲۶۴

۲۔ معجزات ہمیشہ ضرورت زمانہ کے مطابق ہوتے ہیں ص۸۸

۳۔ میرا یہ مذہب نہیں کہ معجزات ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں ص۹۰

۴۔ معجزات میں یہ عادۃ اللہ نہیں ہے کہ ایسے کام دکھلائے جاویں جو کہ خدا کی عادت کے برخلاف ہوں ص۲۲۴

۵۔ معجزہ شق القمر کی شہادت ہندوستان میں ص۲۲۶

۶۔ معجزات کے تین اقسام (۱) دعائیہ (۲) ارہاصیہ (۳) قوت قدسیہ۔ ارہاصیہ میں دعا کو دخل نہیں ہوتا۔ قوت قدسیہ کے معجزات کی مثال۔ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پانی میں انگلیاں رکھنے سے پانی بہہ پڑنا یا تلخ کوئیں میں لب گرانے سے پانی میٹھا ہو جانا ص۲۲۸

۷۔ مسیح کے معجزات عمل الترب سے تھے عمل الترب سے مراد یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہیں وہ توجہ سے سرسبز ہو جاتی ہیں ص۲۲۹

مقدمات

(مقدمات کے فیصلوں کی نسبت حضور کا ارشاد)

"میرا اپنا اصول یہ ہے کہ بدتر سے بدتر انسان بھی اگر مقدمہ کرے تو اس میں تصرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے اس سے فیصلہ لکھواتا ہے ص۶۵

مکالمہ الٰہیہ

۱۔ اگر مکالمہ الٰہیہ سے انکار کیا جاوے تو پھر اسلام ایک مردہ مذہب ہوگا اور یہ ثبوت ہوگا اس امر کا کہ اس امت پر خدا کا بڑا قہر ہے ص۵۲-۵۴

۲۔ مکالمہ نبوت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریر ص۵۴

۳۔ نبوت کی علامت مکالمہ ہے ص

۴۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک مکالمہ الٰہیہ اور نبوت میں کوئی فرق نہیں ہے ص۵۳

۵۔ جس قدر تکرار ایک ملہم کے نفس میں ہوتا ہے اسی قدر تکرار اس کے مکالمہ میں ہوا کرتا ہے ص۵۵

۶۔ اصفیٰ اور اجلیٰ مکالمہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا تزکیہ نفس کرتے ہیں ص

۷۔ مکالمہ کی کیفیت اور کثرت اور صفائی میں فرق ہوتا ہے ص

۸۔ نبوت کا مکالمہ کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے اس قدر اعلیٰ اور اصفیٰ ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت اسے برداشت نہیں کرسکتی ص۵۱

۹۔ اس امت میں ہزاروں بزرگ مکالمات الٰہیہ و مخاطبات کے شرف سے مشرف ہوئے اور ان میں انبیاء کے خصائص موجود تھے ص۲۲۲

منارۃ المسیح

۱۔ منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ رکھی جانے کی تاریخ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء اور جمعہ کا مبارک دن تھا ص۲۰۵

۲۔ بنیادی اینٹ حضور کے دست مبارک سے رکھے جانے

نماز

نیک

نیوگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جلد پنجم

۱۷؍جنوری ۱۹۰۳ء

حضرت اقدس جہلم میں

۱۷؍جنوری ۱۹۰۳ء کو کچہری جانے سے پیشتر اعلیحضرت نے ہمارے مخدوم جناب خان محمد عجب خان صاحب آف زیدہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ نے رخصت لی ہے ہمارے پاس بھی رہنا چاہیئے۔ خانصاحب نے دارالامان آنے کا وعدہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کہ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیا جائے؟

فرمایا:۔

الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کی تشریح

اَنْتَ مِنِّیْ تو بالکل صاف ہے اس پر کسی قسم کا اعتراض اور نکتہ چینی نہیں ہو سکتی میرا ظہور محض اللہ تعالیٰ ہی کے فضل سے ہے اور اسی سے ہے۔

دوسرا حصہ اس الہام کا کسی قدر شرح طلب ہے سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا قرآن شریف میں بار بار اس کا ذکر ہوا ہے وحدہٗ لاشریک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ صفات میں نہ افعال الٰہیہ میں۔ سچی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان کامل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک انسان ہر قسم کے شرک سے پاک نہ ہو۔ توحید تب ہی پوری ہوتی ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو کیا باعتبار ذات اور کیا باعتبار صفات کے اصل اور افعال کے بے مثل مانے۔ نادان میرے اس الہام پر تو اعتراض کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے لیکن اپنی زبان سے ایک خدا کا اقرار کرنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی صفات دوسرے کے لئے تجویز کرتے ہیں جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کو محی اور ممیت مانتے ہیں۔ عالم الغیب مانتے ہیں۔ الحیّ القیوم مانتے ہیں۔ کیا یہ شرک ہے یا نہیں؟ یہ خطرناک شرک ہے جس نے عیسائی قوم کو تباہ کیا ہے اور اب مسلمانوں نے اپنی بدقسمتی سے اُن کے اس قسم کے اعتقادوں کو اپنے اعتقادات میں داخل کر لیا ہے پس اس قسم کے صفات جو اللہ تعالیٰ کے ہیں کسی دوسرے انسان میں خواہ وہ نبی ہو یا ولی تجویز نہ کرے اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے افعال میں بھی کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ دنیا میں جو اسباب کا سلسلہ جاری ہے بعض لوگ اس حد تک اسباب پرست ہو جاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ توحید کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ شرک فی الاسباب کا بھی شائبہ باقی نہ رہے۔ خواص الاشیاء کی نسبت کبھی یہ یقین نہ کیا جاوے کہ وہ خواص ان کے ذاتی ہیں بلکہ یہ ماننا چاہیئے کہ وہ خواص بھی اللہ تعالیٰ نے اُن میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ جیسے تربد اسہال لاتی ہے یا سم الفار ہلاک کرتا ہے۔ اب یہ قوتیں

اور خواص ان چیزوں کے خود بخود نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں رکھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ نکال لے تو پھر نہ تربد دست آور ہو سکتی ہے اور نہ سنکھیا ہلاک کرنے کی خاصیت رکھ سکتا ہے نہ اُسے کھا کر کوئی مر سکتا ہے۔ غرض اسباب کے سلسلہ کو حدِّ اعتدال سے نہ بڑھاوے۔ اور صفات و افعال الٰہیہ میں کسی کو شریک نہ کرے تو توحید کی حقیقت متحقق ہوگی اور اُسے موحّد کہیں گے لیکن اگر وہ صفات و افعال الٰہیہ کو کسی دوسرے کے لئے تجویز کرتا ہے تو وہ زبان سے گو کتنا ہی توحید ماننے کا اقرار کرے وہ موحد نہیں کہلا سکتا۔ ایسے موحد تو آریہ بھی ہیں جو اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہیں لیکن باوجود اس اقرار کے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ روح اور مادہ کو خدا نے پیدا نہیں کیا۔ وہ اپنے وجود اور قیام میں اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں ہیں گویا اپنی ذات میں ایک مستقل وجود رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا۔ اسی طرح پر بہت سے لوگ ہیں جو شرک اور توحید میں فرق نہیں کر سکتے۔ ایسے افعال اور اعمال اُن سے سرزد ہوتے ہیں۔ یا وہ اس قسم کے اعتقادات رکھتے ہیں جن میں صاف طور پر شرک پایا جاتا ہے مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے یا فلاں کام درست نہ ہوتا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اسباب کے سلسلہ کو حد اعتدال سے نہ بڑھا دے اور صفات و افعال الٰہیہ میں کسی کو شریک نہ کرے

انسان میں جو قوتیں اور ملکات اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں ان میں وہ حد سے نہیں بڑھ سکتے مثلاً آنکھ اس نے دیکھنے کے لئے بنائی ہے اور کان سُننے کے لئے، زبان بولنے اور ذائقہ کے لئے۔ اب یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کانوں سے بجائے سُننے کے دیکھنے کا کام لے اور زبان سے بولنے اور چکھنے کی بجائے سُننے کا کام لے۔ ان اعضاء اور قویٰ کے افعال اور خواص محدود ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے افعال اور صفات محدود نہیں ہیں۔ اور وہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے۔ غرض یہ توحید تب ہی پوری ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے واحد لاشریک یقین کیا جاوے اور انسان اپنی حقیقت کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت

سمجھ لے سکہ نہ میں اور نہ میری تدابیر اور اسباب کچھ چیز ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس سے ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شائد ہم استعمال اسباب سے منع کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ ہم اسباب کے استعمال سے منع نہیں کرتے بلکہ رعایت اسباب بھی ضروری ہے کیونکہ انسانی بناوٹ بجائے خود اس رعایت کو چاہتی ہے۔ لیکن اسباب کا استعمال اس حد تک نہ کرے کہ اُن کو خدا کا شریک بنا دے بلکہ اُن کو بطور خادم سمجھے۔ جیسے کسی کو بٹالہ جانا ہو تو وہ یکہ یا ٹٹو کرایہ کرتا ہے۔ تو اصل مقصد اس کا بٹالہ پہنچنا ہے نہ وہ ٹٹو یا یکہ۔ پس اسباب پر کُلّی بھروسہ نہ کرے۔ یہ سمجھے کہ ان اسباب میں اللہ تعالیٰ نے کچھ تاثیریں رکھی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو وہ تاثیریں بیکار ہو جائیں اور کوئی نفع نہ دیں۔ اسی کے موافق ہے جو مجھے الہام ہوا ہے رَبِّ کُلُّ شَیْئٍ خَادِمُكَ۔

اسباب پرستی بھی شرک ہے

بُت پرستوں کا شرک تو موٹا ہوتا ہے کہ پتھر بنا کر پُوجا کرتے ہیں یا کسی درخت یا اور شئے کی پرستش کرتے ہیں اس کو تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ باطل ہے۔ یہ زمانہ اس قسم کی بُت پرستی کا نہیں ہے بلکہ اسباب پرستی کا زمانہ ہے۔ اگر کوئی بالکل ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے اور سُست ہو جاوے تو اس پر تو خدا کی لعنت ہوتی ہے لیکن جو اسباب کو خدا بنا لیتا ہے وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت یُورپ دو شرکوں میں مبتلا ہے۔ ایک تو مُردہ کی پرستش کر رہا ہے اور جو اُس سے بچے ہیں اور مذہب سے آزاد ہو گئے ہیں وہ اسباب کی پرستش کر رہے ہیں اور اس طرح یہ اسباب پرستی مرض دِق کی طرح لگی ہوئی ہے اور یورپ کی تقلید نے اس ملک کے نوجوانوں اور نوتعلیم یافتہ لوگوں کو بھی اسی مرض میں مبتلا کر دیا ہے وہ اب سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ ہم اسلام سے باہر جا رہے ہیں اور خدا پرستی کو چھوڑ کر اسباب پرستی کے دِق میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ یہ دِق دُور نہیں

ہو سکتی اور اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا جب تک انسان کے دل میں خدا کی ایک نالی نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے فیض اور اثر کو اس تک پہنچاتی ہے اور یہ نالی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان ایک منکسر النفس ہو جائے اور اپنی ہستی کو بالکل خالی سمجھ لے۔ جس کو فنا نظری کہتے ہیں۔

فنا حقیقی اور فنا نظری

فنا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فنا حقیقی ہوتی ہے جیسے وجُودی مانتے ہیں کہ سب خدا ہی ہیں۔ یہ تو بالکل باطل اور غلط ہے اور یہ شرک ہے لیکن دوسری قسم فنا کی فنا نظری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا شدید اور گہرا تعلق ہو کہ اس کے بغیر ہم کچھ چیز ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی میں ہستی ہو باقی سب ہیچ اور فانی ہو۔ یہ فنا اتم کا درجہ توحید کے اعلیٰ مرتبہ پر حاصل ہوتا ہے اور توحید کامل ہی اس درجہ پر ہوتی ہے۔ جو انسان اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ اللہ تعالےٰ کی محبت میں کچھ ایسا کھویا جاتا ہے۔ کہ اس کا اپنا وجود بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں ایک نئی زندگی حاصل کرتا ہے جیسے ایک لوہے کا ٹکڑا آگ میں ڈالا جاوے اور وہ اس قدر گرم کیا جاوے کہ سُرخ آگ کے انگارے کی طرح ہو جاوے۔[1]

اُس وقت وہ لوہا آگ ہی کے ہم شکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر جب ایک راستباز بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور وفاداری کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے اور کمال درجہ کی نیستی ظہور پاتی ہے اس وقت وہ ایک نمونہ خدا کا ہوتا ہے اور حقیقی طور پر وہ اس وقت

اَنْتَ مِنِّیْ

کہلاتا ہے۔

یہ خدا تعالےٰ کا فضل ہے جو دُعا سے ملتا ہے۔ یاد رکھو دُعا جیسی کوئی چیز نہیں ہے اس لئے مومن کا کام ہے کہ ہمیشہ دعا میں لگا رہے اور اس استقلال اور صبر کے ساتھ دُعا

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۳۶ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء ۔

کرے کہ اس کو کمال کے درجہ تک پہنچا دے اپنی طرف سے کوئی کمی اور دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اور اس بات کی بھی پروا نہ کرے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا بلکہ ؎

گر نباشد بدست راہ بردن
شرطِ عشق است در طلب مُردن

جب انسان اس حد تک دُعا کو پہنچتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس دُعا کا جواب دیتا ہے جیسا کہ اُس نے وعدہ فرمایا ہے ادعونی استجب لکم[1] یعنی تم مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔ اور تمہاری دعا قبول کروں گا۔ حقیقت میں دُعا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ جب تک انسان پُورے صدق و وفا کے ساتھ اور صبر اور استقلال سے دُعا میں لگا نہ رہے تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں جو دعا کرتے ہیں مگر بڑی بیدلی اور عجلت سے چاہتے ہیں کہ ایک ہی دن میں اُن کی دُعا مثمر بہ ثمرات ہو جاوے حالانکہ یہ امر سنت اللہ کے خلاف ہے اس نے ہر کام کے لئے اوقات مقرر فرمائے ہیں اور جس قدر کام دنیا میں ہو رہے ہیں وہ تدریجی ہیں۔ اگرچہ وہ قادر ہے کہ ایک طرفۃ العین میں جو چاہے کر دے اور ایک کُن سے سب کچھ ہو جاتا ہے مگر دُنیا میں اُس نے اپنا یہی قانون رکھا ہے۔ اس لئے دُعا کرتے وقت آدمی کو اس کے نتیجہ کے ظاہر ہونے کے لئے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

اپنی زبان میں دُعا کرنے کی حکمت

یہ بھی یاد رکھو دُعا اپنی زبان میں بھی کر سکتے ہو بلکہ چاہیئے کہ مسنون ادعیہ کے بعد اپنی زبان میں آدمی دُعا کرے کیونکہ اس زبان میں وہ پُورے طور پر اپنے خیالات اور حالات کا اظہار کر سکتا ہے اس زبان میں وہ قادر ہوتا ہے۔

دُعا نماز کا مغز اور رُوح ہے اور رسمی نماز جب تک اس میں رُوح نہ ہو کچھ نہیں اور رُوح کے پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ گریہ و بکا اور خشوع و خضوع ہو اور یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حالت کو بخوبی بیان کرے اور

[1] المومن : ۶۱

ایک اضطراب اور قلق اس کے دل میں ہو اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک اپنی زبان میں انسان اپنے مطالب کو پیش نہ کرے۔ غرض دُعا کے ساتھ صدق اور وفا کو طلب کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت میں وفاداری کے ساتھ فنا ہو کر کامل نیستی کی موت اختیار کرے۔ اس نیستی سے ایک ہستی پیدا ہوتی ہے جس میں وہ اس بات کا حقدار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے کہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ۔

اصل حقیقت اَنْتَ مِنِّیْ کی تو یہ ہے اور عام طور پر ظاہر ہی ہے کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے ہے۔

اب اس کے بعد ایک اور حصہ اس الہام کا ہے جو

وَ اَنَا مِنْكَ

ہے پس اس کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا انسان جو نیستی کے کامل درجہ پر پہنچکر ایک نئی زندگی اور حیات طیبہ حاصل کر چکا ہے اور جس کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کرکے فرمایا ہے انت منی۔ جو اس کے قرب اور معرفت الٰہی کی حقیقت سے آشنا ہونے کی دلیل ہے اور یہ انسان خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی عزت و عظمت اور جلال کے ظہور کا موجب ہوا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک عینی اور زندہ ثبوت ہوتا ہے۔ اس رنگ سے اور اس لحاظ سے گویا خدا تعالیٰ کا ظہور اس میں ہو کر ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ظہور کا ایک آئینہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں جب اس کا وجود خدا نما آئینہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُن کے لئے یہ کہتا ہے۔

وَ اَنَا مِنْكَ

ایسا انسان جس کو اَنَا مِنْكَ کی آواز آتی ہے اُس وقت دنیا میں آتا ہے جب خُدا پرستی کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا ہے۔ اِس وقت بھی چونکہ دُنیا میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا ہے اور خدا شناسی اور خدا رسی کی راہیں نظر نہیں آتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ

کو قائم کیا ہے اور محض اپنے فضل و کرم سے اس نے مجھ کو مبعوث کیا ہے تا میں اُن لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے غافل اور بیخبر ہیں اس کی اطلاع دوں اور نہ صرف اطلاع بلکہ جو صدق اور صبر اور وفاداری کے ساتھ اس طرف آئیں انہیں خدا تعالیٰ کو دکھلا دوں۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا۔

أَنْتَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْكَ

طبیعت میں ناپاکی اور فساد کیوجہ سے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں

اعتراض کرنے کا کیا ہے جب طبیعت میں فساد اور ناپاکی ہو تو وہ نیکی کی طرف آنا کب آنا پسند کرتی ہے بلکہ خلاف طبع سمجھ کر اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ میرے اس الہام کی سچائی کا ثبوت اس پر اعتراض ہی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا انکار اور دہریت بڑھی ہوئی نہ ہوتی تو کیوں اعتراض کیا جاتا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس وقت خدا تعالیٰ کا پاک اور خوشنما چہرہ دنیا کو نظر نہ آتا تھا اور وہ اب مجھ میں ہو کر نظر آئے گا اور آ رہا ہے۔ کیونکہ اُس کی قدرتوں کے نمونے اور عجائبات قدرت میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ جن کی آنکھیں کھلی ہیں وہ دیکھتے ہیں مگر جو اندھے ہیں وہ کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس امر کو محبوب رکھتا ہے کہ وہ شناخت کیا جاوے اور اُس کی شناخت کی یہی راہ ہے کہ مجھے شناخت کرو۔[1] یہی وجہ ہے کہ میرا نام اس نے خلیفۃ اللہ رکھا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ آدَمَ۔ اس میں آدم میرا نام رکھا ہے۔ یہ حقیقت اس الہام کی ہے۔ اب اس پر بھی کوئی اعتراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دکھا دے گا کہ وہ کہاں تک حق پر ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۷ صفحہ ۱-۲ مؤرخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

[1] اس جگہ ایڈیٹر الحکم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل شعر درج کیا ہے جو بہت برمحل ہے۔ (مرتب)

وللہ درک ؎ آں خدائے کہ از او خلق وجہاں بے خبر اند
بر من او جلوہ نمود است گر اہلی بپذیر

(ایڈیٹر الحکم)

ہاتھ کو بوسہ دینا

حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مقدمہ کرم الدین میں جہلم تشریف لائے تھے اور ضلع جہلم اور اس کے گرد و نواح کی مخلوق آپ کی زیارت کے لئے کثیر التعداد جمع ہوئی تھی اور جہلم کی کچہری کے احاطہ میں آدمزاد ہی آدمزاد نظر آتے تھے جس کی تصدیق جہلم کے اخبار نے بھی کی تھی اور جہلم کی کل مخلوق اور حکام بھی اس امر کو جانتے ہیں۔ اس روز ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو احاطہ عدالت میں آپ کرسی پر تشریف فرما تھے اور ارد گرد مریدان باصفا نہایت ادب کے ساتھ حلقہ زن تھے اور ہزاروں انسانوں کا مجمع موجود تھا ہمارے محترم مخدوم جناب خان محمد عجب خاں صاحب آف زیدہ بھی آپ کی کرسی کے پاس ایڈیٹر الحکم کے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے تھے۔ . . . . . . ذیل میں ہم وہ تقریر لکھنا چاہتے ہیں جو اُس وقت احاطہ عدالت میں آپ نے فرمائی تھی۔ اس وقت جناب خان محمد عجب خاں صاحب آف زیدہ نے جو اس قدر ہجوم اور رجوع مخلوق کا دیکھا اور حضرت اقدس کے چہرہ پر نگاہ کی تو خوشی اور اخلاص کے ساتھ اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنی سعادت اور خوش قسمتی کو یاد کر کے (کہ اس وقت اُس عظیم الشان انسان کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہے جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا اور جس کا آنا اپنا آنا فرمایا ہے) عرض کیا کہ حضور میرا دل چاہتا ہے کہ میں جناب کے دستِ مبارک کو بوسہ دوں۔ اس پر حضرت اقدس نے نہایت ہی شفقت کے ساتھ اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور خاں صاحب موصوف نے بہت ہی متاثر ہو کر اور رقت قلب کے ساتھ آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔

اس پر حضرت حجۃ اللہ نے موثر تقریر فرمائی۔ فرمایا :-

ہمت بلند

ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ ہمت اخلاق فاضلہ میں سے ہے اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے۔ ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے۔ مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو۔ موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے وہ تہوّر ہوتا ہے۔ مومن میں شتابکاری نہیں ہوتی بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرت دین کے لئے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔

انسان سے کبھی ایسا کام ہوجاتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو ناراض کر دیتا ہے۔ مثلاً کسی سائل کو اگر دھکا دیا تو سختی کا موجب ہوجاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے اور اُسے توفیق نہیں ملے گی کہ اُسے کچھ دے سکے۔ لیکن اگر نرمی یا اخلاق سے پیش آویگا اور خواہ اُسے پیالہ پانی ہی کا دیدے تو وہ ازالہ قبض کا موجب ہوجاویگا۔

قبض و بسط

انسان پر قبض اور بسط کی حالت آتی ہے۔ بسط کی حالت میں ذوق اور شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب میں ایک انشراح پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف توجہ بڑھتی ہے نمازوں میں لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بعض وقت ایسی حالت بھی پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ذوق اور شوق جاتا رہتا ہے اور دل میں ایک تنگی کی سی حالت ہوجاتی ہے۔ جب یہ صورت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور پھر درود شریف بہت پڑھے۔ نماز بھی بار بار پڑھے۔ قبض کے دُور ہونے کا یہی علاج ہے۔

حقیقی علم

علم سے مراد منطق یا فلسفہ نہیں ہے بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے

جیسا کہ قرآن شریف میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰٓؤا[1] اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوتی تو یاد رکھو وہ علم ترقی معرفت کا ذریعہ نہیں ہے
(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۱ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۰۳ء)

ایمان کیونکر پیدا ہوتا ہے ✻

قرآن شریف سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جبتک انسان کی فطرت میں سعادت اور ایک مناسبت نہ ہو ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے مامور اور مرسل اگرچہ کھلے کھلے نشان لے کر آتے ہیں مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان نشانوں میں ابتلا اور اخفاء کے پہلو بھی ضرور ہوتے ہیں۔ سعید جو باریک بین اور دُور بین نگاہ رکھتے ہیں اپنی سعادت اور مناسبتِ فطرت سے اُن امور کو جو دوسروں کی نگاہ میں مخفی ہوتے ہیں دیکھ لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں لیکن جو سطحی خیال کے لوگ ہوتے ہیں اور جن کی فطرت کو سعادت اور رُشد سے کوئی مناسبت اور حصہ نہیں ہوتا وہ انکار کرتے ہیں اور تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس کا بُرا نتیجہ اُن کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

دیکھو مکہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ابوجہل بھی مکہ ہی میں تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مکہ ہی کے تھے لیکن ابوبکرؓ کی فطرت کو سچائی کے قبول کرنے کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ ابھی آپ شہر میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ راستہ ہی میں جب ایک شخص سے پوچھا کہ کوئی نئی خبر سناؤ اور اُس نے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اسی جگہ ایمان لے آئے اور کوئی معجزہ اور نشان نہیں مانگا اگرچہ بعد میں بے انتہا معجزات آپ نے دیکھے اور خود ایک آیت ٹھہرے۔ لیکن ابوجہل نے باوجودیکہ ہزاروں ہزار نشان دیکھے لیکن وہ مخالفت اور انکار سے باز نہ آیا اور تکذیب ہی کرتا رہا۔

اس میں کیا بِستر تھا؟ پیدائش دونوں کی ایک ہی جگہ کی تھی۔ ایک صدیق ٹھہرتا ہے اور

✻ یہ اس تقریر کا حصہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو بمقام جہلم کچہری کے احاطہ میں فرمائی۔ (مرتب)

[1] فاطر: ۲۹

دوسرا جو ابوالحکم کہلاتا تھا وہ ابوجہل بنتا ہے۔ اس میں یہی راز تھا کہ اس کی فطرت کو سچائی کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ غرض ایمانی امور مناسبت ہی پر منحصر ہیں۔ جب مناسبت ہوتی ہے تو وہ خود معلم بن جاتی ہے اور امورِ حقہ کی تعلیم دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اصل مناسبت کا وجود بھی ایک نشان ہوتا ہے۔

میں بصیرت اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں اور میں وہ قوت اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہوں مگر افسوس میں اس دُنیا کے فرزندوں کو کیونکر دکھاسکوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سُنتے کہ وہ وقت ضرور آئیگا کہ خدا تعالیٰ سب کی آنکھ کھول دے گا اور میری سچائی روزِ روشن کی طرح دُنیا پر کھُل جائے گی لیکن وہ وقت وہ ہوگا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جاوے گا اور پھر کوئی ایمان سود مند نہ ہوسکے گا۔

سلیم الفطرت احمدی ہوتے ہیں

میرے پاس وہی آتا ہے جس کی فطرت میں حق سے محبت اور اہلِ حق کی عظمت ہوتی ہے۔ جس کی فطرت سلیم ہے وہ دُور سے اُس خوشبو کو جو سچائی کی میرے ساتھ ہے سونگھتا ہے اور اُسی کشش کے ذریعہ سے جو خدا تعالےٰ اپنے ماموروں کو عطا کرتا ہے میری طرف اس طرح کھنچے چلے آتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف جاتا ہے لیکن جس کی فطرت میں سلامت روی نہیں ہے اور جو مُردہ طبیعت کے ہیں اُن کو میری باتیں سود مند نہیں معلوم ہوتی ہیں وہ ابتلا میں پڑتے ہیں اور انکار پر انکار اور تکذیب پر تکذیب کر کے اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ اُن کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

میری مخالفت کرنے والے کیا نفع اُٹھائیں گے؟ کیا مجھ سے پہلے آنے والے صادقوں کی مخالفت کرنے والوں نے کوئی فائدہ کبھی اُٹھایا ہے؟ اگر وہ نامراد اور خاسر رہ کر اس دُنیا سے اُٹھے ہیں تو میرا مخالف اپنے ایسے ہی انجام سے ڈر جاوے کیونکہ میں خدا تعالےٰ

کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں صادق ہوں۔ میرا انکار اچھے ثمرات نہیں پیدا کرے گا۔ مبارک وہی ہیں جو انکار کی لعنت سے بچتے ہیں اور اپنے ایمان کی فکر کرتے ہیں۔ جو حُسن ظنی سے کام لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کی صحبت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اُن کا ایمان اُن کو ضائع نہیں کرتا بلکہ برومند کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صادق کی شناخت کے لئے بہت مشکلات نہیں ہیں۔ ہر ایک آدمی اگر انصاف اور عقل کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور خدا کا خوف مدنظر رکھ کر صادق کو پرکھے تو وہ غلطی سے بچا لیا جاتا ہے۔ لیکن جو تکبر کرتا ہے اور آیات اللہ کی تکذیب اور ہنسی کرتا ہے اس کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔

قیام سلسلہ احمدیہ کی غرض

یہ زمانہ کیسا مبارک زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان پُر آشوب دنوں میں محض اپنے فضل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے یہ مبارک ارادہ فرمایا کہ غیب سے اسلام کی نصرت کا انتظام فرمایا اور ایک سلسلہ کو قائم کیا۔ میں ان لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں جو اپنے دل میں اسلام کے لئے ایک درد رکھتے ہیں اور اس کی عزت اور وقعت اُن کے دلوں میں ہے وہ بتائیں کہ کیا کوئی زمانہ اس زمانہ سے بڑھ کر اسلام پر گذرا ہے جس میں اس قدر سب وشتم اور توہین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کی گئی ہو اور قرآن شریف کی ہتک ہوتی ہو؟ پھر مجھے مسلمانوں کی حالت پر سخت افسوس اور دلی رنج ہوتا ہے اور بعض وقت میں اس درد سے بیقرار ہو جاتا ہوں کہ ان میں اتنی حس بھی باقی نہ رہی کہ اس بے عزتی کو محسوس کر لیں۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کچھ بھی عزت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی جو اس قدر سب وشتم پر بھی وہ کوئی آسمانی سلسلہ قائم نہ کرتا اور ان مخالفین اسلام کے منہ بند کر کے آپ کی عظمت اور پاکیزگی کو دُنیا میں پھیلاتا جبکہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو اس توہین کے وقت اس صلوٰۃ کا اظہار کس قدر ضروری ہے اور اس کا ظہور اللہ تعالیٰ نے

نے اس سلسلہ کی صورت میں کیا ہے۔

غرض بعثت مسیح موعود

مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کروں اور قرآن شریف کی سچائیوں کو دُنیا کو دکھاؤں اور یہ سب کام ہو رہا ہے لیکن جن کی آنکھوں پر پٹی ہے وہ اس کو دیکھ نہیں سکتے حالانکہ اب یہ سلسلہ سُورج کی طرح روشن ہو گیا ہے اور اس کی آیات و نشانات کے اس قدر لوگ گواہ ہیں کہ اگر اُن کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو اُن کی تعداد اس قدر ہو کہ رُوئے زمین پر کسی بادشاہ کی بھی اتنی فوج نہیں ہے۔

اِس قدر صورتیں اس سلسلہ کی سچائی کی موجود ہیں کہ ان سب کو بیان کرنا بھی آسان نہیں چونکہ اسلام کی سخت توہین کی گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی توہین کے لحاظ سے اس سلسلہ کی عظمت کو دکھایا ہے۔

مجھے انکساری اور گمنامی پسند ہے

کم فہم لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ میں اپنے مدارج کو حد سے بڑھاتا ہوں۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری طبیعت اور فطرت میں ہی یہ بات نہیں کہ میں اپنے آپ کو کسی تعریف کا خواہشمند پاؤں اور اپنی عظمت کے اظہار سے خوش ہوں۔ میں ہمیشہ انکساری اور گمنامی کی زندگی پسند کرتا ہوں لیکن یہ میرے اختیار اور طاقت سے باہر تھا کہ خدا تعالیٰ نے خود مجھے باہر نکالا اور جس قدر میری تعریف اور بزرگی کا اظہار اس نے اپنے پاک کلام میں جو مجھ پر نازل کیا گیا ہے کیا یہ ساری تعریف اور بزرگی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے احمق اس بات کو نہیں سمجھ سکتا مگر سلیم الفطرت اور باریک نگاہ سے دیکھنے والا دانشمند خوب سوچ سکتا ہے کہ اس وقت واقعی ضروری تھا کہ جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قدر ہتک کی گئی ہے اور عیسائی مذہب کے واعظوں اور منادوں نے اپنی تحریروں

اور تقریروں کے ذریعہ اُس سید الکونین کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اور ایک عاجز مریم کے بچے کو خدا کی کرسی پر جا بٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے آپؐ کا جلال ظاہر کرنے کے لئے یہ مقدر کیا تھا کہ آپ کے ایک ادنیٰ غلام کو مسیح ابن مریم بنا کے دکھا دیا۔ جب آپؐ کی اُمت کا ایک فرد اتنے بڑے مدارج حاصل کر سکتا ہے تو اس سے آپؐ کی شان کا پتہ لگ سکتا ہے۔ پس یہاں خدا تعالیٰ نے جس قدر عظمت اس سلسلہ کی دکھائی ہے اور جو کچھ تعریف کی ہے یہ درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی عظمت اور جلال کے لئے ہے مگر احمق ان باتوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

ظہورِ علاماتِ مسیح موعود

اس وقت صدی میں سے بیس سال گذرنے کو ہیں اور آخری زمانہ ہے۔ چودھویں صدی ہے کہ جس کی بابت تمام اہل کشف نے کہا کہ مسیح موعود چودھویں صدی میں آئیگا وہ تمام علامات اور نشانات جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق پہلے سے بتائے گئے تھے ظاہر ہو گئے۔ آسمان نے کسوف وخسوف سے اور زمین نے طاعون سے شہادت دی ہے اور بہت سے سعادتمندوں نے ان نشانوں کو دیکھ کر مجھے قبول کیا اور پھر اور بھی بہت سے نشانات اُن کی ایمانی قوت کو بڑھانے کے واسطے خدا تعالیٰ نے ظاہر کئے اور اس طرح پر یہ جماعت دن بدن بڑھ رہی ہے۔[۱]

کوئی ایک بات ہوتی تو شک کرنے کا مقام ہو سکتا تھا مگر یہاں تو خدا تعالیٰ نے اُن کو نشان پر نشان دکھائے اور ہر طرح سے اطمینان اور تسلی کی راہیں دکھائیں۔ لیکن بہت ہی کم سمجھنے والے نکلے ہیں۔ حیران ہوتا ہوں کہ کیوں یہ لوگ جو میرا انکار کرتے ہیں۔ ان ضرورتوں پر نظر نہیں کرتے جو اس وقت ایک مصلح کے وجود کی داعی ہیں۔

---

[۱] حاشیہ۔ اس مقام تک حضرت اقدس ابھی پہنچے تھے کہ خان عجب خاں صاحب جو رقت قلب کے ساتھ چشم پُرآب اپنے پُرجوش لہجہ میں بول اُٹھے وجودِ جناب خود شہادت است (ایڈیٹر الحکم)

مسلمانوں کی حالت

وہ دیکھیں کہ رُوئے زمین پر مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔ کیا کسی پہلو سے بھی کوئی قابل اطمینان صورت دکھائی دیتی ہے۔ شان و شوکت کی حالت تو سلطنت کی صورت میں نظر آسکتی ہے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت اس وقت روم کی سلطنت ہے لیکن اس کی حالت کو دیکھ لو وہ بتیس دانتوں میں زبان ہو رہی ہے اور آئے دن کسی نہ کسی خرخشہ اور مخمصہ میں مبتلا رہتی ہے۔ علمی حالت کے لحاظ سے سب رو رہے ہیں کہ مسلمان پیچھے رہے ہوئے ہیں اور نت نئی مجلسیں اور کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں کہ مسلمانوں کی علمی حالت کی اصلاح کی جاوے۔ دُنیوی لحاظ سے تو یہ حالت اور دینی پہلو کے لحاظ سے تو بہت ہی گری ہوئی حالت ہے۔ کوئی بدعت اور فعل شنیع نہیں ہے جس کے مرتکب مسلمان نہ پائے جاتے ہوں۔ اعمال صالحہ کی بجائے چند رسوم باقی رہ گئی ہیں۔ جیلخانوں میں جاکر دیکھو تو زیادہ مجرم مسلمان دکھائی دیں گے۔ کس کس بات کا ذکر کیا جاوے مسلمانوں کی حالت اس وقت بہت ہی گری ہوئی ہے اور اُن پر آفات پر آفات نازل ہو رہی ہیں۔

مگر کیا مسلمان ابھی چاہتے ہیں کہ وہ اَور پیچھے جاویں۔ اس سے بڑھ کر اُن کی ذلیل حالت کیا ہوگی کہ وہ پاک دین جو بینظیر دولت اُن کے پاس تھی اور ایمان جیسی نعمت وہ کھو بیٹھے ہیں۔ اور مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے عیسائی ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے اور اسلام کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور یا اگر کھلے طور پر عیسائی نہیں ہوئے تو عیسائیوں کے علوم فلسفہ و طبیعیات سے متاثر ہو کر مذہب کو ایک بیضرورت اور بیفائدہ شئے سمجھنے لگ گئے ہیں۔

یہ آفتیں ہیں جو اسلام پر آرہی ہیں۔ اور میں نہایت درد اور افسوس سے سُنتا ہوں کہ اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ کسی مصلح کی ضرورت نہیں حالانکہ زمانہ خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس وقت ضرورت ہے کہ کوئی شخص آوے اور وہ اصلاح کرے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ خدا تعالیٰ اس وقت کیوں خاموش رہتا جبکہ اُس نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] خود فرمایا ہے۔ اسلام پر ایسا خطرناک صدمہ پہنچا ہے کہ ایک ہزار سال قبل تک اس کا نمونہ اور نظیر موجود نہیں ہے۔ یہ شیطان کا آخری حملہ ہے اور وہ اس وقت ساری طاقت اور زور کے ساتھ اسلام کو نابود کرنا چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا ہے اور مجھے بھیجا ہے تا میں ہمیشہ کے لئے اُس کا سر کچل دوں۔

سلسلہ میں داخل ہونے کی ضرورت

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ حاجت نہیں ہے ہم نماز روزہ کرتے ہیں وہ جاہل ہیں انہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ سب اعمال اُن کے مُردہ ہیں اُن میں رُوح اور جان نہیں اور وُہ آ نہیں سکتی جب تک وہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ کے ساتھ پیوند نہ کریں اور اس سے وہ سیراب کرنے والا پانی حاصل نہ کریں۔ تقویٰ اس وقت کہاں ہے؟ رسم و عادت کے طور پر مومن کہلانا کچھ فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ خدا کو دیکھا نہ جائے اور خدا کو دیکھنے کے لئے اَور کوئی راہ نہیں ہے۔

(اس سفر میں حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھانسی اور نزلہ کی شکایت تھی۔ یہانتک پہنچ کر پھر کھانسی کی شکایت ہوئی تو اس پر آپ نے فرمایا کہ)

میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو کچھ سُناؤں مگر کھانسی کی وجہ سے روک ہوتی ہے۔

غرض اس قدر ضرورتیں داعی ہیں کہ اُن کے بیان کرنے کے لئے بہت بڑا وقت چاہیئے اور پھر اس قدر نشانات ظاہر ہوئے ہیں کہ اُن کی بھی ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تیار ہوتی ہے میں نے ایک شعر میں ان دونو باتوں کو جمع کرکے کہا ہے ؎

آسماں بارد نشاں الوقت مے گوید زمیں

ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند (الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

[1] الحجر: ۱۰

خان عجب خاں صاحب۔ ایک بار میں پادریوں کے اعتراضوں سے بہت ہی تنگ ہوگیا وہ میرے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ اس وقت میں نے دعا کی کہ اے اللہ اسلام کو غالب کر خدا کا شکر ہے کہ وہ وقت اب آگیا ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ اس نصرت کے وقت لوگ مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ۔ یہ بالکل سچ ہے۔ عیسائیوں نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ جس جس طرح سے اُن کا قابو چلا انہوں نے اسلام کے شجر پر تبر چلایا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ آپ اس کا محافظ اور ناصر تھا۔ اس لئے وہ اپنے ارادوں میں مایوس اور نامراد ہوئے اور یہ مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ اس وقت (جب ایسی حالت ہو رہی تھی اور اسلام کی اس قدر مخالفت کی جاتی تھی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے یہ سلسلہ عظمت اسلام کو قائم کرنے کے واسطے کھڑا کیا اور اس کی تائید اور نصرت ہر ایک پہلو سے کی) وہ بجائے اس کے کہ اس سلسلہ کی قدر کرتے اور اس پیاسے کی طرح جس کو ٹھنڈے اور برفاب پانی کا پیالہ مل جاوے شکر کرتے انہوں نے مخالفت شروع کی اور اسی طریق پر جو ہمیشہ سنت اللہ چلی آتی ہے ہنسی اور استہزاء سے کام لیا۔ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور اُن سے منہ پھیر لیا۔ مجھے ان لوگوں کی حالت پر رحم اور افسوس آتا ہے کہ یہ کیوں غور نہیں کرتے اور منہاج نبوت پر اس سلسلہ کی سچائی کو نہیں سمجھتے۔

صداقت کے دلائل

وہ دیکھتے کہ اس قدر نصرتیں اور تائیدیں جو اللہ تعالیٰ کر رہا ہے کیا یہ کسی مفتری اور کذاب کو بھی مل سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کوئی شخص نصرت الٰہی کے بغیر اس قدر دعویٰ کب کر سکتا ہے۔ کیا وہ تھکتا نہیں؟ اور پھر اللہ تعالیٰ مفتری کے لئے اس قدر غیرت نہیں

دکھاتا کہ اُسے ہلاک کرے؟ بلکہ اس کو مہلت دیتا جاتا ہے اور نہ صرف مہلت بلکہ اُس کی پیشگوئیوں کو بھی سچا کر دیتا ہے اور دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اسی کی تائید کرتا ہے اور اسی کو فتح دیتا ہے۔ انسانی حکومت کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص افتراء کرتا ہے اور جھوٹی حالت بنا کر کہے کہ میں عہدیدار ہوں تو وہ پکڑا جاتا ہے اور اس کو سخت سزا دی جاتی ہے لیکن کیا تعجب کی بات نہیں کہ ایک مفتری اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا جاوے تو پھر نشان بھی دکھاتا جاوے اور اسے کوئی نہ پکڑے۔ براھین احمدیہ کی اشاعت کو بیس برس کے قریب ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ گاؤں میں بھی ہم کو کوئی شناخت نہیں کرتا تھا۔ گاؤں والے موجود ہیں۔ خود مولوی محمد حسین جس نے اس کتاب پر ریویو لکھا زندہ موجود ہے اُس سے پوچھو کہ اس وقت کیا حال تھا۔ ایسے وقت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ فوج در فوج لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ یاتون من کل فج عمیق۔ دُور دراز سے تیرے پاس لوگ آئیں گے۔ اور تحائف آئیں گے۔ پھر یہ بھی کہا کہ لوگوں سے تھکنا مت۔ اب کوئی سوچے اور دیکھے کہ خدا تعالیٰ کے یہ وعدے کس طرح پُورے ہوئے۔ ان فہرستوں کو گورنمنٹ کے پاس دیکھ لے جو آنے والے مہمانوں کی مرتب ہو کر ہفتہ وار جاتی ہیں۔ اور ڈاک خانہ اور ریل کے رجسٹروں کی پڑتال کرے جس سے پتہ لگیگا کہ کہاں کہاں سے تحائف اور روپیہ آرہا ہے اور قادیان میں بیٹھ کر دیکھیں کہ کس قدر ہجوم اور انبوہ مخلوق کا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کا فضل اور اس کی طرف سے بشارت اور قوت نہ ملے تو انسان تھک جاوے اور ملاقاتوں سے گھبرا اُٹھے۔ اُس نے یہ الہام کیا کہ گھبرانا نہ۔ ویسے ہی قوت بھی عطا کی۔ کہ گھبراہٹ ہوتی ہی نہیں اور ایسا ہی انگریزی، اُردو، عربی، عبرانی میں بہت سے الہامات ہوئے جو اُس وقت سے چھپے ہوئے موجود ہیں اور پُورے ہو رہے ہیں۔ اب خدا ترس دل لے کر میرے معاملہ پر غور کرتے تو ایک نُور اُن کی رہبری کرتا اور خدا کی رُوح اُن پر سکینت اور اطمینان کی راہیں کھول دیتی۔ وہ دیکھتے کہ کیا یہ انسانی طاقت کے اندر ہے جو اس قسم کی

پیشگوئی کرے؟ انسان کو اپنی زندگی کے ایک دم کا بھروسہ نہیں ہو سکتا تو یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ تیرے پاس دُور دراز سے مخلوق آئے گی اور ایسے زمانے میں خبر دیتا ہے جبکہ وہ محجوب ہے اور اس کو کوئی اپنے گاؤں میں بھی شناخت نہیں کرتا۔ پھر وہ پیشگوئی پُوری ہوتی ہے اس کی مخالفت میں ناخنوں تک زور لگایا جاتا ہے اور اس کے تباہ کرنے اور معدوم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جاتی مگر اللہ تعالیٰ اس کو برومند کرتا اور ہر نئی مخالفت پر اس کو عظیم الشان ترقی بخشتا ہے۔ کیا یہ خدا کے کام ہیں یا انسانی منصوبوں کے نتیجے؟ اصل یہی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔ مولویوں نے مخالفت کے لئے جُہلاء کو بھڑکایا اور عوام کو جوش دلایا، قتل کے فتوے دیئے، کُفر کے فتوے شائع کئے اور ہر طرح سے عام لوگوں کو مخالفت کے لئے آمادہ کیا مگر کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی نصرتیں اور تائیدیں اور بھی زور کے ساتھ ہوئیں۔ اُسی کے موافق جو اس نے کہا تھا "دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا مگر خدا تعالیٰ اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا"

مخالف مولوی مہدی کے منتظر تھے

جو مولوی مخالفت کے لئے شور مچاتے اور لوگوں کو بھڑکاتے ہیں یہی پہلے منبروں پر چڑھ کر رو رو کر دعائیں کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اب مہدی کا وقت آگیا۔ لیکن جب آنے والا مہدی آیا تو یہ شور مچانے والے ٹھہرے اور اسی مہدی کو مضل اور ضال اور دجّال کہا اور یہاں تک مخالفت کی کہ اپنے خیال میں عدالتوں تک پہنچا کر اس سلسلہ کو بند کرنا چاہا مگر کیا وہ جو خدا کی طرف سے آیا ہے وہ ان لوگوں کی مخالفت سے رُک سکتا ہے اور بند ہو سکتا ہے؟ کیا یہ خدا تعالیٰ کا نشان نہیں؟ اگر یہ اب بھی نہیں مانتے تو آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کوئی نظیر دو کہ اس طرح پر بیس برس پہلے ایک آنے والے زمانہ کی خبر دی اور پھر ایسی حالت میں کہ لوگوں نے اس پیشگوئی کو روکنے کی بہت

کوشش کی وہ پیشگوئی پُوری ہوگئی اور لوگوں کا کثرت کے ساتھ رجوع ہوا۔ کیا یہ نشان کم ہے اس کی نظیر دکھاؤ۔

پھر احادیث میں پڑھتے تھے کہ مہدی کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں کسوفؔ خسوف ہوگا اور جب تک یہ نشان پُورا نہیں ہوا تھا اس وقت تک شور مچاتے تھے کہ یہ نشان پُورا نہیں ہوا۔ لیکن اب ساری دنیا قریباً گواہ ہے کہ یہ نشان پُورا ہوا یہاں تک کہ امریکہ میں بھی ہوا۔ اور دوسرے ممالک میں بھی پُورا ہوا۔ اور اب وہی جو اِس نشان کو آیات مہدی میں سے ٹھہراتے تھے اس کے پُورے ہونے پر اپنے ہی مُنہ سے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہی قابل اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حالت پر رحم کرے۔ میری مخالفت کی یہ لعنت پڑتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی بھی تکذیب کر بیٹھتے ہیں۔

پھر مسیح موعود علیہ السلام کے وقت کا ایک نشان طاعون کا تھا۔ انجیل و توریت میں بھی یہ نشان موجود تھا اور قرآن شریف سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشان مسیح موعودؑ کا خدا تعالیٰ نے ٹھہرایا تھا چنانچہ فرمایا وان من قریة الا نحن مهلكوها[1] یہ باتیں معمولی نہیں ہیں بلکہ غور سے سمجھنے کے لائق ہیں۔ اور اب دیکھ لو کہ کیا طاعون ملک میں پھیلی ہوئی ہے یا نہیں؟ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ میں نے جب طاعون کے پھیلنے کی پیشگوئی کی تو مُلک میں اس کی ہنسی کی گئی اور اس پر ٹھٹھا کیا گیا۔ لیکن اب مُلک کی حالت اور طاعونی اموات کے نقشوں کو پڑھ کر بتائیں کیا یہ پیشگوئی پُوری ہوئی ہے یا نہیں؟ یہ وہ باتیں ہیں جو سمجھنے کے لائق ہیں اور ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا اعتراض کرنا کہ ہم اس وقت تسلیم کریں گے جب مغرب کی طرف سے آفتاب نکل آوے گا۔ اس قسم کے اعتراض تو کفار ہمیشہ سے نبیوں پر کرتے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ماموروں کو ایسی باتیں مخالفوں سے سُننی پڑی تھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں ہوں تو پھر قیامت کا نمونہ ہو جاوے

[1] بنی اسرائیل: ۵۹

اور اس دُنیا کو وہ قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ ایمان بالغیب بھی کوئی چیز ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ایمان ایمان نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص سورج پر ایمان لاوے تو بتاؤ یہ ایمان اس کو کیا نفع دے گا؟ ایمان ہمیشہ اسی صورت اور حالت میں مفید اور نتیجہ خیز ہوتا ہے جب اس میں کوئی پہلو اخفا کا بھی ہو لیکن جب کُھلی بات ہو تو پھر وہ مفید نہیں رہتا۔

دیکھو اگر کوئی شخص پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر بتا دے تو اُس کی تیز بینی کی تو تعریف ہو گی لیکن اگر چودھویں رات کے چاند کو جو بدر ہوتا ہے دیکھ کر شور مچا دے کہ میں نے چاند کو دیکھ لیا ہے تو اس کو تو سوائے مجنون کے اور کوئی خطاب نہیں ملیگا۔ اسی طرح پر ایمان میں فراست اور تقویٰ سے کام لینا چاہیئے۔ اور قرائن قویہ کو دیکھ کر تسلیم کر لینا مومن کا کام ہے۔ ورنہ جب بالکل پردہ بر انداز معاملہ ہو گیا اور سارے گوشے کُھل گئے اس وقت ایک خبیث سے خبیث انسان کو بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ میں اس سوال پر بار بار اس لئے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ نشانوں کی فلاسفی کیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے جیسا میں نے ابھی کہا ہے خدا تعالیٰ کبھی قیامت کا نظارہ یہاں قائم نہیں کرتا اور وہ غلطی کرتے ہیں جو ایسے نشان دیکھنے چاہتے ہیں یہ محرومی کے لچھن ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور کتاب لے آئیں تو آپ نے یہی جواب دیا هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔[1] پورے انکشاف کے بعد ایمان لا کر کسی ثواب کی امید رکھنا غلطی ہے۔ اگر کوئی مٹھی کھول دی جاوے اور پھر کوئی بتا دے کہ اس میں فلاں چیز ہے تو اس کی کوئی قدر نہ ہوگی۔

پس پہلے تقویٰ سے تو کام لو اور قرائن کو دیکھو کہ ثواب اسی میں ہے۔ جب ساری باتیں کُھل گئیں تو پھر کیا؟ جو اس انتظار میں رہے کہ یہ دیکھوں اور وہ دیکھوں وہ ہمیشہ ایمان اور ثواب کے دائرہ سے خارج رہے ہیں۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے بعض کا نام سابق مہاجر اور انصار رکھا ہے اور اُن کو رضی

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

اللہ عنہم و رضوا عنہ میں داخل کیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جو بعد میں ایمان لائے ان کا نام صرف ناس رکھا ہے جیسے فرمایا۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا[1]۔ یہ لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اگرچہ وہ مسلمان تھے مگر اُن کو وہ مراتب نہیں ملے جو پہلے لوگوں کو دیئے گئے۔

اور پھر مہاجرین کی عزت سب سے زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس وقت ایمان لائے جب اُن کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کامیابی ہوگی یا نہیں بلکہ ہر طرف سے مصائب اور مشکلات کا ایک طوفان آیا ہوا تھا اور کُفر کا ایک دریا بہتا تھا۔ خاص مکہ میں مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی اور مسلمان ہونے والوں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ مگر انہوں نے ایسے وقت میں قبول کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بڑی بڑی تعریفیں کیں اور بڑے بڑے انعامات اور فضلوں کا وارث اُن کو بنایا۔ پس ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جو اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ فلاں وقت آئے گا اور انکشاف ہوگا تو مان لیں گے۔ وہ کسی ثواب کی امید نہ رکھے۔ ایسا تو ضرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب حجاب دُور کر دے گا اور اس معاملہ کو آفتاب کی طرح کھول کر دکھا دے گا مگر اس وقت ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پیغمبروں کو ماننے والوں میں ثواب اوّلوں کو سب سے بڑھ کر ملا ہے اور انکشاف کا زمانہ تو ضرور آتا ہے لیکن آخر اُن کا نام ناس ہی ہوتا ہے۔

(اس مقام پر مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے عرض کیا کہ مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ[2] کے جواب میں یہی کہا کہ تمہارا ایمان اُس دن فائدہ نہ دے گا) فرمایا :-

بیشک اس بات کو سمجھنا سعادت ہے جس نے اوّل زمانہ میں یہ نہیں پائی اُس کی کوئی قابلیت اور خوبی نہیں۔ جب خدا نے کھول دیا اس وقت تو پتھر اور درخت بھی بولتے

[1] النصر: ۲، ۳ [2] السجدۃ: ۲۹

ہیں۔ زیادہ قابل قدر وہ شخص ہے۔ جو اوّل قبول کرتا ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے قبول کیا آپ نے کوئی معجزہ نہیں مانگا اور آپ کے مُنہ سے ابھی نہیں سُنا تھا کہ ایمان لے آئے۔ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی تجارت پر گئے ہوئے تھے اور جب سفر سے واپس آئے تو ابھی مکہ میں نہیں پہنچے تھے کہ راستہ میں کوئی ایک شخص آپ کو ملا اور اس سے مکّہ کے حالات پُوچھے۔ اُس نے کہا کہ اَور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ سب سے بڑھ کر تازہ خبر یہی ہے کہ تمہارے دوست نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سُنکر کہا کہ اگر اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ سچا ہے۔

اب غور سے دیکھو کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت کوئی نشان یا معجزہ نہیں مانگا بلکہ سُنتے ہی ایمان لے آئے اور دعویٰ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے بھی نہیں سُنا بلکہ ایک اَور شخص کی زبانی سُنا اور فوراً تسلیم کر لیا۔ یہ کیسا زبردست ایمان ہے روائت بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے سُنکر اُس میں جھوٹ کا احتمال نہیں سمجھا[1]

دیکھو حضرت ابوبکرؓ نے کوئی نشان نہیں مانگا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا نام صدیق ہوا۔ سچائی سے بھرا ہوا۔ صرف منہ دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ یہ جھوٹا نہیں ہے۔ پس صادقوں کی شناخت اور اُن کا تسلیم کرنا کچھ مشکل امر تو نہیں ہوتا۔ اُن کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں لیکن کور باطن اپنے آپ کو شبہات اور خطرات میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے ہی بد قسمت ہوتے ہیں جو انتظار ہی میں اپنی عمر گذار دیتے ہیں اور پردہ برانداز ثبوت چاہتے ہیں۔ اُن کو معلوم نہیں کہ جیسا خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ انکشاف کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا۔ نفع میں وہی لوگ ہوتے ہیں اور سعادت مند وہی ہیں جو مخفی ہونے کی حالت میں شناخت کرتے ہیں۔

دیکھو جب تک لڑائی جاری ہوتی ہے اس وقت تک فوجوں کو تمغے ملتے ہیں اور

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۳ء

خطاب ملتے ہیں لیکن جب امن ہو جاوے اس وقت اگر کوئی فوج چڑھائی کرے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ لُوٹنے کو آئے ہیں۔

رُوحانی جنگ

یہ زمانہ بھی رُوحانی لڑائی کا ہے۔ شیطان کے ساتھ جنگ شروع ہے۔ شیطان اپنے تمام ہتھیاروں اور مکروں کو لے کر اسلام کے قلعہ پر حملہ آور ہو رہا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسلام کو شکست دے مگر خدا تعالیٰ نے اس وقت شیطان کی آخری جنگ میں اُس کو ہمیشہ کے لئے شکست دینے کے لئے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ مبارک وہ جو اس کو شناخت کرتا ہے اب تھوڑا زمانہ ہے ابھی ثواب ملے گا لیکن عنقریب وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی سچائی کو آفتاب سے بھی زیادہ روشن کر دکھائے گا۔ وہ وقت ہو گا کہ ایمان ثواب کا موجب نہ ہو گا اور توبہ کا دروازہ بند ہونے کے مصداق ہو گا۔ اِس وقت میرے قبول کرنے والے کو بظاہر ایک عظیم الشان جنگ اپنے نفس سے کرنی پڑتی ہے۔ وہ دیکھے گا کہ بعض اوقات اس کو برادری سے الگ ہونا پڑے گا۔ اُس کے دُنیاوی کاروبار میں روک ڈالنے کی کوشش کی جائے گی اُس کو گالیاں سُننی پڑیں گی لعنتیں سُنے گا مگر ان ساری باتوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ملیگا۔

لیکن جب دوسرا وقت آیا اور اس زور کے ساتھ دُنیا کا رجُوع ہوا جیسے ایک بلند ٹیلہ سے پانی نیچے گرتا ہے اور کوئی انکار کرنے والا ہی نظر نہ آیا اُس وقت اقرار کس پایہ کا ہو گا؟ اس وقت ماننا شجاعت کا کام نہیں ثواب ہمیشہ دُکھ ہی کے زمانہ میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول کر کے اگر مکہ کی نمبرداری چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایک دُنیا کی بادشاہی دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کمبل پہن لیا اور ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم کا مصداق ہو کر آپ کو قبول کیا تو کیا خدا تعالیٰ نے اُن کے اجر کا کوئی حصہ باقی رکھ لیا؟ ہرگز نہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے لئے ذرا بھی حرکت کرتا ہے وہ نہیں مرتا جب تک اس کا اجر نہ پا لے۔ حرکت شرط ہے۔ ایک

حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف معمولی رفتار سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔

ایمان یہ ہے کہ کچھ مخفی ہو تو مان لے۔ جو ہلال کو دیکھ لیتا ہے تیز نظر کہلاتا ہے۔ لیکن چودھویں کے چاند کو دیکھ کر شور مچانے والا دیوانہ کہلائے گا۔

مولوی عبد اللطیف صاحب کابلی کا سوال اور آپ کا جواب

اس موقعہ پر مولانا مولوی عبد اللطیف صاحب کابلی نے عرض کی کہ حضور میں نے ہمیشہ آپ کو سورج ہی کی طرح دیکھا ہے کوئی امر مخفی یا مشکوک مجھے نظر نہیں آیا پھر مجھے کوئی ثواب ہوگا یا نہیں۔ فرمایا:-

آپ نے اس وقت دیکھا جب کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو نشانہ ابتلا بنا دیا اور ایک طرح سے جنگ کے لئے تیار کر دیا۔ اب بچ جانا یہ خدا کا فضل ہے ایک شخص جو جنگ میں جاتا ہے اس کی شجاعت میں تو کوئی شبہ نہیں اگر وہ بچ جاتا ہے اور اُسے کوئی گزند نہیں پہنچتا تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا اور ہر دکھ اور ہر مصیبت کو اس راہ میں اُٹھانے کے لئے تیار ہو گئے اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

مخالفوں کا ساحر کہنا

خان عجب خان صاحب۔ حضور پشاور میں میرے مخالف لوگ جمع ہوئے اور اُنہوں نے میرے والد سے کہا کہ اس کو منع کرو۔ میں نے اُن کو یہی جواب دیا کہ میں نے جس صداقت کو دیکھ لیا ہے اور خدا کے فضل سے سمجھ لیا ہے اب اُسے سچائی سمجھ کر میں کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ اگر اب چھوڑوں تو مجھ سے بڑھ کر خطاکار اور زیاں کار کون ہوگا؟ کیونکہ مجھ پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ اس پر اُنہوں نے اور تو کچھ نہ کہا صرف یہ کہکر ٹالدیا کہ وہ جادوگر ہے۔

فرمایا۔

جادُوگر کہلانا قدیم سے انبیاء علیہم السلام کی سُنّت چلی آتی ہے۔ ہم کو اگر کسی نے جادُوگر کہا تو اُسی سُنّت کو پُورا کیا۔

قرآن وحدیث اور اُن کا مرتبہ

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم تو قرآن شریف پیش کرتے ہیں جس سے جادُو بھاگتا ہے اس کے بالمقابل کوئی باطل اور سحر نہیں ٹھہر سکتا۔ ہمارے مخالفوں کے ہاتھ میں کیا ہے جس کو وہ لئے پھرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف وہ عظیم الشان حربہ ہے کہ اُس کے سامنے کسی باطل کو قائم رہنے کی ہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی باطل پرست ہمارے سامنے اور ہماری جماعت کے سامنے نہیں ٹھہرتا اور گفتگو سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ آسمانی ہتھیار ہے جو کبھی کُند نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اندرُونی مخالف اُس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ہیں ورنہ اگر قرآن شریف کی رُو سے یہ فیصلہ کرنا چاہتے تو اُن کو اس قدر مصیبتیں پیش نہ آتیں۔ ہم خدا تعالیٰ کا پیارا اور یقینی کلام قرآن شریف پیش کرتے ہیں اور وہ اس کے جواب میں قرآن شریف سے استدلال نہیں کرتے۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو مقدم کرو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جو قرآن شریف کے خلاف ہو ہم نہیں مان سکتے خواہ وہ کسی کا کلام ہو۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پر ہم کسی کی بات کو ترجیح کس طرح دیں۔ ہم احادیث کی عزّت کرتے ہیں اور اپنے مخالفوں سے بھی بڑھ کر احادیث کو واجب العمل سمجھتے ہیں لیکن یہ سچ ہے کہ ہم دیکھیں گے کہ وہ حدیث قرآن شریف کے کسی بیان کے متعارض یا متخالف نہ ہو۔ اور محدثین کے اپنے وضع کردہ اصُول کی بناء پر اگر کوئی حدیث موضوع بھی ٹھہرتی ہو لیکن قرآن شریف کے مخالف نہ ہو بلکہ اس سے قرآن شریف کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ تب بھی ہم اس کو واجب العمل سمجھتے ہیں اور اس امر کا پاس کریں گے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اگر کوئی حدیث ایسی پیش کی جاوے جو قرآن شریف کے مخالف ہو تو ہم کوشش کریں گے کہ اُس کی

تاویل کر کے اس مخالفت کو دُور کریں لیکن اگر وہ مخالفت دُور نہیں ہو سکتی تو پھر ہم کو وہ حدیث بہرحال چھوڑنی پڑے گی کیونکہ ہم اس پر قرآن کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس پر بھی ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ تمام احادیث جو اس معیار پر صحیح ہیں وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ بخاری اور مُسلم میرے دعوے کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں جیسے قرآن شریف نے فرمایا کہ مسیح مر گئے اسی طرح بخاری اور مسلم نے تصدیق کی اور اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ[1] کے معنے مُمِیْتُکَ کئے۔ جیسے قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسمٰعیل کو اسی طرح شرف عطا ہوا جیسے بنی اسرائیل کو بزرگی دی تھی ویسے ہی احادیث سے یہ پایا جاتا ہے۔

ان لوگوں پر جو انکار کرتے ہیں افسوس ہے۔ اُن کو رسم اور عادت نے خراب کر دیا ہے ورنہ یہ میرا معاملہ ایسا مشکل اور پیچیدہ نہ تھا جو سمجھ میں نہ آتا۔ قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، دلائلِ عقلیہ سے ثابت اور پھر تائیداتِ سماویہ اس کی مصدّق، اور ضرورتِ زمانہ اس کی مؤید۔ باوجود اس کے بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ حق پر نہیں۔

زندہ نبی آنحضرتؐ ہیں

غور کر کے دیکھو کہ جب یہ لوگ خلاف قرآن و سُنّت کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں تو پادریوں کو نکتہ چینی کا موقعہ ملتا ہے اور وہ جھٹ پٹ کہہ اُٹھتے ہیں کہ تمہارا پیغمبر مر گیا اور معاذاللہ وہ زمینی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ زندہ اور آسمانی ہے اور اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کر کے کہتے ہیں کہ وہ مُردہ ہے۔ سوچ کر بتاؤ کہ وہ پیغمبر جو افضل الرسل اور خاتم الانبیا ہے ایسا اعتقاد کر کے اس کی فضیلت اور خاتمیت کو یہ لوگ بٹہ نہیں لگاتے؟ ضرور لگاتے ہیں اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ پادریوں سے جس قدر توہین ان لوگوں نے اسلام کی کرائی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مُردہ کہلایا ہے اسی کی سزا میں یہ نکبت اور بدبختی اُن کے شاملِ حال ہو رہی ہے۔ ایک طرف تو منہ سے کہتے ہیں کہ وہ افضل الانبیاء ہیں

[1] آل عمران : ۵۶

اور دوسری طرف اقرار کر لیتے ہیں کہ ۶۳ سال کے بعد مر گئے اور مسیح اب تک زندہ ہے اور نہیں مرا حالانکہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔[1] پھر کیا یہ ارشاد الٰہی غلط ہے؟ نہیں یہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مُردہ ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی کلمہ توہین کا نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں ایسی فضیلت ہے جو کسی نبی میں نہیں ہے۔ میں اس کو عزیز رکھتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات کو جو شخص بیان نہیں کرتا وہ میرے نزدیک کافر ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس نبی کی امت کہلاتے ہیں اسی کو معاذ اللہ مُردہ کہتے ہیں اور اس نبی کو جس کی اُمت کا خاتمہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ[2] پر ہوا ہے اُسے زندہ کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم یہودی تھی اور اس کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ۔[3] اب قیامت تک اُن کو عزت نہ ملے گی۔ اب اگر حضرت عیسیٰ پھر آگئے تو پھر گویا اُن کی کھوئی عزت بحال ہو گئی اور قرآن شریف کا یہ حکم باطل ہو گیا۔ جس پہلو اور حیثیت سے دیکھو جو کچھ وہ مانتے ہیں اس پہلو سے قرآن شریف کا ابطال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم آتی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ مسلمان کہلا کر ایسے اعتقادات رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہود کے لئے فتویٰ دیتا ہے کہ اُن میں نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وہ ذلیل ہو گئے پھر اُن میں زندہ نبی کیسے آ سکتا ہے؟ ایک مسلمان کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ جب اس کے سامنے قرآن شریف پیش کیا جاوے تو وہ انکار کے لئے لب کشائی نہ کرے مگر یہ قرآن سُنتے ہیں اور پڑھتے ہیں وہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں جاتا ورنہ کیا یہ کافی نہ تھا کہ قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے يَاعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔[4] اور اس سے بڑھ کر خود حضرت مسیح کا اپنا اقرار موجود ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ[5] اور یہ قیامت

[1] النساء: ۱۱۴ [2] و [3] البقرۃ: ۶۲ [4] اٰل عمران: ۵۶ [5] المائدۃ: ۱۱۸

کا واقعہ ہے جب حضرت عیسٰی علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ کیا تُو نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ؟ تو حضرت عیسٰی علیہ السلام اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تک میں اُن میں زندہ تھا میں نے تو نہیں کہا اور میں وہی تعلیم دیتا رہا جو تو نے مجھے دی تھی۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دے دی اس وقت تو ہی اُن کا نگہبان تھا۔ اب یہ کیسی صاف بات ہے۔

اگر یہ عقیدہ صحیح ہوتا کہ حضرت مسیحؑ کو دُنیا میں قیامت سے پہلے آنا تھا تو پھر یہ جواب اُن کا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اُن کو تو کہنا چاہیئے تھا کہ میں دنیا میں جب دوبارہ گیا تو اس وقت صلیب پرستی کا زور تھا اور میری اُلوہیت اور ابنیت پر بھی شور مچا ہوا تھا مگر میں نے جا کر صلیبوں کو توڑا اور خنزیروں کو قتل کیا اور تیری توحید کو پھیلایا۔ نہ یہ جواب دیتے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی اس وقت تو خود نگران تھا۔ کیا قیامت کے دن حضرت مسیحؑ جھوٹ بولیں گے؟

ان عقائد کی شناعت کہاں تک بیان کی جاوے جس پہلو اور جس مقام سے دیکھو قرآن شریف کی مخالفت نظر آئے گی۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ دیکھا جاوے کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر جا کر کہاں بیٹھے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہاں جا کر حضرت یحیٰی علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہیں۔ اور یحیٰی علیہ السلام بالاتفاق وفات یافتہ ہیں۔ پھر مُردوں میں زندہ کا کیا کام؟

غرض کہانتک بیان کروں ایک غلطی ہو تو آدمی بیان کرے یہاں تو غلطیاں ہی غلطیاں بھری پڑی ہیں۔ باوجود ان غلطیوں کے تعصب اور ضد بڑھی ہوئی ہے اور اس ضد کے سبب سچ کے قبول کرنے میں عذر کر رہے ہیں۔ ہاں جس کے لئے خدا تعالیٰ نے مقدر کیا ہوا ہے اور اس کے حصہ میں سعادت ہے وہ سمجھ رہا ہے اور اس طرف آتا جاتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ جس کے لئے نیکی چاہتا ہے اس کے دل میں واعظ پیدا کر دیتا ہے

جب تک دل میں داخل نہ ہو کچھ نہیں ہوتا۔ اگر خدا کے قول کے خلاف کوئی قول ہو تو خدا کو اس خلاف قول کے ماننے میں کیا جواب دے گا۔

احادیث کی تصحیح و تغلیط بذریعہ کشف

احادیث کے متعلق خود یہ تسلیم کر چکے ہیں۔ خصوصاً مولوی محمد حسین اپنے رسالہ میں شائع کر چکا ہے کہ اہل کشف احادیث کی صحت بذریعہ کشف کر لیتے ہیں اور اگر کوئی حدیث محدثین کے اصولوں کے موافق صحیح بھی ہو تو اہل کشف اُسے موضوع قرار دے سکتے ہیں اور موضوع کو صحیح ٹھہرا سکتے ہیں۔[1]

جس حال میں اہل کشف احادیث کی صحت کے اس معیار کے پابند نہیں جو محدثین نے مقرر کیا ہے بلکہ وہ بذریعہ کشف اُن کی صحیح قرار دادہ احادیث کو موضوع ٹھہرانے کا حق رکھتے ہیں تو پھر جس کو حَکَم بنایا گیا ہے کیا اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا؟ خدا تعالیٰ جو اُس کا نام حَکَم رکھتا ہے یہ نام ہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ سارا رطب و یابس جو اُس کے سامنے پیش کیا جاوے گا تسلیم نہیں کرے گا بلکہ بہت سی باتوں کو ردّ کر دے گا اور جو صحیح ہونگی اُن کے صحیح ہونے کا وہ فیصلہ دے گا ورنہ حَکَم کے معنے ہی کیا ہوئے؟ جب اس کی کوئی بات ماننی ہی نہیں تو اُس کے حَکَم ہونے سے فائدہ کیا؟

مسیح موعود حَکَم ہوگا

حَکَم کا لفظ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت اختلاف ہوگا اور ۷۳ فرقے موجود ہوں گے اور ہر فرقہ اپنے مسلمات کو جو اُس نے بنا رکھے ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ جھوٹے ہیں یا خیالی، چھوڑنا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک اپنی جگہ یہ چاہے گا کہ اس کی بات ہی مانی جاوے اور جو کچھ وہ پیش کرتا ہے وہ سب کچھ تسلیم کر لیا جاوے۔ ایسی صورت میں اس حَکَم کو کیا کرنا ہوگا کیا وہ سب کی باتیں مان لے گا یا یہ کہ بعض ردّ کرے گا اور بعض کو تسلیم کرے گا۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲۹ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء

غیرمقلد تو راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی پیش کردہ احادیث کا سارا مجموعہ وہ مان نہ لے اور ایسا ہی حنفی، معتزلہ، شیعہ وغیرہ کُل فرقے تو تب ہی اُس سے راضی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کی بات تسلیم کرے اور کوئی بھی ردّ نہ کرے اور یہ ناممکن ہے۔ اگر یہ ہو۔ کہ کوٹھڑی میں بیٹھا رہے گا اور اگر شیعہ اس کے پاس جائے گا تو اندر ہی اندر مخفی طور پر اُسے کہہ دے گا کہ تُو سچا ہے اور پھر سُنّی اُس کے پاس جائے گا تو اُس کو کہہ دے گا کہ تُو سچا ہے۔ تو پھر تو بجائے حَکَمْ ہونے کے وہ پکّا منافق ہوا۔ اور بجائے وحدت کی رُوح پھونکنے کے اور سچا اخلاص پیدا کرنے کے وہ نفاق پھیلانے والا ٹھہرا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آنے والا موعود حَکَمْ واقعی حَکَمْ ہوگا۔ اُس کا فیصلہ قطعی اور یقینی ہے۔ اس کے فیصلہ میں ایک ہے نہیں[1]

ایک نقل مشہور ہے کہ کسی عورت کی دو لڑکیاں تھیں ایک بیٹ میں بیاہی ہوئی تھی اور دوسری بانگر میں اور وہ ہمیشہ یہ سوچتی رہتی تھی کہ دو میں سے ایک ہے نہیں اگر بارش زیادہ ہو گئی تو بیٹ والی نہیں ہے اور اگر نہ ہوئی تو بانگر والی نہیں ہے۔ یہی حال حَکَمْ کے آنے پر ہونا چاہیئے۔

وہ خود ساختہ اور موضوع باتوں کو ردّ کر دے گا اور سچ کو لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حَکَمْ رکھا گیا ہے۔ اسی لئے آثار میں آیا ہے کہ اُس پر کُفر کا فتویٰ دیا جاوے گا کیونکہ وہ جس فرقہ کی باتوں کو ردّ کرے گا وہی اس پر کُفر کا فتویٰ دے گا۔ یہانتک کہا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کے نزول کے وقت ہر ایک شخص اُٹھ کر کھڑا ہوگا اور منبر پر چڑھ کر کہے گا۔ اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔ اس شخص نے ہمارے دین کو بدل دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہوگا کہ وہ بہت سی باتوں کو ردّ کر دے گا جیسا کہ اُس کا منصب اُس کو اجازت دے گا۔

[1] غالباً یہ سہو کتابت ہے۔ اصل فقرہ یوں معلوم ہوتا ہے:۔ " اس کے فیصلہ میں دو میں سے ایک ہے نہیں" واللہ اعلم۔ (مرتب)

غرض اس بات کو سرسری نظر سے ہرگز نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ غور کرنا چاہیئے کہ حَکَم عدل کا آنا اور اس کا نام دلالت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کے وقت آئے گا اور اس اختلاف کو مٹائے گا۔ ایک کو ردّ کرے گا اور اندرونی غلطیوں کی اصلاح کرے گا۔

وہ اپنے نُور فراست اور خدا تعالیٰ کے اعلام والہام سے بعض ڈھیروں کے ڈھیر جلا دے گا اور پکّی اور محکم باتیں رکھ لے گا۔ جب یہ مسلم امر ہے تو پھر مجھ سے یہ امید کیوں کی جاتی ہے کہ میں اُن کی ہر بات مان لُوں قطع نظر اس کے کہ وہ بات غلط اور بیہودہ ہے۔ اگر میں اُن کا سارا رطب ویابس مان لُوں تو پھر میں حَکَم کیسے ٹھہر سکتا ہوں؟ یہ ممکن ہی نہیں۔ افسوس یہ لوگ دل رکھتے ہیں پر سوچتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں پر سُنتے نہیں۔ اُن کے لئے بہترین راہ اب یہی ہے کہ وہ رو رو کر دعائیں کریں اور میرے متعلق کشف الحقیقت کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق چاہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص محض احقاقِ حق کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے گا تو وہ میرے معاملہ کی سچائی پر خدا تعالیٰ سے اطلاع پائے گا اور اُس کا زنگ دُور ہو جائے گا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جو دلوں کو کھولے اور کشفِ حقائق کی قوت عطا کرے۔ اسلام اس وقت مصیبت کی حالت میں ہے اور وہ ایک فنا شدہ قوم کی حالت اختیار کر چکا ہے۔ ایسی حالت اور صورت میں ان لوگوں پر مجھے رونا آتا ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام کی اس تباہ شدہ حالت کی اصلاح کے لئے کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بیمار ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بیماروں سے بڑھ کر کون واجب الرحم ہو سکتا ہے جو اپنی بیماری کو صحت سمجھے۔ یہی وہ مرض ہے جس کو لاعلاج کہنا چاہیئے۔ اور ان لوگوں پر اَور بھی افسوس ہے جو خود حدیثیں پڑھتے اور پڑھاتے تھے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آیا کرتا ہے لیکن اس چودھویں صدی کے مجدّد کا انکار کر دیا۔ اور نہیں بتاتے کہ اس صدی پر جس میں سے بیس سال گذر گئے کوئی مجدد آیا ہے یا نہیں؟ خود پتہ نہیں دیتے اور آنے والے کا نام دجّال رکھتے ہیں۔ کیا اسلام کی اس خستہ حالی کا

مداوا اللہ تعالیٰ نے یہی کیا کہ بجائے ایک مصلح اور مردِ خدا کے بھیجنے کے ایک کافر اور دجال کو بھیج دیا؟ یہ لوگ ایسے اعتقاد رکھ کر خدا تعالیٰ کی اس پاک کتاب قرآن مجید کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

تقویٰ نہیں رہا

اس وقت تقویٰ بالکل اُٹھ گیا ہے۔ اگر مُلّانوں کے پاس جائیں تو وہ اپنے ذاتی اور نفسانی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ مسجدوں کو دوکانوں کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ اگر چار روز روٹیاں بند ہو جائیں تو کچھ تعجب نہیں کہ نماز پڑھنا پڑھانا ہی چھوڑ دیں۔ اس دین کے دو ہی بڑے حصے تھے ایک تقویٰ دوسرے تائیدات سماویہ۔ مگر اب دیکھا جاتا ہے کہ یہ باتیں نہیں رہیں۔ عام طور پر تقویٰ نہیں رہا اور تائیدات سماویہ کا یہ حال ہے کہ خود تسلیم کر بیٹھے ہیں کہ مدت ہوئی ان میں نہ کوئی نشانات ہیں نہ معجزات اور نہ تائیدات سماویہ کا کوئی سلسلہ ہے۔ جلسہ مذاہب میں مولوی محمد حسین نے صاف طور پر اقرار کیا تھا کہ اب معجزات اور نشانات دکھانے والا کوئی نہیں اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ تقویٰ نہیں رہا کیونکہ نشانات تو متقی کو ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی تائید اور نصرت کرتا ہے مگر وہ نصرت تقویٰ کے بعد آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اور معجزات اس لئے عظیم الشان قوت اور زندگی کے نشانات ہیں کہ آپ سید المتقین تھے۔ آپ کی عظمت اور جلال کا خیال کر کے بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اب پھر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ کا جلال دوبارہ ظاہر ہو اور آپ کے اسم اعظم کی تجلی دُنیا میں پھیلے اور اسی لئے اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے اور اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جلال ظاہر کرنا ہے اس لئے کوئی مخالف اس کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ماننے سے شرک پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ اُس کو پسند نہیں کرتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت توحید ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ مسیحؑ کی موت کے پردہ کو اُٹھا دے اور عالم کو دکھا دے کہ درحقیقت حضرت مسیحؑ عام انسانوں کی طرح تھے اُن میں کوئی خصوصیت اور الوہیت نہ تھی وہ وفات پا گئے۔

اور جیسے جسمانی طور پر آپ مر گئے رُوحانی طور پر بھی عیسائی مذہب مر گیا اور اُس میں کوئی قبولیت اور شرف کا نشان باقی نہیں۔ ایک بھی عیسائی نہیں جو کھڑا ہو کر دعویٰ سے کہہ سکے کہ میں ان زندہ آثار اور نشانات سے جو زندہ مذہب کے ہیں اسلام کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔

چالیس کروڑ انسان جو مختلف اغراضِ نفسانی کی بنا پر یا اور وجوہات سے اس کو خدا بنا رہے ہیں۔ وہ وقت آتا ہے کہ اس کی خدائی سے توبہ کریں گے اور اس کو عام انسانوں میں جگہ دیں گے۔

مسلمانوں پر افسوس ہے جنہوں نے عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اور اس کو خدا بنانے میں مدد دی۔ عیسائی کھُلے طور پر خدا مانتے ہیں اور یہ لوگ خدائی کی صفات دیتے ہیں۔ ان کی ویسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں آدمی مر گیا ہے لیکن دوسرا آدمی کہے کہ ابھی مرا تو نہیں مگر بدن سرد ہے اور نبض بھی نہیں چلتی اور حرکت بھی نہیں۔ تو کیا وُہ مُردہ نہ ہوگا؟ یہی حال حضرت عیسیٰ کی خدائی کے متعلق ہے۔ خدائی کے صفات اُن میں تسلیم کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم خدا نہیں مانتے۔ اب غیرت مند مسلمان سوچ کر جواب دیں کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو خالق مانا جاتا ہے۔ مُحی مانا جاتا ہے۔ غیب دان مانا جاتا ہے شافی مانا جاتا ہے۔ حی مانا جاتا ہے تو اور کیا باقی رہا؟ غرض مسلمانوں کی حالت بہت نازک ہو گئی ہے اور وہ سوچتے نہیں۔

اس وقت اگر اَور نشانات اور تائیدات ہمارے دعویٰ کی مصدق اور موید نہ ہوتیں تب بھی وقت ایسا تھا کہ وہ زبردست ضرورت بتاتا ہے خدا تعالیٰ ہی انکی آنکھیں کھولے تو بات بنے گی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۳ء)

۲۰؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز سہ شنبہ

بوقت عصر۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کیسے تاڑ تاڑ نشان دکھلا رہا ہے۔ ہم ابھی عدالت میں پیش بھی نہ ہوئے تھے اور نہ کسی کو معلوم تھا کہ انجام کیا ہوگا لیکن مواہب الرحمٰن میں لکھا ہوا تھا کہ کرم دین کا مقدمہ خارج ہو جائے گا اور وہ ۱۵؍ تاریخ سے ہی تقسیم ہو رہی تھی بلکہ بعض ہمارے دوستوں نے کرم دین کو دکھلا بھی دیا کہ تمہارے مقدمہ کی نسبت یہ کچھ لکھا ہے۔

مجلس قبل از عشاء

فرمایا:۔ کھانسی کا زور ہو گیا ہے۔

اس کے بعد ایک رؤیا دریائے نیل والی سنائی جو کہ البدر جلد ۲ میں شائع ہو چکی ہے (وہاں غلطی سے ۱۹؍ تاریخ لکھی ہے اصلاح کر لی جاوے)[1]۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱و۲ صفحہ ۷ مؤرخہ ۲۳؍۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء میں یہ رؤیا یوں درج ہے کہ "میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں۔ اور میں اپنے آپ کو موسیٰ سمجھتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں نظر اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکر کثیر کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اس کے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے و گاڑیوں اور رتھوں کے ہے وہ ہمارے بہت قریب آگیا ہے۔ میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور اکثر ان میں سے بیدل ہو گئے ہیں اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسیٰ ہم پکڑے گئے اور میں نے بلند آواز سے کہا كَلَّآ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِ[2] اتنے میں میں بیدار ہو گیا اور زبان پر یہی الفاظ جاری تھے۔"

نوٹ:۔ الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۱۵ پر بھی یہ رؤیا ۱۹؍جنوری کی ہی بیان شدہ لکھی ہے اور البدر جلد ۲ نمبر ۱-۲ صفحہ ۷ پر بھی ۱۹؍جنوری کی بیان کی گئی ہے لیکن البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے کہ یہ رؤیا حضور نے ۲۰؍جنوری کی شام کی مجلس میں بیان فرمائی تھی۔ پہلے غلطی سے ۱۹؍جنوری کی تاریخ لکھی گئی ہے واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

اس کے بعد سراج الاخبار کی دروغ بیانی کا ذکر ہوتا رہا کہ اس نے لکھا ہے کہ جہلم میں جس قدر ہجوم لوگوں کا تھا وہ صرف میاں کرم دین کے لئے تھا حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

جب وہ جہلم میں نالش کرنے گیا تھا تو کس قدر گروہ تھا؟ پھر وہ چندہ وغیرہ جمع کرتا رہا تو کس قدر گروہ تھا؟ اور جہلم میں جو کئی سو آدمیوں نے بیعت کی وہ کس کی کی؟ وغیرہ وغیرہ

مُفتی محمد صادق صاحب نے ایک انگریزی اخبار سُنایا جس میں مسٹر پگٹ کا حال تھا۔ فرمایا کہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسے کاذب مدعی پیدا ہوئے تھے جو کہ بہت جلد نابود ہوئے یہی حال اس کا ہوگا۔ اس کے متعلق الہام ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

۱۲؍ جنوری ۱۹۰۳ء

(مجلس قبل از عشاء)

حضرت اقدس نے حسب دستور نماز مغرب ادا فرما کر مجلس فرمائی۔ ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نومُسلم نے ایک مضمون ایک اشتہار کا حضرت اقدس کو پڑھ کر سُنایا جو کہ اُن تمام مسلموں کی طرف سے جو کہ حضرت اقدس کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے ہندو دآریہ کے سربرآوردہ ممبروں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں انہوں نے استدعا کی ہے کہ اگر اُن کے نزدیک یہ نومسلم جماعت مذہبِ اسلام کے قبول کرنے میں غلطی پر ہے تو وہ اُن کے پیش کردہ معیار صداقت (جو کہ حضرت اقدس کے مضامین مباہلہ ومقابلہ سے اخذ شدہ ہیں) کی رُو سے حضرت

[1] المائدہ: ۳

مرزا صاحب سے فیصلہ کر کے اُن کا غلطی پر ہونا ثابت کر دیویں۔

حضرت اقدس نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور کہا کہ

مذہب کی غرض یہی نہیں ہے کہ صرف آئندہ جہان میں خدا تعالیٰ سے فائدہ حاصل ہو بلکہ اس موجودہ جہاں میں بھی خدا تعالیٰ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں کے صرف دعوے ہی دعوے ہیں کوئی کام توکّل اور تقویٰ کا ان سے ثابت نہیں ہوتا۔ مصیبت پڑے تو ہر ایک ناجائز کام کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

غیر احمدی کے پیچھے نماز

خاں[1] عجب خاں صاحب تحصیلدار نے حضرت اقدس سے استفسار کیا کہ اگر کسی مقام کے لوگ اجنبی ہوں اور ہمیں علم نہ ہو کہ وہ احمدی جماعت میں ہیں یا نہیں تو اُن کے پیچھے نماز پڑھی جاوے کہ نہ؟ فرمایا:۔

ناواقف امام سے پُوچھ لو اگر وہ مصدق ہو تو نماز اس کے پیچھے پڑھی جاوے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک الگ جماعت بنانا چاہتا ہے اس لئے اس کے منشاء کی کیوں مخالفت کی جاوے۔ جن لوگوں سے وہ جُدا کرنا چاہتا ہے بار بار اُن میں گھُسنا یہی تو اس کے منشاء کے مخالف ہے۔

---

[1] الحکم میں اس ڈائری پر ۲۰ر جنوری ۱۹۰۳ء کی تاریخ درج ہے جو سہو معلوم ہوتا ہے۔ ۲۰ کا ہندسہ بھی پُورا روشن نہیں بلکہ مٹا مٹا سا ہے۔ البدر میں ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲ سب تاریخوں کی مسلسل الگ الگ ڈائری موجود ہے۔ الحکم میں اگر اس ڈائری کو ۲۰ر کی سمجھا جائے تو ۲۱ر کی کوئی ڈائری وہاں درج نہیں۔ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ ۲۱ر جنوری کی ہی ڈائری ہے جس پر الحکم میں سہو کتابت یا سہو طباعت سے ۲۰ر جنوری کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال الحکم کی اس ڈائری میں خاں عجب خانصاحب کا استفسار اور حضرت اقدسؑ کا جواب یُوں درج ہے:۔

غیر احمدی کے پیچھے نماز | جناب خاں عجب خاں صاحب آف زیدہ کے استفسار پر کہ بعض اوقات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر تحصیلدار صاحب نے پوچھا کہ اپنے مقام پر جا کر ہمارا بڑا کام کیا ہونا چاہیئے؟

فرمایا کہ

ہماری دعوت کو لوگوں کو سُنایا جاوے۔ ہماری تعلیم سے اُن کو واقف کیا جاوے۔ تقویٰ اور توحید اور سچا اسلام اُن کو سکھایا جاوے۔

ایک مُردہ کا زندہ ہونا

اس کے بعد تین احباب نے بیعت کی۔ ان میں سے ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں شریر آدمی تھا اور مجھ کو جھوٹے دعوے کرنے اور لوگوں کے حقوق چھین لینے اور ضبط کرنے کی خوب مشق تھی اور دوسرے بھی جسقدر معاصی مثل شراب وغیرہ تھے اُن تمام میں مَیں مبتلا تھا۔ چند دن ہوئے کہ میں نے ایک ہندو سے اسی طرح ظُلم کیا اور اس کے حقوق ضبط کئے۔ رات کو جب میں سویا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی ہندو میرے ساتھ کلام کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یا تو خدا تعالیٰ تجھے ہدایت کرے یا تجھے اس دُنیا سے اُٹھا لیوے تا کہ ہم لوگ تیرے مظالم سے نجات پاویں۔ اس کے بعد وہ نظر سے غائب ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک شعلہ نُور کا گرا اور جس مکان میں مَیں تھا اس دروازے کی طرف آیا۔ میں اُٹھ کر اُسے دیکھنے لگا تو دیکھا کہ حضور

ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اس سلسلہ سے اجنبی اور ناواقف ہوتے ہیں اُن کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں یا نہیں؟ فرمایا۔ "اوّل تو کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں لوگ واقف نہ ہوں اور جہاں ایسی صورت ہو کہ لوگ ہم سے اجنبی اور ناواقف ہوں تو اُن کے سامنے اپنے سلسلہ کو پیش کر کے دیکھ لیا اگر تصدیق کریں تو اُن کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو ورنہ ہرگز نہیں اکیلے پڑھ لو خدا تعالیٰ اس وقت چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیار کرے پھر جان بوجھ کر ان لوگوں میں گھسنا جن سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے منشاء الٰہی کی مخالفت ہے" الحکم جلد ۵ ش ۱۳ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۰۳ء

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کی شکل کا ایک آدمی ہے۔ میں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ کیا تُو نام نہیں جانتا؟ اس کے بعد کہا کہ اب بس کر بہت ہوئی ہے۔ پھر میں نے نام پُوچھا تو بتلایا کہ

"میرزا غلام احمد قادیانی"

اس کے بعد میری آنکھ کُھل گئی اور میں اپنے افعال و کردار پر نادم ہوں اور اب اسی خواب کے ذریعہ آپ کے پاس آیا ہوں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

تم کو خدا تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ اپنی حالت بدل دو اور سمجھو کہ ایک دن موت آنی ہے خدا تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ گناہگار کو بلا سزا دیئے نہیں چھوڑتا۔ توبہ کرنے سے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بہت ہی رحم کرنے والا ہے مگر سزا بھی بہت دینے والا ہے۔ تمہاری فطرت میں کوئی نیکی ہوگی ورنہ عام طور پر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ اس طرح سے خبر دیوے اس لئے اپنی زندگی کو بدلو اور عادتوں کو ٹھیک کرو۔

پھر اس تائب نے عرض کی کہ میرا ایک مقدمہ چودہ صد روپے کا داخل دفتر ہو گیا ہے مگر اس میں میرا حق بہت تھوڑا ہے اب اُسے برآمد کراؤں کہ نہ؟

فرمایا:۔ مدعا علیہ سے مل کر صُلح کر لو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴۔ ۳۵ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۲ جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

(بوقت ظہر)

ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ پیش کیا۔ جس میں یہ تحریر تھا کہ وہ ہر طرف افلاس سے گھرا ہوا ہے اور ایسے ایسے خیالات اس کے دماغ

میں آتے ہیں کہ اُسے موت بہتر معلوم ہوتی ہے اور حضرت اقدسؑ سے
اس کا علاج چاہا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ

ایسے خیالات کا علاج یہی ہوا کرتا ہے کہ آہستہ آہستہ خوفِ خدا پیدا ہوتا جائے اور کچھ آرام کی صورت بنتی جاوے[1]۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے رفتہ رفتہ ہی دُور ہوں گے۔ جو گندے خیالات بے اختیار دل میں پیدا ہوتے ہیں اُن سے انسان خدا تعالیٰ کی درگاہ میں مؤاخذہ کے قابل نہیں ہوا کرتا بلکہ ایسے شیطانی خیالوں کی پیروی سے پکڑا جاتا ہے[2]۔ وہ خیالات جو اندر پیدا ہوتے ہیں وہ انسانی طاقت سے باہر اور مرفوع القلم ہیں۔ بے صبری نہ چاہیئے۔ جلدی سے یہ بات طے نہیں ہوا کرتی۔ وقت آئے گا تو دُور ہوں گی۔ توبہ و استغفار میں لگے رہیں اور اعمال میں اصلاح کریں۔ ایسے خیالات کا تخم زندگی کے کسی گذشتہ حصہ میں بویا جاتا ہے تو پیدا ہوتے ہیں اور جب دُور ہونے لگتے ہیں تو یکدفعہ ہی دُور ہو جاتے ہیں خبر بھی نہیں ہوتی جیسے کہ کسی کی بیماری کہ جب جانے لگے تو ایک دم ہی چلی جاتی ہے اور پتہ نہیں لگتا۔ گھبرانے سے اور آفت پیدا ہوتی ہے۔ آرام سے خدا سے مدد مانگے۔ خدا کی بارگاہ کے سب کام آرام ہی سے ہوتے ہیں۔ جلدی وہاں منظور نہیں ہوتی اور نہ کوئی ایسی مرض ہے کہ جس کا علاج وہاں نہ ہو۔ ہاں صبر سے لگا رہے اور خدا کی آزمائش نہ کرے۔ جب خدا کی آزمائش کرتا ہے تو خود آزمائش میں

---

[1] الحکم میں ہے:۔ "فرمایا۔ ایسے خیالات کا علاج خدا کا خوف ہے جب یہ پیدا ہو جاوے تو پھر آہستہ آہستہ کوئی صورت اطمینان نکل آتی ہے۔"
(الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۳ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں یہ فقرہ یوں ہے:۔
"گندے خیالات جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اُن سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جاتا۔ البتہ جب اُن پر عزم کر لیا جاوے تو وہ قابلِ مؤاخذہ ہو جاتے ہیں۔"
(الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۳ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

پڑتا ہے اور نوبت ہلاکت تک آجاتی ہے۔

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ

جہلم کے مقدمہ کی نسبت فرمایا:۔

خدا کی طرف سے جو معلوم ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔ اسباب کیا شئے ہے کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری راہ میں جاؤ گے تو مراغماً کثیراً[1] پاؤ گے۔ صحتِ نیّت سے جو قدم اُٹھاتا ہے خدا اُس کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ انسان اگر بیمار ہو تو اس کی بیماری دُور ہوجاتی ہے۔ صحابہؓ کی نظیر دیکھ لو۔ دراصل صحابہ کرامؓ کے نمونے ایسے ہیں کہ کُل انبیاء کی نظیر ہیں۔ خدا کو تو عمل ہی پسند ہیں۔ انہوں نے بکریوں کی طرح اپنی جانیں دیں۔ اور اُن کی مثال ایسی ہے جیسے نبوت کی ایک ہیکل آدم علیہ السلام سے چلی آتی تھی اور سمجھ نہ آتی تھی مگر صحابہ کرامؓ نے چمکا کر دکھلا دی اور بتلا دیا کہ صدق اور وفا اسے کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کا تو حال ہی نہ پُوچھو۔ موسیٰؑ کو کسی نے فروخت نہ کیا۔ مگر عیسیٰؑ کو اُن کے حواریوں نے تیس روپے لیکر فروخت کر دیا۔ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کو عیسیٰؑ علیہ السلام کی صداقت پر شک تھا۔ جبھی تو مائدہ مانگا اور کہا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا[2] تاکہ تیرا سچا اور جھوٹا ہونا ثابت ہوجائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول مائدہ سے پیشتر اُن کی حالت نَعْلَمُ کی نہ تھی۔ پھر جیسی بے آرامی کی زندگی انہوں نے بسر کی اس کی نظیر کہیں نہیں پائی جاتی۔ صحابہ کرامؓ کا گروہ عجیب گروہ قابلِ قدر اور قابلِ پیروی گروہ تھا۔ اُن کے دل یقین سے بھر گئے ہوئے تھے۔ جب یقین ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ اوّل مال وغیرہ دینے کو جی چاہتا ہے پھر جب بڑھ جاتا ہے تو صاحبِ یقین خدا کی خاطر جان دینے کو تیار ہوجاتا ہے۔

---

[1] النساء: ۱۰۱ [2] المائدۃ: ۱۱۴

نمازِ مغرب کے بعد مقدمہ بازی کے اوپر ذکر چلا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

اب اس وقت دنیا کا یہ حال ہے کہ لوگوں نے خدا کا کوئی خانہ خالی نہیں رکھا۔ گذشتہ کارروائی کا یہ لوگ خیال نہیں کرتے اور نہ تجربہ کرتے ہیں کہ کیا کسی کو خیال تھا کہ مقدمہ جہلم کا یہ نتیجہ ہوگا۔ پھر جس خدا نے قبل از وقت بتلایا اور ہم نے دو صد سے زائد کتب چھاپ کر فیصلہ سے پیشتر شائع کر دیں جس میں ذکر تھا کہ اس مقدمہ میں ہماری فتح ہے وہی خدا اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیرِ آں گنج کرم بنہادہ است

ایک اخبار کی نسبت ذکر ہوا کہ مقدمہ کا نتیجہ قبل از وقت شائع کرنا دُور اندیشی پر دلالت نہیں کرتا۔ فرمایا:۔

جب یہ لوگ خدا کے قائل نہیں تو الہام کے کب قائل ہوں گے؟ ان لوگوں کو بے عقل بھی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ ان میں نُورِ ایمان نہیں ہے۔ کیا وہ کسی ایسے مفتری اور کذاب کی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ اس کی مخالفت پر ناخنوں تک زور لگایا گیا ہو اور ہمیشہ قبل از وقت اپنے افترا شائع کرتا رہا ہو پھر وہ اپنے وقت پر پُورے ہوتے رہے ہوں، بتلاویں تو سہی۔ جس شد و مد سے ہم نے خبریں قبل از وقت پیش کی ہیں کسی اور نے بھی کہیں ہیں؟ ان لوگوں کے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں جب تک خدا پر یقین نہ ہو۔ خدا کی معرفت ضروری ہے۔ کوئی آسمانی امر اُن کے نزدیک عظمت کے قابل نہیں ہے۔ تعجب آتا ہے کہ ایک طرف طاعون کا یہ حال ہے اور ایک طرف دلوں کی یہ سختی۔ کوئی اور برتن ہو تو انسان اس میں ہاتھ ڈال کر صاف بھی کر لے مگر ان کے دلوں کے برتن جن کے اندر زنگار بھرا ہوا ہے کیسے صاف ہوں

عجیب معاملہ ہے جس قدر ہمیں اُن پر حسرت ہوتی ہے اسی قدر اُن کی نفرت اور بغض اور جوش بڑھتا ہے۔ جیسے کوئی آدمی جس کا معدہ بلغم یا صفرا سے بھرا ہوا ہو تو اسے کھانا کھانے سے تنفر ہوتا ہے کہ وہ کھانے کا نام سُننا بھی برداشت نہیں کرسکتا اور اس کا جی بیزار ہوتا ہے۔ یہی حال ان کا ہے۔ سچی بات کا نام تک نہیں سُن سکتے۔ کس کس کا نام لیں۔ اور کس کس کی شکایت کریں سب ایک ہی ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے جب سے یہ الہام ہوا ہے "دُنیا میں ایک نذیر آیا مگر دُنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا" اب اس کا مفہوم کہ زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا قابلِ غور ہے بیوقوف جانتے نہیں کہ یہ کاروبار مصنوعی کیسے چل سکتا ہے؟ ہمارے دیکھتے ہوئے ہزاروں چل بسے لیکن ان لوگوں کے نزدیک اب سب کچھ جائز ہوگیا ہے۔ کل خوبیاں جو کہ صادقوں کے تجویز کرتے تھے۔ اب سب کاذبوں کو دے دی ہیں اور ایسے تہیدست ہوئے ہیں کہ کوئی خوبی صادق کی بیان کر ہی نہیں سکتے۔

رؤیا

بعض متفرق رؤیا[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتلاء کے دن ہیں۔ رات کو میں نے دیکھا کہ

---

[۱] (از الحکم) "فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ زارِ رُوس کا سونٹا میرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ وہ بڑا لمبا اور خوبصورت ہے۔ پھر میں نے غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے۔ اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے بلکہ اس میں پوشیدہ نالیاں بھی ہیں گویا بظاہر سونٹا معلوم ہوتا ہے اور وہ بندوق بھی ہے۔
اور پھر دیکھا خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا اس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا بھی پاس ہی کھڑا ہے اور اس تیر کمان سے میں نے ایک شیر کو بھی شکار کیا"
(الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۱۵ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء)

ایک بڑا زلزلہ آیا مگر اُس سے کسی عمارت وغیرہ کا نقصان نہیں ہوا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۵-۳۶ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء بروز جمعہ

(بوقت عصر)

ایک عرب کی طرف سے ایک خط حضرت کی خدمت میں آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ اگر آپ ایک ہزار روپیہ مجھے بھیجکر اپنا وکیل یہاں مقرر کر دیویں تو میں آپ کے مشن کی اشاعت کروں گا۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ان کو لکھ دو ہمیں کسی وکیل کی ضرورت نہیں ایک ہی ہمارا وکیل ہے جو عرصہ بائیس سال سے اشاعت کر رہا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اَور کی کیا ضرورت ہے اور اُس نے کہہ بھی رکھا ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔

(مجلس قبل از عشاء)

مغرب کے بعد مجلس ہوئی تو حضرت اقدس نے محب خان صاحب تحصیلدار سے استفسار فرمایا کہ آپ کی رخصت کس قدر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ چار ماہ۔ فرمایا:۔

آپ کو تو پھر بہت دیر یہاں رہنا چاہیے تاکہ پوری واقفیت ہو

عجب حیرت ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ یہاں تازہ بتازہ سامان تقویٰ کے جماعت کے واسطے تیار کر رہا ہے۔ اُس طرف (یعنی منکرین کی طرف) اس کا کوئی نشان بھی نہیں ہے یہ لوگ الہام اور تقویٰ سے دُور ہوتے جاتے ہیں اگر اب ان سے پُوچھا جاوے کہ اہلِ حق کی

کیا علامت ہے؟ تو ہرگز نہیں بتلا سکتے اور نہ اس بات پر قادر ہو سکتے ہیں کہ صادق اور کاذب کے درمیان کوئی مابہ الامتیاز کریں۔ ہماری مخالفت میں یہ حالت ہے کہ جو کچھ صادق کے لئے خدا نے مقرر کیا تھا۔ اب اُن کے نزدیک گویا کاذب کو دے دیا گیا ہے۔ جس قدر نکتہ چینیاں بیان کرتے ہیں وہ تمام پیغمبروں پر صادق آتی ہیں۔ کمتر تقویٰ اُن کے لئے یہ تھا کہ خاموش رہتے۔ اگر ہم کاذب ہوتے تو رفتہ رفتہ خود تباہ ہو جاتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم[1]۔ یہاں علم سے مراد یقین ہے۔ اب ان کی وہی مثال ہے۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا[2]۔ ٭

مقدمہ جہلم پر بعض خلاف واقعہ باتیں اخبارات نے لکھی تھیں ان پر فرمایا کہ اس شور و غوغا کا جواب بجز خاموشی کے اور کیا ہے۔ افوض امری الی اللہ[3]۔

اس کے بعد ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ میرے باپ اور قوم کیواسطے دُعا کی جاوے۔ حضرت اقدس نے اسی وقت دست مبارک اُٹھا کر دُعا کی اور کل حاضرینِ مجلس بھی شریک ہوئے۔

حضرت کی خدمت میں ایک شخص کی شکایت ہوئی کہ دعویٰ تو بیعت کا کرتا ہے مگر اس کی زبان سے بعض ایسے کلمات نکلتے ہیں جس سے کوئی خصوصیت حضور کے دعاوی کی تصدیق کی معلوم نہیں ہوتی۔ فرمایا:-

ایسے مشکوک الحال آدمی کا رکھنا اچھا نہیں۔

٭ الحکم میں اس آیت کی تشریح بزبان فارسی یہ لکھی ہے:-
"مراد از علم یقین است۔ ظنون را علم نمے گویند۔ ایناں اتباع ظن میکنند۔ إنّ الظنّ لا یغنی من الحق شیئًا[4]"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

[1] بنی اسرائیل: ۳۷ [2] الاعراف: ۱۸۰ [3] المومن: ۴۵ [4] یونس: ۳۷

مگر جب اس نے معذرت کی اور کہا کہ یہ امر غلطی سے ایسا سمجھا گیا ہے تو

فرمایا:۔

ایسی باتوں سے انسان بیعت سے خارج ہو جاتا ہے ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے

اور اُسے معاف کر دیا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء بروز شنبہ

(مجلس قبل از عشاء)

فرمایا۔ اب بارش ہونے کی وجہ سے گرد وغبار کم ہو گیا ہے ایک دو دن ذرا باہر ہو آویں (یعنی سیر کو جایا کریں)

کرم دین کے مقدمہ کے حالات پر فرمایا:۔

زمینی سلطنت تو صرف آسمانی سلطنت کے اظلال و آثار ہیں بغیر آسمان کے یہ سلطنت کیا کر سکتی ہے۔ انسان بھی کیا عجیب شئے ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق و وفا میں ترقی کرے تو نُورٌ علیٰ نور۔ ورنہ اگر ظلمت میں گرے تو اس درجہ تک گرتا ہے کہ کوئی حصہ تقوٰی کا اس کے قول و فعل و اخلاق میں باقی نہیں رہتا سب ظُلمت ہی ظُلمت ہو جاتا ہے

فرمایا:۔

آج ایک کشف میں دکھایا گیا تَفْصِیْلُ مَا صَنَعَ اللّٰہُ فِیْ ھٰذَا الْبَأْسِ بَعْدَ مَا اَشْعَنَهٗ فِی النَّاسِ۔ اس کے بعد الہامی صورت ہو گئی اور زبان پر یہی جاری تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ کے متعلق جو قبل از وقت پیشگوئی کے رنگ میں بتایا گیا تھا۔ اب اس کی تفصیل ہو گی۔

فرمایا کہ

جہلم سے واپسی پر یہ الہام ہوا تھا

اَفانین اَیاتٍ

ثناء اللہ کے ذکر پر فرمایا کہ

اگر اس کی نیت نیک ہوتی تو ہمارا پیش کردہ طریق ضرور قبول کرتا۔ ہماری نیک نیتی تھی کہ ہم نے اس کے لئے ایسی راہ تجویز کی کہ امن قائم رہے، حق ظاہر ہو جاوے۔ لوگوں میں اشتعال اور فساد نہ ہو۔ عوام الناس کو فائدہ بھی پہنچ جاوے۔ اگر اُس کے دل میں تقویٰ ہوتا تو ضرور مان لیتا۔ اور ہم نے عام اجازت دی تھی کہ ہر گھنٹے کے بعد پھر اپنے شکوک و شبہات پیش کر دیوے خواہ اس طرح ایک ماہ تک کرتا رہتا۔ اگر اس طرح نیک نیتی سے کوئی اپنی تشفی چاہے تو ہم اُسے چھ ماہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ اس کا سب بوجھ برداشت کر سکتے ہیں مگر ان لوگوں کی نیت درست نہیں ہوتی اس لئے راضی نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں مطلق نہیں۔ دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔

مردم شماری میں خلاف واقعہ رپورٹ

مولوی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ سول ملٹری گزٹ میں چونکہ حسب دستور مردم شماری پر ریمارک لکھا جا رہا ہے انہوں نے اس غلطی[1] کو شائع کر دیا ہے کہ احمدیہ فرقہ کا بانی مرزا غلام احمد ہے۔ اس نے اول ابتدا چوڑھوں سے کی۔ پھر ترقی کرتے کرتے اعلیٰ طبقہ کے آدمی اس کے پیرو ہو گئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا

اس کی بہت جلد تردید ہونی چاہیئے یہ تو ہماری عزت پر سخت حملہ کیا گیا ہے۔

---

[1] یعنی غلط ریمارک کو (مرتّب)۔

چنانچہ اسی وقت حکم صادر ہوا کہ

ایک خط جلد تر انگریزی زبان میں چھاپ کر گورنمنٹ اور مردم شماری کے سپرنٹنڈنٹ کے پاس بھیجا جاوے تاکہ اس غلطی کا ازالہ ہو اور لکھا جاوے کہ گورنمنٹ کو معلوم ہوگا کہ چوڑھے ایک جرائم پیشہ قوم ہے اُن سے ہمارا کبھی بھی تعلق نہیں ہوا۔ ایک شخص نامی مرزا امام دین قادیان میں ہے جس سے ہماری تیس برس سے عداوت چلی آتی ہے اور کوئی میل ملاپ اس کا اور ہمارا نہیں ہے اس کا تعلق چوڑھوں سے رہا اور اب بھی ہے۔ اس کی عادات اور چال چلن کو ہم پر تھاپ دینا سخت درجہ کی دلآزاری ہماری اور ہماری جماعت کی ہے اور یہ عزت پر سخت حملہ ہے اور بڑی مکروہ کارروائی ہے جو کہ سرزد ہوئی ہے اور چوڑھے تو درکنار ہیں تو ایسے لوگوں سے بھی تعلق نہیں ہے جو کہ ادنیٰ درجہ کے مسلمان اور رذیل صفات رکھتے ہیں۔ ہماری جماعت میں عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک چال چلن کے لوگ ہیں اور وہ سب حسنہ صفات سے متصف ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو ہم ساتھ رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ صاحب ضلع[1] گورداسپور سے اس امر کی تحقیقات کرے اور عدل سے کام لیکر اس آلودگی کو ہم سے دُور کرے ہم خود امام دین کو اسی لئے نفرت سے دیکھتے ہیں کہ اس کا ایسی قوم سے تعلق ہے۔ پنجاب میں یہ مسلّم امر ہے کہ جس شخص کے زیادہ تر تعلقات چوڑھوں سے ہوں اس کا چال چلن اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اس گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اس غلطی کا ازالہ کرے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۶-۳۷ مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۰۳ء)

۲۵ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز یکشنبہ

(مجلس قبل از عشاء)

آپ نے یہ تجویز کی کہ

---

[1] مُراد ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع گورداسپور (مرتب)

بیعت کا رجسٹر بالکل اطمینان کی صورت میں نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے اب آئندہ اس کے فارم چھپوا کر ایسی طرح سے رکھا جاوے کہ جب چاہیں فوراً تعداد مل جاوے اور اپنی جماعت کی تعداد معلوم کرنے کے واسطے مردم شماری کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اگر سب بیعت کنندگان کے نام محفوظ ہوں تو اُن کو ضروری ضروری باتیں پہنچائی جاسکتی ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۷ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

(بوقت ظہر)

جب نماز کے لئے حضور تشریف لائے تو مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو فرمایا کہ

میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ میرے سامنے جائفل اور ایک گانٹھ نہیں معلوم اسپاری کی یا سونٹھ کی پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ کھانسی کا علاج ہے۔ اس کے دیکھنے کے بعد مجھے دو گھنٹے تک کھانسی سے بالکل آرام رہا حالانکہ اس سے پیشتر مجھے کھانسی دم نہ لینے دیتی تھی۔

مولوی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ سلطان احمد (حضور کے لڑکے) آئے ہوئے ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میرے گھر میں ایک ایسی ہی خواب آئی تھی اس کی وہی تعبیر بتلائی جو آپ نے سمجھی یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ سلطان سے مراد براہین اور نشان ہوا کرتا ہے۔

(بوقت عصر)

حضرت اقدس نے تھوڑی دیر مجلس کی اور ثناء اللہ کے قادیان میں آنے
کے متعلق ذکر ہوتا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ

ہم نے تو اُسے بہت وسعت دی تھی۔ جس قدر چاہتا ہر ہر گھنٹہ کے بعد تین چار سطریں لکھ کر پیش کیا کرتا اور اگر اُسے بیان کرنے کی نوبت دی جاتی تو بھی اس کی شامت تھی کہ اسے بہرحال جھوٹ سے کام لینا پڑتا۔

اخبار والوں اور عوام الناس کی شرارتوں اور خلاف واقعہ بیانات کی نسبت
فرمایا کہ

اب ہماری جماعت کو چُپ ہی رہنا چاہیئے۔ جواب کچھ نہ دیں۔ خدا تعالیٰ ہی ان لوگوں سے سمجھے گا۔ تعجب ہے کہ ثناء اللہ نے بالکل لیکھرام والی چال اختیار کی ہے جس کی غرض مباحثہ سے اظہار حق نہ ہو اس سے مباحثہ کرنا لاحاصل ہے۔ یہ کاروبار اب زمین پر نہیں رہا بلکہ آسمان پر ہے۔

(مجلس قبل از عشاء)

حضرت اقدس مولوی عبد اللطیف خاں صاحب سے اللہ تعالیٰ کے انعامات
کا ذکر کرتے رہے اور پھر اپنے چند ایک رؤیا بتلائے جس سے ظاہر ہوتا
تھا کہ عدالت کی جو کارروائی جیسے زمین پر جاری ہے ویسا ہی طریق خدا
تعالیٰ نے بھی اختیار کیا ہوا ہے منجملہ اُن کے ایک خواب تو وہ بیان کی۔
جس میں سُرخی کے چھینٹے آپ کے لباس مبارک پر پڑے تھے۔[1]
حالانکہ وہ واقعہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا۔ اور ایک خواب آپ نے

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۷ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء

یہ بیان کیا کہ

میں کیا دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی عدالت میں ہوں۔ میں منتظر ہوں کہ میرا مقدمہ بھی ہے۔

اتنے میں جواب ملا

اِصْبِرْ سَنَفْرُغُ یَا مِرْزَا

پھر میں ایک دفعہ کیا دیکھتا ہوں کہ میں کچہری میں گیا ہوں۔ دیکھا تو اللہ تعالیٰ ایک حاکم کی صورت پر کُرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور ایک طرف ایک سررشتہ دار ہے کہ ہاتھ میں ایک مسل لئے ہوئے پیش کر رہا ہے۔ حاکم نے مسل اُٹھا کر کہا کہ مرزا حاضر ہے تو میں نے باریک نظر سے دیکھا کہ ایک کُرسی اُس کے ایک طرف خالی پڑی ہوئی معلوم ہوئی۔ اُس نے مجھے کہا کہ اس پر بیٹھو اور مسل اس کے ہاتھ میں لی ہوئی ہے۔ اتنے میں مَیں بیدار ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ

جس طرح میرے کُرتے والی خواب ہے جس پر سُرخ روشنائی کے چھینٹے پڑے تھے ویسے ہی ایک خواب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کے باغوں میں سے ایک سیب آپ نے لیا ہے۔ پھر اسی وقت بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ سیب ہاتھ میں ہی ہے۔

ایمان کی حالت

فرمایا کہ

کوئی خدا پر ایمان نہیں رکھتا جب تک کہ وہ خود نشان نہ دیکھے یا اس کی صحبت میں نہ رہے جو کہ ان نشانوں کو دیکھنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو ان سب مخالفوں کو ایک دم میں ہی ہلاک کر دے مگر پھر ہم اور ہمارا سلسلہ بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ یہ مخالفین کا شور و غوغا دراصل عمر کو بڑھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بیشک سب کچھ کرے گا اُن کو ذلیل و خوار بھی کریگا

لیکن وہ مالک ہے خواہ ایک دم کردے خواہ رفتہ رفتہ کرے۔ خدا تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرت ہے کہ جب ایک شخص کو اپنی طرف سے بھیجتا ہے تو خود بخود دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک شقی اور ایک سعید۔ مگر یہ زمانہ گا ہے گا ہے وہ زمانہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا چہرہ دکھانا چاہتا ہے۔ دُوسرا زمانہ شکوک و شبہات کا زمانہ ہوتا ہے۔[1]

ختمِ نبوت

فرمایا۔ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ[2] کے قائمقام توریت کی ایک آیت تھی جس سے مسیح اسرائیلی کا گروہ مراد تھا اور یہاں اٰخرین منھم سے ہمارا گروہ۔

انجیل کے ذکر پر فرمایا کہ

عیسائی لوگ جو حضرت عیسیٰ کو خاتم نبوت کہتے ہیں اور الہام کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ حالانکہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح کے بعد ایک یُوحنا گذرا ہے جس نے نبوت کی اور اس کے مکاشفات کی ایک الگ کتاب انجیلوں میں ہمیشہ ساتھ رکھتے ہیں۔ ختم نبوت پر محی الدین ابن عربی کا بھی مذہب ہے کہ تشریعی نبوت ختم ہو چکی ورنہ اُن کے نزدیک مکالمہ الٰہی اور نبوت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں علماء کو بہت غلطی لگی ہے۔ خود قرآن میں النّبیین جس پر ال پڑا ہے موجود ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جو نبوت نئی شریعت لانے والی تھی وہ اب ختم ہو گئی ہے اگر کوئی نئی شریعت کا دعویٰ کرے تو کافر ہے اور اگر سرے سے مکالمہ الٰہی سے انکار

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یُوں ہے:۔

"فرمایا۔ عجیب قدرت الٰہی ہے کہ جب ایک شخص کو مامور کرکے بھیجتا ہے تو خود بخود سعید اور شقی دو گروہ بن جاتے ہیں۔ یہ وقت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا چہرہ دکھاتا ہے ورنہ اس سے پہلے جو زمانہ ہوتا ہے وہ شکوک و شبہات کا ہوتا ہے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۴ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

[2] الجمعۃ: ۴

کیا جاوے تو پھر اسلام تو ایک مُردہ مذہب ہوگا اور اس میں اور دوسرے مذاہب میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ کیونکہ مکالمہ کے بعد اور کوئی ایسی بات نہیں رہتی کہ وہ ہو تو اُسے نبی کہا جائے۔ نبوت کی علامت مکالمہ ہے لیکن اب اہل اسلام نے جو یہ اپنا مذہب قرار دیا ہے کہ اب مکالمہ کا دروازہ بند ہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ خدا کا بڑا قہر اسی امت پر ہے*۔ اور اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی دعا ایک بڑا دھوکا ہوگی اور اُس کی تعلیم کا کیا فائدہ ہوا گویا یہ عبث تعلیم خدا نے دی۔ ہاں نبوت کے واسطے کثرت مکالمہ شرط ہے یہ نہیں کہ ایک دو فقرے گاہ گاہ الہام ہوئے بلکہ نبوت کے مکالمہ میں ضروری ہے کہ اس کی کیفیت صاف ہو اور کثرت سے ہو۔

نماز عشاء پڑھ کر حضرت نے کھڑے ہو کر مکالمہ نبوت پر تقریر کی اور مثال دے کر فرمایا کہ

جب تک کہ یہ فرق نہ ہو تب تک کیسے پتہ لگ سکتا ہے۔ اب دیکھو جس کے پاس ایک دو روپے ہوں اور ادھر بادشاہ ہے کہ اس کے پاس خزانے بھرے ہوئے ہیں تو ان دونوں میں فرق ہوگا کہ نہیں؟ اگرچہ زردار وُہ بھی ہے اور بادشاہ بھی ہے مگر جس کے پاس ایک دو روپے ہوں اُسے بادشاہ کوئی نہ کہیگا۔ اسی طرح فرق تو کثرت کا ہے اور کیفیت اور کمیت کا بھی۔ نبوت کا مکالمہ اس قدر اعلیٰ اور اصفیٰ ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت اُسے برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر وہ جو اصطفاء کے درجہ تک ہو۔

---

* الحکم میں یہ عبارت یوں ہے:۔

"مکالمہ الٰہی کا اگر انکار ہو تو پھر اسلام ایک مُردہ مذہب ہوگا۔ اگر یہ دروازہ بھی بند ہے تو اس امت پر قہر ہوا۔ خیر الامم نہ ہوئی۔ اور اھدنا الصراط المستقیم دعا بیسود ٹھہری تعجب ہے کہ یہود تو یہ امت بن جاوے اور مسیح دوسروں سے آوے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبرہ صفحہ ۱۴ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

لہ الفاتحہ: ۶-۷

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ[1] - اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی اس طرح سے بار بار ظاہر کرتا ہے کہ اول ایک امر کو خواب میں دکھاتا ہے پھر اُسے کشف میں پھر اس کے متعلق وحی ہوتی ہے اور پھر وحی کی تکرار ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ امرِ غیب اس کے لئے مشہود اور محسوسہ امور میں داخل ہو جاتا ہے اور جس قدر تکرار ایک ملہم کے نفس میں ہوتا ہے اسی قدر تکرار اس کے مکالمہ میں ہوا کرتا ہے اور اصفیٰ اور اجلیٰ مکالمہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا تزکیہ نفس کرتے ہیں اس لئے تقویٰ اور طہارت کی بہت ضرورت ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا[2] (پ ۲۲) ہم نے کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے اُن کو بنایا جن کو ہم نے چُن لیا یعنی ان لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جیسے ایک مکان کی کُل کھڑکیاں کھلی ہیں کہ کوئی گوشہ تاریکی کا اُس میں نہیں اور روشنی خوب صاف اور کھلی آرہی ہے۔ اسی طرح اُن کے مکالمہ کا حال ہوتا ہے کہ اجلیٰ اور بہت کثرت سے ہوتا ہے جیسے ایک تیل ادنیٰ قسم کا ہوتا ہے کہ دھواں اور بدبُو بہت دیتا ہے دوسرا اُس سے اچھا۔ یہی فرقِ مکالمہ کی کیفیت اور کثرت اور صفائی میں ہوتا ہے۔ کیا ایک لوٹا کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے اندر تھوڑا سا پانی رکھ کر کہے کہ میں بھی سمندر ہوں کیونکہ اس میں بھی پانی ہی ہوتا ہے حالانکہ کس قدر فرق ہے سمندر میں جو پانی کی کثرت ہوتی ہے اُس کو لوٹے سے کیا نسبت؟ پھر اس میں موتی سیپ اور ہزار اقسام کے جانور ہوتے ہیں۔

اگر اس پر اعتراض ہو کہ اور لوگوں کو کیوں خوابیں آتی ہیں جو کہ سچی بھی نکلتی ہیں حتیٰ کہ ہندوؤں میں بھی اور فاسق سے فاسق گروہ کنجروں میں بھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات اُن کی خوابیں سچی نکلی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت کے سلسلہ کی تائید ہو۔ کیونکہ اگر ایسے خواص دُنیا میں نہ ہوتے تو پھر امرِ نبوت مشتبہ ہو جاتا۔ ایک نابینا آفتاب کو کیسے شناخت کر سکتا ہے؟ وہی شناخت کریگا جسے کچھ بینائی ہو چونکہ خدا کو منظور تھا کہ اتمام حجت ہو اس لئے یہ خواب کا سلسلہ سب جگہ رکھ دیا ہے تاکہ قبولیت کا مادہ ہر ایک جگہ موجود رہے اور اُن کو انکار

[1] الجن: ۲۷، ۲۸ [2] فاطر: ۳۳

نہ کرنے دیوے لیکن جو مادہ نبی کا ہوتا ہے اس کی شان اَور ہوتی ہے اور اُسے موہبت اور بہت سی مَوتوں کے بعد تیار کیا جاتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۲ مورخہ ۲۷ر فروری ۱۹۰۳ء)

۲۷ر جنوری ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

حضرت اقدس نے مخالفین کی نسبت فرمایا کہ

میں نے اب ان سے اعراض کر لیا ہے کیونکہ جواب تو اس کے لئے ہوتا ہے جس میں کوئی ذرّہ تقویٰ کا ہو مگر جس حال میں کہ ان کے پاس اب سبّ و شتم ہی ہے تو اب حوالہ بخدا۔ ایک اچھا طریق امن کا ہم نے پیش کیا ہے کہ شرافت سے آکر اپنے شبہات دُور کرا دیں۔ ہمارے مہمان خانہ میں خواہ چھ ماہ رہیں ہم دعوت دیویں گے مگر جو شخص اول سے عزم بالجزم کر کے آتا ہے کہ شرارت سے باز نہ آویگا اُسے ہم کیا کریں۔ میرا ہمیشہ ہی خیال ہوتا ہے کہ کوئی گروہ نیک نیّتی سے آوے اور مستفید ہو۔ ازالہ شبہات کی نیّت ہو۔ ہار جیت کا خیال نہ ہو۔ نیک نیّتی تو عجیب شیئ ہے کہ اس کی فوراً بُو آجاتی ہے اور جب جواب کافی ملے تو نیک نیّت تو اسی وقت اُس کی خوشبو پا کر بحث سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

اور ہم خاص پیشگوئیوں پر بھی حصر نہیں رکھتے۔ کوئی پہلو اس سلسلہ کا لے لیوے۔ ہم ازالہ شبہات کر دیویں گے۔ اگر گذشتہ پیشگوئیوں کے پہلو کو نہ لیویں تو خدا تعالیٰ قادر ہے کہ آئندہ اور نشانات دکھلا دیوے۔

فرمایا کہ

کل جو خواب مولوی محمد احسن صاحب کے دوا بتلانے کی نسبت بیان کیا تھا۔ میں نے اُسی کے مطابق رات کو جائفل اور سونٹھ مُنہ میں رکھا۔ اب کھانسی کا اس سے بہت فائدہ

معلوم ہوتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۲ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء

مورخہ ۲۷-۲۸ جنوری کے درمیان جو رات تھی۔ اس میں رات کو ایک بجے حضرت اقدس علیہ السلام مولانا محمد احسن صاحب امروہی کی کوٹھڑی میں تشریف لائے۔ دروازہ بند تھا۔ آپ نے کھٹکھٹایا۔ مولوی صاحب نے لاعلمی سے پوچھا کہ کون ہے؟ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ

میں ہوں غلام احمدؐ

آپ کے دست مبارک میں لالٹین تھی آپ نے اندر داخل ہو کر فرمایا کہ

اس وقت مجھے اوّل ایک کشفی صورت میں خواب کی حالت میں دکھلایا گیا ہے کہ میرے گھر میں (یعنی ام المومنین) کہتے ہیں کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو میری تجہیز و تکفین آپ خود اپنے ہاتھ سے کرنا۔ اس کے بعد مجھے ایک بڑا منذر الہام ہوا ہے۔ غاسق اللہ۔ مجھے اس کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ جو بچہ میرے ہاں پیدا ہونے والا ہے وہ زندہ نہ رہے گا۔ اس لئے آپ بھی دعا میں مشغول ہوں اور باقی احباب کو بھی اطلاع دے دیں کہ دعاؤں میں مشغول ہوں

(البدر جلد ۲ نمبر ۱، ۲ مورخہ ۲۳-۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

مجلس قبل از عشاء۔

الہام غاسق اللہ کی شرح

غاسق اللہ الہام کی شرح آپ نے فرمائی اور فرمایا کہ

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر البدر: اس وقت اس اخلاق نے مولوی صاحب کے دل پر کیا اثر کیا ہوگا اس کا اندازہ ناظرین خود لگالیں۔

غاسق عربی میں تاریکی کو کہتے ہیں جو کہ بعد زوال شفق اول رات چاند کو ہوتی ہے اور اسی لئے لفظ قمر پر بھی اس کی آخری راتوں میں بولا جاتا ہے جبکہ اس کا نور جاتا رہتا ہے اور خسوف کی حالت میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ[1] کے یہ معنے ہیں مِنْ شَرِّ ظُلْمَةٍ اِذَا دَخَلَ یعنی ظلمت کی بُرائی سے جب وہ داخل ہو۔ میں نے اس سے پیشتر یہ خیال کیا تھا کہ چونکہ عنقریب گھر میں وضع حمل ہونے والا ہے تو شاید مولود کی وفات پر یہ لفظ دلالت کرتا ہے مگر بعد میں غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس سے مراد ابتلا ہے۔ اجتہادی امور ایسے ہی ہوا کرتے ہیں کہ اول خیال کسی اَور طرف چلا جاتا ہے۔ غرضکہ اس کے معنے ہوئے کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی امر بطور ابتلا کے ہے اور اس سے جماعت کا ابتلا مراد نہیں ہے بلکہ منکرین کا جو کہ جہالت۔ نادانی۔ افترا سے کام لیتے ہیں۔ آدمؑ سے لے کر آخر تک اللہ تعالےٰ کی یہی عادت ہے کہ دشمنوں کو بھی اُن کے افترا وغیرہ کے لئے ایک موقع دے دیتا ہے چنانچہ بعض وقت کوئی شکست بھی ہو جایا کرتی ہے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے۔ اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ[2] ۔ خدا تعالیٰ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو فرماتا ہے کہ اگر تم کو کوئی زخم پہنچا ہے تو تم نے بھی اپنے مخالفین کا ستیاناس کر دیا ہوا ہے۔ اگر ہمارا یہ کاروبار قلم کا نہ ہوتا بلکہ تلوار سے کام لیتے تو آخر ہمیں بھی کوئی نہ کوئی شکست ہوتی ہی تھی یہ موقع افترا کے خدا تعالیٰ دشمنوں کو اس لئے دیتا رہتا ہے کہ مقدمہ جلد ختم نہ ہو۔ اور یہ سنت اللہ ہے۔ اب غور سے دیکھا جاوے تو اُحد میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اصل میں فتح تھی مگر دشمن کو فضیلت سے کیا مطلب، اُسے تو موقعہ چاہیئے۔

ادھر آتھم کا مقدمہ ادھر مقابلہ پر لیکھرام کا قتل۔ ان کی مثال ٹھیک اُحد اور بدر کی لڑائی تھی۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا[3] منافقوں کا کام ہے مگر یہ لوگ قَامُوْا میں داخل ہیں۔ احتیاط سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

[1] الفلق: ۴ [2] آل عمران: ۱۴۱ [3] البقرۃ: ۲۱

تاریکی جب خدا کی طرف منسوب ہو تو دشمن کی آنکھ میں ابتلا کا موقع اس سے مراد ہوتا ہے اور اس لئے اس کو غاسق اللہ کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے گھر کے حالات سُنائے کہ

رات کو اُن کو بہت تکلیف تھی۔ آخر خدا تعالیٰ نے آرام دے دیا مگر میرا ایمان اور یقین ہے کہ یہ تمام کام دعاؤں نے ہی کیا ہے۔

عورتوں کے لئے یہ ولادت کا وقت ایک پہلو سے موت اور ایک پہلو سے زندگی ہوتی ہے گویا ولادت کے وقت اُن کی اپنی بھی ایک ولادت ہوتی ہے۔

گھر میں بھی رات کو ایک خواب دیکھا کہ بچہ ہوا ہے تو اُنہوں نے مجھے کہا کہ میری طرف سے بھی نفل پڑھنا اور اپنی طرف سے بھی۔ پھر ڈاکٹرنی کو کہا کہ ذرا اسے لیلو تو اُس نے جواب دیا کہ لُوں کیسے؟ وہ تو مُردہ ہے تو اُنہوں نے کہا کہ اچھا پھر مبارک کا قدر قائم رہے گا۔ میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ لڑکی اصل میں مُردہ بدست زندہ ہی ہوا کرتی ہے۔

ایک الہام اور ایک خواب

آج صبح کو الہام ہوا۔

سَاُكْرِمُكَ اِكْرَامًا عَجَبًا

اس کے بعد تھوڑی سی غنودگی میں ایک خواب بھی دیکھا کہ ایک جوڑا سنہری بہت خوبصورت ہے۔ میں نے کہا کہ عید کے دن پہنوں گا۔ اس الہام میں عجب کا لفظ بتلاتا ہے کہ کوئی نہایت ہی مؤثر بات ہے۔ میں نے یہی سمجھا کہ چونکہ رات کو بہت منذر الہام ہوا تھا وہ تو پورا ہو گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے بالمقابل بشارت دیتا ہے۔ کیسی رحیم کریم ذات ہے۔

ایک اور خواب

رات میں نے ایک اور خواب بھی دیکھا کہ میں جہلم میں ہوں اور سنسار چند صاحب کے کمرے میں ہوتا ہوا آگے کوٹھی کے ایک اور کمرہ کی طرف جا رہا ہوں۔ دنیا کے معاملات میں انسانی عقل بالکل اندھی ہے۔ لڑکی دیکھے تو لڑکا ہوتا ہے۔ اسی لئے معبرون نے باب بالعکس کا بھی باندھا ہے۔ ہمارے مخالف تمام باتوں کو ظواہر پر حمل کر لیتے ہیں ورنہ وہ عجیب در عجیب باتوں کو دیکھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص قولنج کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اسے خواب میں کسی نے دیکھا کہ وہ مر گیا ہے۔ میں نے اس کی تعبیر کی کہ وہ اچھا ہو جاویگا آخر وہ اچھا ہو گیا۔

مقدمات کے ذکر پر فرمایا کہ

حاکم بیچارے کیا کریں وہاں تو خدا پکڑ کر سب کچھ کرواتا ہے اصل میں خدا ہی خدا ہے وہ جب کوئی بات دل میں ڈالتا ہے تو دلوں کو ایسا پکڑتا ہے کہ باز اس طرح چڑیا کو پکڑ نہیں سکتا۔ اصل سلطنت اسی کی سلطنت ہے۔ کیسے سے کیسا دشمن ہو مگر وہ اس کو بھی پکڑ لیتا ہے۔

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ

بالکل ٹھیک ہے لوگ ملائکہ سے تعجب کرتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ سب ملائک ہیں۔ ورنہ لقمہ جو اندر ڈالا جاتا ہے اگر وہ نہ چاہے تو کب ہضم ہو سکتا ہے۔ بغیر کامل تصرف کے خدا کی خدائی چل سکتی ہی نہیں۔ ان من شیءٍ الا یسبح لہٗ کے یہی معنے ہیں۔ اسلام اور ایمان وہی ہے جو اس حد تک پہنچے اور اسی کو چھوڑ چھاڑ کر اب صرف رسم اور عادات رہ گئی ہیں۔ جن کی یہ حالت ہے اُن کو دُعاؤں میں کیا مزا آ سکتا ہے۔[1]

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۳ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء

جالندھر سے ایک صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض
کی کہ وہاں وجودیوں کا بہت زور ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اصل میں ان لوگوں کا اباحتی رنگ ہے۔ دہریوں میں اور ان میں بہت کم فرق ہے اُن کی زندگی بے قیدی کی زندگی ہوتی ہے۔ خدا کے حدود اور فرائض کا بالکل فرق نہیں کرتے۔ نشہ وغیرہ پیتے ہیں، ناچ رنگ دیکھتے ہیں۔ زنا کو اصول سمجھتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک وجودی میرے پاس آیا اور کہا کہ میں خدا ہوں۔ اُس نے ہاتھ آگے بڑھایا ہوا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ پر زور سے چٹکی کاٹی حتیٰ کہ اس کی چیخ نکل گئی تو مَیں نے کہا کہ خدا کو درد بھی ہوا کرتا ہے؟

پھر نووارد صاحب نے بیان کیا کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ انسان کو خدا نے
اپنی صورت پر بنایا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

توریت میں یہ ذکر ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ یعنی خدا نے چاہا کہ انسان خدا کے اخلاق پر چلے۔ جیسے وہ ہر ایک عیب اور بدی سے پاک ہے یہ بھی پاک ہو۔ جیسے اس میں عدل انصاف اور علم کی صفت ہے وہی اس میں ہو۔ اس لئے اس خلق کو احسن تقویم کہا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم[1]۔ جو انسان خدائی اخلاق اختیار کرتے ہیں وہ اس آیت سے مراد ہیں اور اگر کُفر کرے تو پھر اسفل سافلین اس کی جگہ ہے۔

وجودیوں سے جب بحث کا اتفاق ہو تو اوّل اُن سے خدا کی تعریف پوچھنی چاہیئے کہ خدا کسے کہتے ہیں؟ اور اس میں کیا صفات ہیں۔ وہ مقرر کرکے پھر اُن سے کہنا چاہیئے کہ اب ان سب باتوں کا تم اپنے اندر ثبوت دو۔ یہ نہیں کہ جو وہ کہیں وہ سُنتے چلے جاؤ اور اُن کے بیچ میں آجاؤ بلکہ سب سے اوّل ایک معیار خدائی قائم کرنا چاہیئے بعض ان میں سے کہا کرتے ہیں کہ ابھی ہمیں خدا بننے میں کچھ کسر ہے تو کہنا چاہیئے تم بات

[1] التین: ۵

جس شخص کا جوڑ یا ہڈی اپنی جگہ پر نہ رہے تو وہ اسے اُتار کر نئے سرے سے لگاتا ہے۔ اکثر مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آریوں عیسائیوں کو دشمن بنا لیا ہے مگر ان کو معلوم نہیں جو خدا کی طرف سے آتا ہے وہ ضرور اپنے دشمن بنا لیتا ہے۔ کیونکہ اس کو پاک جماعت تیار کرنی پڑتی ہے جن میں سچا تقویٰ وطہارت ہو اور سچی اخوت ہو۔ مگر سفلی زندگی کے عادی نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک صلاحیت قائم ہو وہ دنیا سے دل لگا کر خدا تعالےٰ کی طرف سے غافل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے
آخرت کی خبر خدا جانے

یہی ان کا مذہب اور مشرب ہوتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ یہ مُردار زندگی کیا چیز ہے۔ انسان اگر خدا تعالیٰ سے قوت پا دے تو وہ اس مُردار زندگی سے مرنا بہتر سمجھیگا دنیا کے دوست مطلب کے دوست ہوتے ہیں۔ حقیقی محبت اور اخوت خدا تعالیٰ میں ہو کر ملتی ہے۔ ان لوگوں کو دیکھو جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توبہ کی۔ کیا ان کے باہم تعلقات نہ تھے لیکن جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شناخت میں آنکھ کھلی تو پھر یہانتک متاثر ہوئے کہ نہ بیٹے کو بیٹا سمجھا نہ باپ کو باپ بلکہ وہ تعلقات بالکل قطع ہو گئے اور سارے تعلقات خدا میں ہو کر قائم ہوئے۔ خدا کے لئے دشمن ہو جاتے۔ دنیا کی دوستیں جس میں خدا درمیان نہیں ہوتا وفاداری سے نہیں نباہ سکتے۔ اسی طرح اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری جماعت میں جب کوئی داخل ہوتا ہے تو اس کے اپنے متعلقین میں اگر خدا تعالیٰ ہدایت نہ کرے ایک شور قیامت برپا ہو جاتا ہے۔ بعض گھر سے تعلقات رکھنے والوں کو قطع تعلق کرنا پڑا ہے۔

اپنے جیسی مخلوق کو نافع یا ضار نہ سمجھو

یاد رکھو دنیا انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ یہ اس کی اپنی کمزوری ہے کہ اپنے جیسی مخلوق

ان ہی لوگوں نے میرے پر جھوٹے الزام لگائے جھوٹا مقدمہ بنایا۔ افترا باندھے اور قتل اور قید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ میری عزت پر کیا کیا حملے کر چکے ہوئے تھے۔ اب بتلاؤ کہ میرے پر کونسا خوف ایسا طاری تھا کہ میں نے اپنے وکیل کو ایسا سوال کرنے سے روک دیا۔ صرف بات یہ تھی کہ میں اس بات پر قائم ہوں کہ کسی پر ایسا حملہ نہ ہو کہ واقعی طور پر اس کے دل کو صدمہ دے اور اُسے کوئی راہ مفر کی نہ ہو۔[1]

ایک مخلص خادم نے عرض کی کہ حضور میرا دل تو اب بھی خفا ہوتا ہے کہ یہ سوال کیوں اس پر نہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ

میرے دل نے گوارا نہ کیا

اُس نے پھر کہا کہ یہ سوال ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ آپ نے فرمایا:۔

خدا نے دل ہی ایسا بنایا ہے تو بتلاؤ میں کیا کروں۔

ایک صاحب آمدہ از جالندھر نے عرض کی کہ حضور وہاں شحنہ ہند نے بہت سے آدمیوں کو روک رکھا ہے اس کا کیا علاج کریں ؟ فرمایا

صبر کرو ایسا ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لوگ تو آپ کی مذمت کیا کرتے تھے مگر آپ ہنس کر فرمایا کرتے تھے کہ ان کی مذمت کو کیا کروں میرا نام تو خدا نے اوّل ہی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) رکھ دیا ہوا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے بھی الہام کیا جو کہ آج سے بائیس۲۲ برس پیشتر کا براہین میں چھپا ہوا ہے۔

---

[1] الحکم میں یہ مضمون یوں ہے:۔

"حضور نے فرمایا کہ ہم اس امر کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں کہ کسی کی نسبت وہ اعتراض کیا جائے جس کی اصلاح اس کے امکان وقدرت میں نہیں۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ر فروری ۱۹۰۳ء)

نے اس سلسلہ کو نابود کرنا چاہا اور اس قوم کو ضربت علیھم الذلۃ[1] کا مصداق بنا دیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے یہ کہا انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً[2] یعنی یہ سلسلہ موسوی سلسلہ کے بالمقابل ہے۔ اور یہ عمارت موسوی عمارت کے مقابلہ پر ہے۔ جیسے اس میں اخیار ہیں ویسے ہی اس میں بھی اخیار ہیں۔ ایسا ہی اشرار بھی بالمقابل پائے جاتے ہیں یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی یہودی نے ماں سے زنا کیا ہوگا تو تم میں سے بھی ایسے ہوں گے اور اگر کوئی سوسمار کے بل میں گھسا ہوگا تو مسلمان بھی گھسیں گے۔

یہ کیسی مشابہت اور مماثلت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے اب تعجب ہے مسلمانوں پر کہ وہ یہ تو روا رکھتے ہیں کہ اس امت میں سے یہود بن جاویں اور یہ پسند نہیں کر سکتے کہ اس امت میں سے کوئی مسیح بھی ہو جاوے۔ موسٰی علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں مسیح کو بھیجا گیا تھا۔ اس مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ اس امت میں بھی اس صدی پر مسیح آئے تاکہ اس امت کا فضل ظاہر ہو۔ اولیاء اللہ کے کشوف بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں اور جو نشانات اس وقت کے لئے رکھے ہوئے تھے وہ بھی اپنے وقت پر پورے ہو گئے۔ واقع شدنی امور ہو جاتے ہیں جو نہیں ہونے والے ہوتے وہ نہیں ہوتے۔ اگر علماء کے معنے سچے ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مانا ہوا تھا۔ اس میں سے کچھ تو پورا ہوتا۔ اعانت اسلام کا زمانہ تو یہی تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خدا نے بقول اُن کے کچھ بھی نہ کیا۔ انگریزوں کا تسلط مِن کُلِّ حَدَبٍ یَّنسِلُوْنَ[3] کا مصداق ہو گیا۔ اور وَ اذا العشار عُطّلت[4] کے موافق اونٹنیاں بیکار ہو گئیں جو اس آخری زمانہ کا ایک نشان ٹھہرایا گیا تھا۔ عشار حاملہ اونٹنیوں کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس لئے اختیار کیا گیا ہے تا یہ وہم نہ رہے جیسا بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے متعلق ہے۔ قیامت میں تو حمل نہ ہوگا اور ان کا بیکار ہونا یہاں تو الگ رہا، مکہ مدینہ کے درمیان بھی ریل تیار ہو رہی ہے۔ اخبارات

[1] البقرۃ : ۶۲ [2] المزمل : ۱۶ [3] الانبیاء : ۹۷ [4] التکویر : ۵

فرمایا۔

صبح کو ایک الہام ہوا تھا میرا ارادہ ہوا کہ لکھ لوں۔ پھر حافظہ پر بھروسہ کرکے نہ لکھا۔ ۱۰۰

آخر وہ ایسا بھولا کہ ہرچند یاد کیا مطلق یاد نہ آیا۔ دراصل یہی بات ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ [1]

(مجلس قبل از عشاء)

جہلم سے مقدمہ کی نقل منگوائی گئی تھی۔ حضرت اقدس سُنتے رہے۔ کسی نے کہا کہ اس پر ہم نالش کرسکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ

ہم نالش نہیں کرتے یہ تو اسرارِ الٰہی ہیں۔ ایک برس سے خدا نے اس مقدمہ کو مختلف پیراؤں میں ظاہر کیا ہے۔ اب کیا معلوم کہ وہ اس کے ذریعہ سے کیا کیا اظہار کرے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل مقدر خدا کی طرف سے تھا۔

قانون کے ذکر پر فرمایا کہ

واضعانِ قانون نے بڑی دانشمندی سے کام لیا ہے کیونکہ مذہبی عالم کی باتوں کا دارومدار تو آخرت کے متعلق ہوتا ہے نہ کہ دنیا کے متعلق۔

مقدمات کے فیصلوں کی نسبت فرمایا کہ

میرا اپنا اصول یہ ہے کہ بدتر سے بدتر انسان بھی اگر مقدمہ کرے تو اس میں تصرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے اس سے فیصلہ لکھواتا ہے۔ انسان پر بھروسہ شرک ہے بلکہ اگر ایک مجسٹریٹ کے پاس بھی مقدمہ جاوے تو اس کو خدا سمجھ عطا کر دے گا

(البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۴۹-۵۰ مورخہ ۶ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز جمعہ (بوقت عصر)

ارشاد فرمایا کہ

---

[1] البقرۃ : ۱۰۷

داخل نہ ہو۔ اب خاتم النبیین والی آیت تو صریح رد کرتی ہے پھر وہ کس طرح آسکتے ہیں۔ یا اُن کو نبوت سے معزول کرو اور ان کی یہ ہتک اور بےعزتی روا رکھو اور یا یہ کہ پھر ماننا پڑے گا کہ آنے والا اسی امت میں سے ہوگا۔

نبی کی اصطلاح مستقل نبی پر بولی جاتی تھی مگر اب خاتم النبیین کے بعد یہ مستقل نبوت رہی ہی نہیں۔ اسی لئے کہا ہے ؎

خارقے از ولی مسموع است
معجزہ آں نبی متبوع است

پس اس بات کو خوب غور سے یاد رکھو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کا شرف پہلے سے حاصل ہے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر آئیں اور اپنی نبوت کو کھو دیں۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبی کو روکتی ہے البتہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بڑھانے والا ہے کہ ایک شخص آپ ہی کی اُمت سے آپ ہی کے فیض سے وہ درجہ حاصل کرتا ہے جو ایک وقت مستقل نبی کو حاصل ہوسکتا تھا۔ لیکن اگر وہ خود ہی آئیں تو پھر صاف ظاہر ہے کہ پھر اس خاتم الانبیاء والی آیت کی تکذیب لازم آتی ہے اور خاتم الانبیاء حضرت مسیح ٹھہریں گے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا آنا بالکل غیر مستقل ٹھہر جاوے گا کیونکہ آپ پہلے بھی آئے اور ایک عرصہ کے بعد آپ رخصت ہوگئے اور حضرت مسیح آپ سے پہلے بھی رہے اور آخر پر بھی وہی رہے۔ غرض اس عقیدہ کے ماننے سے کہ خود ہی حضرت مسیح آنیوالے ہیں بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں اور ختم نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے جو کفر ہے۔

اس کے علاوہ قرآن شریف کی اور آیت بھی جو صاف طور پر مسیح کی آمد ثانی کو روکتی ہے اور وہ وہی آیت ہے جو کل بھی میں نے بیان کی تھی یعنی فلمّا توفیتنی کنت

اپنے ایمان میں ترقی کرے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ[1] کا نمونہ دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر سے صادق اور کاذب، خائن اور مظلوم پوشیدہ نہیں ہیں اب ضروری ہے کہ سب گروہ متفق ہو کر میرے استیصال کے درپے ہوں جیسے جنگ احزاب میں ہوئے تھے۔ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب خدا تعالیٰ نے چاہا ہے۔ میں نے جو خواب میں دیکھا کہ دریائے نیل کے کنارے پر ہوں اور بعض چلّائے کہ ہم پکڑے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا وقت بھی آوے جب جماعت کو کوئی یاس ہو مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا زور آور حملوں سے سچائی ظاہر کر دے گا۔ اس وقت یہ پورا زور لگائیں گے تاکہ قتل کے مقدمہ کی حسرتیں نہ رہ جائیں کہ کیوں چھوٹ گیا۔ یہ لوگ ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میں پیش کرتا ہوں مگر وہ دیکھ لیں گے کہ اکراماً عجیباً کیسے ہوتا ہے۔

(دربار شام)

فرمایا۔ سر دست بیس جلد مواہب الرحمٰن کی مجلّد کروا کر مصر کے اخبار نویسوں کو بھیجی جاویں اور اگر میری مقدرت میں ہوتا تو میں کئی ہزار مجلّد کروا کر بھیجتا۔

فرمایا۔ یہاں کے لوگوں کا تو یہ حال ہے۔ شائد مصر کے لوگ ہی فائدہ اُٹھالیں۔ جس قدر سعید روحیں خدا کے علم میں ہیں وہ اُن کو کھینچ رہا ہے۔

جماعت کو تبلیغ

بیعت کے بعد ایک شخص نے اپنے گاؤں میں کثرت طاعون کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی۔ فرمایا:۔

میں تو ہمیشہ دعا کرتا ہوں مگر تم لوگوں کو بھی چاہیئے کہ ہمیشہ دُعا میں لگے رہو۔

[1] الحج: ۴۰

یہ اقتراح کرتا ہے پھر وہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ میں ابراہیمؑ کی طرح اطمینان قلب چاہتا ہوں ابراہیمؑ نے تو ترقی ایمان چاہی ہے انکار نہیں کیا اور پھر اقتراح بھی نہیں کیا بلکہ احیاء موتی کی کیفیت پوچھی ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اس مردہ کو زندہ کر کے دکھا یا یوں کر اور پھر اس کا جواب جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ بھی عجیب اور لطیف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو چار جانور لے اُن کو اپنے ساتھ ہلا لے۔ یہ غلطی ہے جو کہا جاتا ہے کہ ذبح کر لے کیونکہ اس میں ذبح کرنے کا لفظ نہیں بلکہ اپنے ساتھ ہلا لے جیسے لوگ بٹیر یا تیتر یا بلبل کو پالتے ہیں اور اپنے ساتھ ہلا لیتے ہیں پھر وہ اپنے مالک کی آواز سُنتے ہیں اور اُس کے بُلانے پر آجاتے ہیں۔ اس طرح پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احیاء اموات سے انکار نہ تھا بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مُردے خدا کی آواز کس طرح سُنتے ہیں اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ ہر چیز طبعاً اور فطرتاً اللہ تعالیٰ کی مطیع اور تابع فرمان ہے۔

نووارد۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن شریف میں ایسا فرمایا ہے جیسے حضرت ابراہیم کو خلیل فرمایا۔

سب انبیاءؑ کے صفی نام آنحضرتؐ کو دیئے گئے

حضرت اقدس۔ میں قرآن شریف سے یہ استنباط کرتا ہوں کہ سب انبیاء کے صفی نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے کیونکہ آپ تمام انبیاء کے کمالات متفرقہ اور فضائل مختلفہ کے جامع تھے۔ اور اسی طرح جیسے تمام انبیاء کے کمالات آپ کو ملے۔ قرآن شریف بھی جمیع کتب کی خوبیوں کا جامع ہے چنانچہ فرمایا فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ[1] اور مَا فَرَّطْنَا فِيهَا[2] ایسا ہی ایک جگہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ تمام نبیوں کی اقتدا کر۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ امر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک امر تو تشریعی ہوتا ہے جیسے یہ کہا کہ نماز قائم کرو یا زکوٰۃ دو وغیرہ اور بعض امر بطور خلق ہوتے ہیں جیسے يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ[3]۔ یہ امر جو ہے کہ تو سب کی اقتدا کر یہ بھی خلقی اور کونی ہے یعنی

1. البینۃ: ۴ 2. الانعام: ۳۲ (؟) 3. الانبیاء: ۷۰

اپنا دل اس کے لئے آئینہ ہے۔ وہ اس میں سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پس سچا طریق دُکھ سے بچنے کا یہی ہے کہ سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور وفاداری اور اخلاص کا تعلق دکھاؤ اور اس راہِ بیعت کو جو تم نے قبول کی ہے سب پر مقدم کرو کیونکہ اس کی بابت تم پُوچھے جاؤ گے۔ جب اس قدر اخلاص تم کو میسّر آجاوے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ضائع کرے۔ ایسا شخص سارے گھر کو بچا لیگا۔ اصل یہی ہے اس کو مت بھولو۔ نری زبان میں برکت نہیں ہوتی کہ بہت سی باتیں کر لیں۔ اصل برکت دل میں ہوتی ہے اور وہی برکت کی جڑ ہے۔ زبان سے تو کروڑہا مسلمان کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل خدا کے ساتھ مستحکم ہیں اور وہ اس کی طرف وفا سے آتے ہیں خدا بھی اُن کی طرف وفا سے آتا ہے اور مصیبت اور بلا کے وقت اُن کو الگ کر لیتا ہے۔ یاد رکھو یہ طاعون خود بخود نہیں آئی اب جو کھوٹ اور بیوفائی کا حصہ رکھتا ہے وہ بلا اور وبا سے بھی حصّہ لیگا مگر جو ایسا حصّہ نہیں رکھتا خدا اُسے محفوظ رکھے گا۔

میں اگر کسی کے لئے دُعا کروں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ صاف نہیں وہ اس سے سچا تعلق نہیں رکھتا تو میری دُعا اُس کو کیا فائدہ دے گی؟ لیکن اگر وہ صاف دل ہے اور کوئی کھوٹ نہیں رکھتا تو میری دُعا اُس کے لئے نورٌ علیٰ نور ہوگی۔

زمینداروں کو دیکھا جاتا ہے دو دو پیسے کی خاطر خدا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا انصاف اور ہمدردی چاہتا ہے اور وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ فسق فحشا اور بےحیائی سے باز آویں۔ جو ایسی حالت پیدا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے فرشتے اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مگر جب دل میں تقویٰ نہ ہو اور کچھ حصّہ شیطان کا بھی ہو تو خدا شراکت پسند نہیں کرتا اور وہ سب چھوڑ کر شیطان کا کر دیتا ہے کیونکہ اس کی غیرت شرکت پسند نہیں کرتی۔ پس جو بچنا چاہتا ہے اس کو ضروری ہے کہ وہ اکیلا خدا کا ہو مَن کان للہ کان اللہ لہٗ۔ خدا تعالیٰ کبھی کسی صادق سے بیوفائی نہیں کرتا ساری

نے کہا کہ جانوروں کو دانے ڈال رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ تیرا عمل بیکار ہے۔ اس گبر نے کہا کہ اس کا ثمرہ مجھے ملیگا۔ پھر وہی بزرگ کہتے ہیں کہ جب دوسرے سال میں حج کرنے کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس نے مجھے پہچان کر کہا۔ ان دانوں کا ثواب مجھے ملا یا نہیں؟

ایسا ہی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں سخاوت کی تھی مجھے اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسی سخاوت نے تو تجھے مسلمان کیا۔

ہزاروں آدمی بغیر دیکھے گالیاں دینے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن جب آتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو وہ ایمان لاتے ہیں۔ میرا یہ مذہب نہیں کہ انسان صدق اور اخلاص سے کام لے اور وہ ضائع ہو جائے۔

پھر حضرت حجۃ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا قصہ بیان کیا جو کئی بار ہم نے الحکم میں درج کیا ہے اور اس بات پر آپ نے تقریر کو ختم کیا ؎

مردانِ خدا۔ خدا نہ باشند
لیکن از خدا جُدا نہ باشند

(الحکم جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۵ تا ۹ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ فروری ۱۹۰۳ء

نووارد صاحب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

صبح کی سیر

اعلیحضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مقصود تھا کہ جس

مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔

ہر مومن کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر وہ اخلاص اور وفاداری سے اس کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کا ولی بنتا ہے لیکن اگر ایمان کی عمارت بوسیدہ ہے تو پھر بیشک خطرہ ہوتا ہے۔ ہم کسی کے دل کا حال تو جانتے ہی نہیں۔ سینہ کا علم تو خدا کو ہی ہے۔ مگر انسان اپنی خیانت سے پکڑا جاتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سے معاملہ صاف نہیں تو پھر بیعت فائدہ دے گی نہ کچھ اور۔ لیکن جب خالص خدا ہی کا ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اُس کی خاص حفاظت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ سب کا خدا ہے مگر جو اپنے آپ کو خاص کرتے ہیں اُن پر خاص تجلّی کرتا ہے۔ اور خدا کے لئے خاص ہونا یہی ہے کہ نفس بالکل چکنا چُور ہو کر اُس کا کوئی ریزہ باقی نہ رہ جائے۔ اس لئے میں بار بار اپنی جماعت کو کہتا ہوں کہ بیعت پر ہرگز ناز نہ کرو اگر دل پاک نہیں ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا کیا فائدہ دے گا جب دل دُور ہے۔ جب دل اور زبان میں اتفاق نہیں تو میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منافقانہ اقرار کرتے ہیں۔ تو یاد رکھو ایسے شخص کو دوہرا عذاب ہوگا مگر جو سچا اقرار کرتا ہے اُس کے بڑے بڑے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ میں تو زبان ہی سے کہتا ہوں۔ دل میں ڈالنا خدا کا کام ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے میں کیا کسر باقی رکھی تھی؟ مگر ابوجہل اور اس کے امثال نہ سمجھے۔ آپ کو اس قدر فکر اور غم تھا کہ خدا نے خود فرمایا لعلّك باخعٌ نفسك ان لا یکونوا مومنین[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ہمدردی تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جاویں مگر وہ بچ نہ سکے حقیقت میں معلم اور واعظ کا تو اتنا ہی فرض ہے کہ وہ بتا دیوے۔ دل کی کھڑکی تو خدا کے فضل سے کھلتی ہے نجات اُسی کو ملتی ہے جو دل کا صاف ہو۔ جو صاف دل نہیں وہ اچکا اور ڈاکو ہے۔ خدا تعالیٰ اُسے بُری طرح مارتا ہے۔ اب یہ طاعون کے دن ہیں۔ ابھی تو ابتلاء

[1] الشعراء: ۴

سے کسی مسلمان نے کہا کہ تو مسلمان ہو جا۔ کہا کہ میں تیرے قول کو تیرے فعل (کی وجہ سے) نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے بیٹے کا نام خالد رکھا تھا حالانکہ شام تک میں اس کو قبر میں بھی دفن کر آیا۔ نام کچھ حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا جبتک کام نہ ہو۔

اسی طرح پر خدا تعالےٰ مغز اور حقیقت کو چاہتا ہے۔ رسم اور نام کو پسند نہیں کرتا۔ جب انسان سچے دل سے سچے اسلام کی تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کو اپنی راہیں دکھا دیتا ہے جیسے فرمایا۔ والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا[۱] خدا تعالیٰ بخیل نہیں۔ اگر انسان مجاہدہ کرے گا تو وہ یقیناً اپنی راہ کو ظاہر کر دے گا۔ ہماری مخالفت میں افترا کرتے اور گالیاں دیتے ہیں۔ اگر تقویٰ سے کام لیتے۔ اگر زمانہ کی اندرونی و بیرونی ضرورتیں ان کی راہنمائی نہ کر سکتی تھیں تو خدا تعالےٰ کی جناب میں تضرع اور ابتہال سے کام لیتے اور رو رو کر دعائیں مانگتے تو یقیناً اللہ تعالےٰ اُن کی راہ نمائی کر دیتا اور حق کھول دیتا۔ مومن حقیقی مسیح کے وقت وہی ہو گا جو اس کے تابع ہو گا۔ اگر میں صادق ہوں اور ضرور ہوں تو پھر آپ سمجھ لیں کہ میرے مکذب کا کیا حال ہے۔

نووارد۔ آپ میرے لئے دعا کریں۔

حضرت اقدس۔ دعا تو میں ہندو کے لئے بھی کرتا ہوں مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ امر مکروہ ہے کہ اس کا امتحان کیا جاوے۔ میں دعا کروں گا۔ آپ وقتاً فوقتاً یاد دلاتے رہیں اگر کچھ ظاہر ہوا تو اس سے بھی اطلاع دوں گا مگر یہ میرا کام نہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو ظاہر کرے۔ وہ کسی کے منشار کے ماتحت نہیں ہے بلکہ وہ خدا ہے اور غالبٌ علےٰ امرہٖ[۲] ہے۔ ایمان کو کسی امر سے وابستہ کرنا منع ہے۔ مشروط بشرائط ایمان کمزور ہوتا ہے۔ نیکی میں ترقی کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ہمدردی کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے لئے شرائط کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہو گا کہ آپ ہنسی ٹھٹھے کی مجلسوں سے دُور رہیں۔ یہ وقت رونے کا ہے نہ ہنسی کا۔ اب آپ جائیں گے موت حیات کا پتہ نہیں۔ دو تین ہفت

---

[۱] العنکبوت: ۷۰ [۲] یوسف: ۲۲

ثواب کیسے ملے۔ براہین میں اور بھی بعض خوفناک صورتیں مذکور ہیں اور انجام کار وہی ہوگا۔ جس کی خدا نے خبر دی ہے اور ارادہ فرمایا ہے۔

ایک الہام کے معنے

فرمایا

۳۰؍جنوری ۱۹۰۳ء کی صبح کو جو الہام ہوا تھا لَا یَمُوْتُ اَحَدٌ مِنْ رِجَالِکُمْ اس کے معنے ابھی نہیں کھُلے۔ مگر یہاں حقیقی معنے موت کے نہیں ہو سکتے کیونکہ انبیاء پر بھی یہ آئی ہے۔ غالباً اور کوئی معنے ہوں گے۔[1]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۱۴؍فروری ۱۹۰۳ء)

یکم فروری ۱۹۰۳ء

امتحان کے وقت جماعت کو استقامت کی بہت دُعا کرنی چاہیئے

فرمایا کہ[2]

یہ وقت جماعت کے امتحان کا ہے دیکھیں کون ساتھ دیتا ہے اور کون پہلو تہی کرتا ہے۔ اس لئے ہمارے بھائیوں کو استقامت کی بہت دُعا کرنی چاہیئے اور انفاق فی سبیل اللہ کے لئے وسیع

---

[1] البدر میں مذکورہ الہام کی تشریح کرتے ہوئے کچھ مزید فقرے درج ہیں۔ وہاں لکھا ہے۔
”عشاء سے قبل حضرت اقدس نے یہ الہام سُنایا لَا یموت احدٌ من رجالکم اور فرمایا کہ اس کے حقیقی معنے کہ تمہارے رجال میں کوئی نہ مرے گا تو ہو نہیں سکتے کیونکہ موت تو انبیاء تک کو آتی ہے اور نہ قیامت تک کسی نے زندہ رہنا ہے مگر اس کے مفہوم کا پتہ نہیں ہے۔ شاید کوئی اور معنے ہوں“ (البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶؍فروری ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں اس ڈائری کا وقت درج نہیں (مرتب)

تقویٰ ہے لیکن حصول تقویٰ کے لئے نہیں چاہئیے کہ ہم شرطیں باندھتے پھریں۔ تقوےٰ اختیار کرنے سے جو مانگو گے ملیگا۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے تقویٰ اختیار کرو جو چاہو گے وہ دے گا۔ جس قدر اولیاء اللہ اور اقطاب گذرے ہیں انہوں نے جو کچھ حاصل کیا تقوےٰ ہی سے حاصل کیا۔ اگر وہ تقویٰ اختیار نہ کرتے تو وہ بھی دنیا میں معمولی انسانوں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے۔ دس بیس کی نوکری کر لیتے یا کوئی اور حرفہ یا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔ مگر آج جو عروج اُن کو ملا اور جس قدر شہرت اور عزت انہوں نے پائی۔ یہ سب تقویٰ ہی کی بدولت تھی۔ انہوں نے ایک موت اختیار کی اور زندگی اُس کے بدلہ میں پائی۔

عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت ذاتی سے رنگین ہو کر کرو

میں دوزخ اور بہشت پر ایمان لاتا ہوں کہ وہ حق ہے اور ان کے عذاب اور اکرام اور لذائذ سب حق ہیں لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ انسان خدا کی عبادت دوزخ یا بہشت کے سہارے سے نہ کرے بلکہ محبت ذاتی کے طور پر کرے۔ دوزخ بہشت کا انکار میں کفر سمجھتا ہوں اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا حماقت ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ عبادت اللہ تعالےٰ کی محبت ذاتی سے رنگین ہو کر کرے جیسے ماں اپنے بچّہ کی پرورش کرتی ہے کیا اس امید پر کہ وہ اُسے کھلائے گا۔ نہیں بلکہ وہ جانتی ہی نہیں کہ کیوں اس کی پرورش کر رہی ہے یہانتک کہ اگر بادشاہ اس کو حکم دیدے کہ تو اگر بچّہ کی پرورش نہ کرے گی اور اس سے یہ بچّہ مر بھی جاوے تو تجھ کو کوئی سزا نہ دی جاویگی بلکہ انعام ملیگا تو وہ اس حکم سے خوش ہوگی یا بادشاہ کو گالیاں دے گی۔ یہ محبت ذاتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کی عبادت کرنی چاہئیے نہ کہ کسی جزا سزا کے سہارے پر۔

محبت ذاتی میں اغراض فوت ہو جاتے ہیں اور خدا تو وہ خدا ہے جو ایسا رحیم و کریم ہے کہ جو اس کا انکار کرتے ہیں ان کو بھی رزق دیتا ہے۔ کیا سچ کہا ہے ؎

ویسے ہی نشان ہیں جیسے کہ عبداللہ سنوری صاحب کو جو کرتہ دیا گیا ہے اس پر تھے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۳ء)

۵ فروری ۱۹۰۳ء

اپنی جماعت کیلئے ایک بہت ضروری نصیحت

آج کل زمانہ بہت خراب ہو رہا ہے۔ قسم قسم کا شرک بدعت اور کئی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ بیعت کے وقت جو اقرار کیا جاتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ یہ اقرار خدا کے سامنے اقرار ہے۔ اب چاہیئے کہ اس پر موت تک خوب قائم رہے ورنہ سمجھو کہ بیعت نہیں کی اور اگر قائم ہو گے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں برکت دے گا۔ اپنے اللہ کے منشا کے مطابق پورا تقویٰ اختیار کرو۔ زمانہ نازک ہے۔ قہر الٰہی نمودار ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق اپنے آپ کو بنا لیگا۔ وہ اپنی جان اور اپنی آل و اولاد پر رحم کرے گا۔

دیکھو انسان روٹی کھاتا ہے۔ جب تک سیری کے موافق پوری مقدار نہ کھالے تو اُس کی بھوک نہیں جاتی۔ اگر وہ ایک بھورہ روٹی کا کھالیوے تو کیا وہ بھُوک سے نجات پائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر وہ ایک قطرہ پانی کا اپنے حلق میں ڈالے تو وہ قطرہ اُسے ہرگز نہ بچا سکے گا بلکہ باوجود اس قطرہ کے وہ مرے گا۔ حفظ جان کے واسطے وہ قدر محتاط جس سے زندہ رہ سکتا ہے جبتک نہ کھالے اور نہ پیوے نہیں بچ سکتا۔ یہی حال انسان کی دینداری کا ہے۔ جبتک اس کی دینداری اس حد تک نہ ہو کہ سیری ہو بچ نہیں سکتا۔ دینداری، تقویٰ، خدا کے احکام کی اطاعت کو اس حد تک کرنا چاہیئے جیسے روٹی اور پانی کو اس حد تک کھاتے اور پیتے ہیں جس سے بھوک اور پیاس چلی جاتی ہے۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خدا تعالیٰ کی بعض باتوں کو نہ ماننا اس کی سب باتوں کو ہی چھوڑنا ہوتا ہے۔ اگر ایک حصہ شیطان کا ہے اور ایک اللہ کا۔ تو اللہ تعالیٰ حصہ داری کو پسند

عرصہ گذرا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحی کو میں شائع کر رہا ہوں۔ اگر افترا ر تھا تو اس تقوّل کی پاداش میں ضروری نہ تھا کہ خدا اپنے وعدہ کو پورا کرتا ؟ بجائے اس کے کہ وہ مجھے پکڑتا اس نے صدہا نشان میری تائید میں ظاہر کئے اور نصرت پر نصرت مجھے دی۔ کیا مفتریوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا کرتا ہے ؟ اور دجّالوں کو ایسی ہی نصرت ملا کرتی ہے ؟ کچھ تو سوچو۔ ایسی نظیر کوئی پیش کرو اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں ہرگز نہ ملیگی۔

ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ طبیب تو مریض کو کلورو فارم سُنگھا کر بھی دوائی اندر پہنچا سکتا ہے۔ رُوحانی طبابت میں یہ نہیں ہے بلکہ باتوں کو مؤثر بنانا اور دل میں ڈالنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو شوخی کو دُور کر کے خود اندر ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔

نو وارد۔ میں اہل اسلام کی زیادتی پر تعجب کرتا ہوں۔ آپ کے کلمات میں مَیں کوئی وجہ کفر کی نہیں دیکھتا۔

حضرت اقدس۔ آپ کتابیں بھی دیکھ لیں تا کوئی شک آپ کو باقی نہ رہے کہ کون سے ایسے کلمات ہیں جو قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف ہیں۔ میں اُن کے کُفر کی پروا نہیں کرتا۔ ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ اُن کے ہی آثار میں لکھا ہوا تھا کہ مسیح موعود جب آئے گا تو اُس پر کُفر کے فتوے دیئے جائیں گے۔ یہ پیشگوئیاں کیسے پوری ہوئیں ؟ یہ تو اپنے ہاتھ سے پوری کر رہے ہیں۔ مجدد صاحب اور نواب صدیق حسن خانصاحب کہتے ہیں کہ جب وہ آئے گا تو علماء مخالفت کریں گے اور محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ جب وہ آئے گا تو ایک شخص اُٹھ کر کہے گا اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا ۔ اب جبکہ پہلے سے یہ باتیں ہیں تو ہم خوش ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے ہاتھ سے پُورا کر رہے ہیں۔ اب جبکہ یہ باتیں پہلے سے ہیں۔ تو یہ بھی صداقت کا نشان ہے اسلئے ہم ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

یہ جو کہتے ہیں کہ آسمان سے مسیح آئے گا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام وفات پا گئے[۱]۔

[۱] نوٹ: یہاں حضرت اقدس نے آیت شریفہ فلما توفیتنی اور حدیث معراج سے استدلال کر کے ایک جامع تقریر فرمائی جو ہم بارہا شائع کر چکے ہیں اور اپنے وجود پر سورۂ نور سے استدلال فرمایا۔ اور ایسا ہی مسیح کی قبر کشمیر کے متعلق بیان فرماتے رہے اور وفات مسیح پر صحابہ کے اجماع کا ذکر فرمایا (ایڈیٹر الحکم)

دو نیک عمل

دو عمل ضرور یاد رکھو۔ ایک دُعا۔ دوسرے ہم سے ملتے رہنا تاکہ تعلق بڑھے اور ہماری دعا کا اثر ہو۔

ابتلا سے کوئی خالی نہیں رہتا۔ جب سے یہ سلسلہ انبیاء اور رسل کا چلا آرہا ہے جس نے حق کو قبول کیا ہے اس کی ضرور آزمائش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ جماعت بھی خالی نہ رہیگی گرد و نواح کے مولوی کوشش کریں گے کہ تم اس راہ سے ہٹ جاؤ۔ تم پر کفر کے فتوے دینگے لیکن یہ سب کچھ پہلے ہی سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے لیکن اس کی پروا نہ کرنی چاہیئے جوانمردی سے اس کا مقابلہ کرو۔

پھر بیعت کنندگان نے منکرین کے ساتھ نماز پڑھنے کو پوچھا۔ حضرت نے فرمایا کہ

ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ پڑھو اکیلے پڑھ لو۔ جو ایک ہوگا وہ جلد دیکھ لے گا کہ ایک اور اس کے ساتھ ہو گیا ہے۔ ثابت قدمی دکھاؤ۔ ثابت قدمی میں ایک کشش ہوتی ہے۔ اگر کوئی جماعت کا آدمی نہ ہو تو نماز اکیلے پڑھ لو مگر جو اس سلسلہ میں نہیں اس کے ساتھ ہرگز نہ پڑھو ہرگز نہ پڑھو جو ہمیں زبان سے بُرا نہیں کہتا وہ عملی طور سے کہتا ہے کہ حق کو قبول نہیں کرتا۔ ان ہر ایک کو سمجھاتے رہو۔ خدا کسی نہ کسی کو ضرور کھینچ لے گا۔ جو شخص نیک نظر آوے سلام علیک اس سے رکھو لیکن اگر وہ شرارت کرے تو پھر یہ بھی ترک کردو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۳۱ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۰ فروری ۱۹۰۳ء

حضورؑ کے خلاف فحش بیانی کرنیوالے اخبارات کو ہرگز نہ لیا جائے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

وہ اخبارات جو کہ آپ کی مخالفت میں ہمیشہ خلاف واقعہ باتیں درج کرتے ہیں اور گندا

دہی ہوا اور گورنمنٹ نے اس پر کوئی کارروائی انجمن کے حسب منشا نہ کی۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا مہدی آنا چاہیئے جو جہاد کا فتویٰ دے۔ اور انگریزوں اور دوسری غیر قوموں سے لڑائی کرے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی غلط ہے اور حدیث سے بھی پایا جاتا ہے کہ آنے والا موعود یضع الحرب کرکے دکھائے گا یعنی لڑائیوں کو موقوف کرے گا۔ دیکھو ہر چیز کے عنوان پہلے ہی سے نظر آجاتے ہیں جیسے پھل سے پہلے شگوفہ نکل آتا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کا یہی منشا ہوتا کہ مہدی آکر جہاد کرتا اور تلوار کے زور سے اسلام کی حمایت کرتا تو چاہیئے تھا کہ مسلمان فنونِ حربیہ اور سپہ گری میں ...... تمام قوموں سے ممتاز ہوتے اور فوجی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی مگر اس وقت یہ طاقت تو اسی قوم کی بڑھی ہوئی ہے اور فنونِ حرب کے متعلق جس قدر ایجادات ہو رہی ہیں وہ یورپ میں ہو رہی ہیں نہ کسی اسلامی سلطنت میں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے اور یضع الحرب کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے واسطے یہی ہونا بھی چاہیئے تھا۔ دیکھو مہدی سوڈانی وغیرہ نے جب مخالفت میں ہتھیار اُٹھائے تو خدا تعالیٰ نے کیسا ذلیل کیا یہاں تک کہ اس کی قبر بھی کھدوائی گئی اور ذلت ہوئی اس لئے کہ خدا کے منشا کے خلاف تھا۔ مہدی موعود کا یہ کام ہی نہیں ہے بلکہ وہ تو اسلام کو اس کی اخلاقی اور علمی و عملی اعجازات سے دلوں میں داخل کرے گا اور اس اعتراض کو دُور کرے گا جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ وہ ثابت کر دکھائے گا کہ اسلام ہمیشہ اپنی عملی سچائیوں اور برکات کے ذریعہ پھیلا ہے۔ ان تمام باتوں سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا منشا تلوار سے کام لینا ہوتا تو فنون حرب اسلام والوں کے ہاتھ میں ہوتے۔ اسلامی سلطنتوں کی جنگی طاقتیں سب سے بڑھ کر ہوتیں۔ اگرچہ حقیقی خبر تو خدا تعالیٰ سے وحی پانے والوں کو ملتی ہے مگر مومن کو بھی ایک فراست ملتی ہے اور وہ علامات و آثار سے سمجھ لیتا ہے کہ کیا ہونا چاہیئے۔ جب عیسائی قوموں کے بالمقابل آتے ہیں تو زک اُٹھاتے ہیں اور ذلت کا منہ دیکھتے ہیں۔ کیا اس سے پتہ نہیں لگتا کہ خدا تعالےٰ کا منشا تلوار

ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ آدمؑ سے اول کیا تھا اور کس قسم کی مخلوق تھی۔ اُس وقت کی بات وہی جانے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ[1] وہ اور اُس کی صفات قدیم ہی سے ہیں مگر اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہر ایک صفت کا علم ہم کو دیدے اور نہ اس کے کام اس دنیا میں سما سکتے ہیں۔ خدا کے کلام میں دقیق نظر کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ازلی اور ابدی ہے اور مخلوقات کی ترتیب اس کے ازلی ہونے کی مخالف نہیں ہے اور استعارات کو ظاہر پر حمل کر کے مشہودات پر لانا بھی ایک نادانی ہے۔ اس کی صفت ہے لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار[2]۔ ہم عرش اور استویٰ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حقیقت اور کنہ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں۔ جب دنیا وغیرہ نہ تھی عرش تب بھی تھا جیسے لکھا ہے کان عرشه علی الماء[3]

عرش ایک مجہول الکنہ امر اور خدا تعالیٰ کی تجلیات کیطرف اشارہ ہے

اس کے متعلق خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ایک مجہول الکنہ امر ہے اور خدا تعالیٰ کی تجلیات کی طرف اشارہ ہے وہ خلق السمٰوٰت والارض چاہتی تھی الخ وہ اوّل ہو کر پھر استویٰ علی العرش ہوا۔ اگرچہ توریت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے مگر وہ اچھے الفاظ میں نہیں ہے۔ اور لکھا ہے کہ خدا ماندہ ہو کر تھک گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک انسان کسی کام میں مصروف ہوتا ہے تو اس کے چہرہ اور خد وخال وغیرہ اور دیگر اعضاء کا پورا پورا پتہ نہیں لگتا مگر جب وہ فارغ ہو کر ایک تخت یا چارپائی پر آرام کی حالت میں ہو تو اس کے ہر ایک عضو کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح استعارہ کے طور پر خدا کی صفات کے ظہور کو ثم استویٰ علی العرش سے بیان کیا ہے کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد صفات الٰہیہ کا ظہور ہوا صفات اس کے ازلی ابدی ہیں مگر جب مخلوق ہو تو خالق کو شناخت کرے اور محتاج ہوں تو رازق کو پہچانیں۔ اسی طرح اس کے علم اور قادر مطلق ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ ثم استویٰ علی العرش[4] خدا کی اس تجلّی کی طرف اشارہ ہے جو خلق السمٰوٰت والارض کے بعد ہوئی۔

[1] الرحمٰن: ۳۰ [2] الانعام: ۱۰۴ [3] هود: ۸ [4] یونس: ۴

صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور حدیث کی کتابیں جو موجود ہیں ان میں یہ حدیث پائی جاتی ہے۔ کسی نے کبھی اس کو پھینک نہ دیا اور نہ کہا کہ یہ حدیث نکال دینی چاہیئے جبکہ یہ بات ہے تو پھر مجھ سے فہرست کیوں مانگی جاتی ہے۔

میرا یہ مذہب ہے کہ عدمِ علم سے عدمِ شیئ لازم نہیں آتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جو منسوب ہو اگر وہ قرآن شریف کے برخلاف نہ ہو تو میں اس کو مانتا ہوں۔ خود ہی ان لوگوں سے پُوچھو کہ کیا یہ حدیث جھوٹی ہے؟ تو پہلے اس کو نکالو اور اگر شکّی ہے تو پھر تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ کم از کم حدیث کی رُو سے مجھے بھی شکّی ہی مان لو۔ عجیب بات ہے حدیث کو شکّی کہو اور مجھے کذّاب! یہ تو تقویٰ کا طریق نہیں۔ اگر بفرض محال جھوٹی ہے تو پھر جان بوجھ کر جھوٹ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا تو لعنتی کا کام ہے۔ سب سے پہلا کام تو علماء کا یہ ہونا چاہیئے کہ اس کو نکال ڈالیں مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ حدیث جھوٹی نہیں ہے صحیح ہے۔ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ ہر صدی پر مجدد آتا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں وغیرہ نے ۱۲ مجدد گن کر بھی دکھلائے ہیں مگر میں اُن کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس حدیث کی صحت کا یہ معیار نہیں بلکہ قرآن اس کی صحت کا گواہ ہے۔ یہ حدیث اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ[1] کی شرح ہے صدی ایک عام آدمی کی عمر ہوتی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ سَو سال بعد کوئی نہ رہے گا۔ جیسے صدی جسم کو مارتی ہے اسی طرح ایک روحانی موت بھی واقع ہوتی ہے اس لئے صدی کے بعد ایک نئی ذُرّیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے اناج کے کھیت اب دیکھتے ہیں کہ ہرے بھرے ہیں۔ ایک وقت میں بالکل خشک ہوں گے پھر نئے سرے سے پیدا ہو جائیں گے اس طرح پر ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پہلے اکابر سو سال کے اندر فوت ہو جاتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ ہر صدی پر نیا انتظام کر دیتا ہے جیسے رزق کا سامان کرتا ہے۔ پس قرآن کی حمایت کے ساتھ یہ حدیث تواتر کا حکم رکھتی ہے۔

کپڑا پہنتے ہیں تو اس کی بھی تجدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طریق پر نئی ذرّیت کو تازہ

---

[1] الحجر: ۱۰

کے ثمار پر بھی ایسا ہی ایمان ہے۔ وہاں یہ تو نہ ہوگا کہ بہت سی گائیں بھینسیں ہوں گی اور دُودھ دوہ کر حوض میں ڈالا جائے گا۔ خدا فرماتا ہے کہ وہ اشیاء ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں اور نہ زبان نے چکھیں، نہ دل میں اُن کے فہم کا مادہ ہے۔ حالانکہ اُن کو دودھ اور شہد وغیرہ ہی لکھا ہے جو کہ آنکھوں سے نظر آتا ہے اور ہم اُسے پیتے ہیں۔ اسی طرح کئی باتیں ہیں جو کہ ہم خود دیکھتے ہیں مگر نہ تو الفاظ ملتے ہیں کہ اُن کو بیان کر سکیں نہ اُس کے بیان کرنے پر قادر ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر اُن کو مادی دنیا پر قیاس کریں تو صدہا اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ مَن کَانَ فِی ھٰذِہٖ اَعمٰی فَھُوَ فِی الاٰخِرَۃِ اَعمٰی[1] سے ظاہر ہے کہ دیدار کا وعدہ یہاں بھی ہے مگر ہم اُسے جسمانیات پر حمل نہیں کر سکتے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۷-۳۸ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۳ فروری ۱۹۰۳ء

صدقہ اور دُعا سے بلا ٹل جاتی ہے

بعد ادائیگی جمعہ گرد و نواح کے لوگوں نے بیعت کی اور حضرت اقدس نے اُن کے لئے ایک مختصر تقریر نماز روزہ کی پابندی اور ہر ایک ظلم وغیرہ سے بچنے پر فرمائی کہ اپنے گھروں میں عورتوں لڑکیوں اور لڑکوں سب کو نیکی کی نصیحت کریں اور جیسے درختوں اور کھیتوں کو اگر پورا پانی نہ دیا جائے تو وہ پھل نہیں لاتے۔ اسی طرح جب تک نیکی کا پانی دل کو نہ دیا جائے تو وہ بھی انسان کے لئے کسی کام کا نہیں ہوتا۔ جو نیک بن جاتا ہے اس پر یہ بلا طاعون نہیں پڑتی موت تو سب کو آتی ہے اور اس کا دروازہ بند نہیں ہوتا مگر جن موتوں میں ایک قہر کی بُو ہوتی ہے وہ نہیں ہوتی۔ ہنسی اور ٹھٹھے کی مجلسوں سے پرہیز کی تاکید فرمائی۔ انبیاء کی وصیت یاد دلائی کہ صدقہ اور دُعا سے بلا

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

کھینچ کر دکھایا گیا تھا اسی طرح وہ پُورا ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے نشانات ہیں۔ جو ہم نے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں اور اس پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارا خدا تھکنے والا خدا نہیں۔ وہ تکذیب کرنے والوں کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ میں نے پنجاب کے مولویوں اور پادریوں کو ایسی دعوت دی ہے کہ وہ میرے مقابل میں آکر ان نشانات کو جو ہم پیش کرتے ہیں فیصلہ کرلیں اگر ان کو نہ مانیں تو دعا کر سکتا ہوں اور اپنے خدا پر یقین رکھتا ہوں کہ اور نشان ظاہر کر دے گا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ صدقِ نیت سے اس طرف نہیں آتے بلکہ لیکھرامی حیلے کرتے ہیں[۱] مگر خدا تعالیٰ کسی کی حکومت کے نیچے نہیں ہے۔

میں بار بار یہی کہتا ہوں کہ پہلے ان خوارق کو جو میں پیش کرتا ہوں۔ دیکھ لو اور منہاج نبوت پر سوچو۔ اگر پھر بھی تکذیب کے لئے جرأت کرو گے تو خدا کی غیرت کے لئے زیادہ جنبش ہوگی اور وہ قادر ہے کہ کوئی امر انسانی طاقت سے بالاتر ظاہر کرے۔

لیکھرام کی نسبت جب پیشگوئی کی گئی تھی تو اس نے بھی میرے لئے ایک پیشگوئی کی تھی اور شائع کر دیا تھا کہ تین سال کے اندر ہیضہ سے ہلاک ہو جاوے گا مگر اب دیکھ لو کہ اس کی ہڈیوں کا بھی کہیں نشان پایا جاتا ہے؟ مگر میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اسی طرح زندہ ہوں۔

یہ امور ہیں۔ اگر حق پسند توقف سے ان میں غور کرے تو فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مگر نِرے بحث کرنے والے جلد باز کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔[۲]

---

[۱] (البدر سے) "اس طرح کے سوال کرتے ہیں کہ زمین کو اُلٹ کر دکھا دو یا ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اس طرح کے سوالات تو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کرتے تھے" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء) حاشیہ

[۲] (البدر سے) "یہ امور ہیں جو ایک صالح اور شریف کے واسطے قابلِ غور ہیں بشرطیکہ وہ اپنے نفس کا علاج کرنے والا ہو۔ اس کو یہ موقعہ نہیں ہے کہ بحث کرے۔ اسے خیال کرنا چاہیئے کہ خدا کا ایک قہری نشان موت سر پر ہے کسی کو کیا معلوم کہ اس نے کہاں تک سیر کرنا ہے" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

حضرت اقدس۔ کیا آپ کچھ عرصہ یہاں ٹھہریں گے؟

نووارد۔ کل جاؤں گا۔

حضرت اقدس۔ آپ دریافت حالات کے لئے آئے اور کل جائیں گے اس سے کیا فائدہ ہوا؟ یہ تو صرف آپ کو تکلیف ہوئی۔ دین کے کام میں آہستگی سے دریافت کرنا چاہیئے تاکہ وقتاً فوقتاً بہت سی معلومات ہو جائیں۔ جب وہاں آپکے دوستوں نے آپ کو منتخب کیا تھا تو آپ کو یہاں فیصلہ کرنا چاہیئے۔ جب آپ ایک ہی رات کے بعد چلے جائینگے تو آپ کیا رائے قائم کر سکیں گے؟ اب ہم نماز پڑھ کے چلے جائیں گے۔ آپ کو کوئی موقعہ ہی نہ ملا۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کونوا مع الصادقین[1] کہ صادقوں کے ساتھ رہو یہ معیت چاہتی ہے کہ کسی وقت تک صحبت میں رہے کیونکہ جب تک ایک حد تک صحبت میں نہ رہے وہ اسرار اور حقائق کھل نہیں سکتے وہ اجنبی کا اجنبی اور بیگانہ ہی رہتا ہے اور کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔

نووارد۔ میں جو کچھ پوچھوں آپ اس کا جواب دیں۔ اس سے ایک رائے قائم ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں نے مجھے بھیجا ہے انہوں نے تقیہ* تو کیا نہیں کہ جا کر کیا دیکھوں۔ آپ چونکہ ہمارے مذہب میں ہیں اور آپنے ایک دعویٰ کیا ہے اس کا دریافت کرنا ہم پر فرض ہے۔

حضرت اقدس۔ بات یہ ہے کہ مذاق، تمسخر صحت نیت میں فرق ڈالتا ہے اور ماموروں کے لئے تو یہ سُنّت چلی آئی ہے کہ لوگ ان پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں مگر حسرت ہنسی کرنے والوں ہی پر رہ جاتی ہے چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا ہے یٰحسرۃً علی[2]

---

* اغلباً یہ لفظ تقید ہے جو سہو کتابت سے تقیہ لکھا گیا ہے۔ البدر میں اس کا ذکر یوں ہے کہ:۔ "اگرچہ وہ لوگ جن کی طرف سے میں آیا ہوں آپ کا ذکر ہنسی اور تمسخر سے کرتے ہیں مگر میرا یہ خیال نہیں ہے" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

[1] التوبۃ: ۱۱۹

اُن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ دُنیا کو تقویٰ اور طہارت کی زندگی کا نمونہ دکھائے۔ اسی غرض کے لئے اس نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ وہ تطہیر چاہتا ہے اور ایک پاک جماعت بنانا اس کا منشاء ہے۔

ایک پہلو تو میری بعثت اور ماموریت کا یہ ہے۔ دوسرا پہلو کسر صلیب کا ہے کسر صلیب کے لئے جس قدر جوش خدا نے مجھے دیا ہے اس کا کسی دوسرے کو علم نہیں ہو سکتا۔ صلیبی مذہب نے جو کچھ نقصان عورتوں۔ مردوں اور جوانوں کو پہنچایا ہے اس کا اندازہ مشکل ہے[1]۔ ہر پہلو سے اسلام کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر ہے تو وہ طبابت کے رنگ میں یا صدقات وخیرات کے رنگ میں، عہدہ دار ہو تب دلیم میور کی طرح اپنے رنگ میں غرض صدہا شاخیں ہیں جو اسلام کے استیصال کے لئے انہوں نے اختیار کر رکھی ہیں۔ یہ دل سے چاہتے ہیں کہ ایک فرد بھی اسلام کا نام لینے والا باقی نہ رہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ماننے والا کوئی نہ ہو۔ ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں جن میں اُن کے جوش کو بیان کر سکیں۔

ایسی حالت میں خدا تعالیٰ نے مجھے وہ جوش کسر صلیب کے لئے دیا ہے کہ دنیا میں اس وقت کسی اَور کو نہیں دیا گیا پھر کیا یہ جوش بدوں خدا کی طرف سے مامور ہو کر آنے کے پیدا ہو سکتا ہے؟

جس قدر توہین اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پاک رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی کی گئی ہے کیا ضرور نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جو غیور ہے آسمان سے مدد کرتا۔

---

[1] (البدر سے) " پادریوں کا فتنہ کسقدر ہے۔ کیا کچھ نقصان انہوں نے اسلام کو پہنچایا ہے۔ ۲۰ لاکھ سے زیادہ مسلمان ان کے ہاتھوں پر مُرتد ہو چکے ہیں۔ ہر گاؤں میں ہر محلہ میں انہوں نے ڈیرہ لگایا ہے کروڑہا رسالہ جات، کتابیں اسلام کی تردید میں انکی طرف سے نکل کر مُفت شائع ہوتی ہیں اور یہ اس قسم کے فتنے ہیں کہ انکی نظیر شروع سے لیکر اب تک کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور ان کے حملے مختلف طور پر ہیں"

(البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۲ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

قرآن شریف میں سورہ فاتحہ کے بعد ہی ھدیً للمتقین[1] سکھایا گیا تھا اور جن کو یہ تعلیم دی گئی تھی ان اولیاؤہ الا المتقون[2] اور جن کو بتایا گیا تھا انما یتقبل اللہ من المتقین[3] ان کو کیا ہو گیا کہ انہوں نے اس معاملہ میں اس قدر جلد بازی سے کام لیا اور تکفیر اور تکذیب کے لئے دلیر ہو گئے۔ ان کا فرض تھا کہ وہ میرے دعاوی اور دلائل کو سنتے اور پھر خدا سے ڈر کر ان پر غور کرتے۔ کیا ان کی جلد بازی سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ انہوں نے تقویٰ سے کام لیا ہے۔ جلد بازی اور تقویٰ کبھی دونو اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے یہی کہا فاصبر کما صبر اولوالعزم[4]۔ پھر عام لوگوں کو کس قدر ضرورت تھی کہ وہ تقویٰ سے کام لیتے اور خدا سے ڈرتے۔

باوجودیکہ علماء کی اگر میرے دعویٰ سے پہلے کی کتابیں دیکھی جاتی ہیں تو اُن سے کس قدر انتظار اور شوق کا پتہ لگتا ہے گویا وہ تیرھویں صدی کے علامات سے مضطرب اور بیقرار ہو رہے ہیں مگر جب وقت آیا تو اول الکافرین ٹھہرتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ ہمیشہ کہتے آتے تھے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد اصلاح فساد کے لئے آتا ہے اور ایک روحانی طبیب مفاسد موجودہ کی اصلاح کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ صدی کا سر پاکر وہ انتظار کرتے ضرورت کے لحاظ سے ان کو مناسب تھا کہ ایسے مجدد کا انتظار کرتے جو کسر صلیب کے لئے آتا کیونکہ اس وقت سب سے بڑا فتنہ یہی ہے۔ ایک عام آدمی سے بھی اگر سوال کیا جاوے کہ اس وقت بڑا فتنہ کونسا ہے؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ پادریوں کا۔ ۲۰ لاکھ کے قریب تو اسی ملک سے مُرتد ہو گیا۔ اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر ایک بھی مرتد ہوتا تو قیامت آجاتی اسلام کیا اور ارتداد کیا؟ ایک طرف اس قدر لوگ مُرتد ہو گئے دوسری طرف اسلام کے خلاف جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کو جمع کریں تو کئی پہاڑ بنتے ہیں۔ بعض پرچے ایسے ہوتے ہیں کہ کئی کئی لاکھ شائع ہوتے ہیں اور ان میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ بتاؤ ایسی حالت اور صورت میں انا لہ لحافظون[5] کا وعدہ کہاں گیا؟ اس نے وہ گالیاں سید المعصومین کی نسبت سُنیں جن سے دنیا میں لرزہ پڑ گیا مگر اُسے غیرت نہ آئی اور کوئی آسمانی سلسلہ اس نے قائم نہ کیا؟ کیا

---

[1] البقرۃ: ۳ [2] الانفال: ۳۵ [3] المائدہ: ۲۸ [4] الاحقاف: ۳۶ [5] الحجر: ۱۰

میں بہت بڑی بات ہے جو اُس کو شناخت نہیں کرتا اس کا علاج نبیوں کے پاس نہیں ہے[1]۔ نیکی کا پہلا دروازہ اسی سے کھلتا ہے (کہ) اوّل اپنی کورانہ زندگی کو سمجھے اور پھر بُری مجلس اور بُری صحبت کو چھوڑ کر نیک مجلس کی قدر کرے۔ اس کا یہی کام ہونا چاہیئے کہ جہاں بتایا جائے کہ اُس کے مرض کا علاج ہوگا وہ اس طبیب کے پاس رہے اور جو کچھ وہ اس کو بتا دے اس پر عمل کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو۔ دیکھو بیمار جب کسی طبیب کے پاس جاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ طبیب کے ساتھ ایک مباحثہ شروع کر دے بلکہ اس کا فرض یہی ہے کہ وہ اپنا مرض پیش کرے اور جو کچھ طبیب اس کو بتائے اس پر عمل کرے[2]۔ اس سے وہ فائدہ اُٹھائے گا۔ اگر اُس کے علاج پر جرح شروع کر دے تو فائدہ کس طرح ہوگا۔

انسان کی پیدائش کی علت غائی

انسان کا فرض ہے کہ اس میں نیکی کی طلبِ صادق ہو اور وہ اپنے مقصد زندگی کو سمجھے قرآن شریف میں انسان کی زندگی کا مقصد یہ بتایا گیا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[3]۔ یعنی جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں جب انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی ہے تو پھر چاہیئے کہ خدا کو شناخت کریں۔ جب انسان کی پیدائش کی علت غائی یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرے اور عبادت کے واسطے اوّل معرفت کا ہونا ضروری ہے۔ جب سچی معرفت ہو جاوے تب وہ اس کی خلاف مرضی کو ترک کرتا ہے اور سچا مسلمان ہو جاتا ہے۔ جب تک سچا علم پیدا نہ ہو کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھو جن چیزوں کے نقصان کو انسان یقینی سمجھتا ہے اُن سے بچتا ہے مثلاً سم الفار ہے جانتا ہے کہ یہ زہر ہے اس لئے اس کو استعمال کرنے کے لئے جرأت اور

---

[1] (البدر سے) "یہ بات غلط ہے کہ کسی نبی یا ولی کے پاس جانے سے ایک دم میں ہی ایک پھونک سے سب کچھ ہو جاتا ہے اور وہ ہدایت پاتا ہے۔ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے یہ نہ نبی کا کام ہے نہ کسی اور کا" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۲ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] حاشیہ (البدر سے) "اگر علاج اچھا ہو تو اس کے پاس رہے ورنہ نہیں کیا اگر ایک بچہ ابتدا ہی میں استاد سے الف پر بحث کرے کہ یہ الف کیوں ہے تو وہ کیا حاصل کرے گا یہ تو بدبختی کی نشانی ہے" (حوالہ ایضاً ایضاً)

[3] الذاریات : ۵۷

تیسرا کیا اس کی تائید میں کوئی معجزات اور خوارق بھی ہیں؟ مثلاً پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیکھتے ہیں کہ توریت انجیل میں بشارات موجود ہیں، یہ تو نصوص کی شہادت ہے اور عقل اس واسطے موید ہے کہ اس وقت بحر و بر میں فساد تھا گویا نبوت کا ثبوت ایک نص تھا دوسرا ضرورت تیسرے وہ معجزات جو آپ سے صادر ہوئے۔

اب اگر کوئی سچے دل سے طالب حق ہو تو اسکو یہی باتیں یہاں دیکھنی چاہئیں اور اُس کے موافق ثبوت لے۔ اگر نہ پائے تو تکذیب کا حق اُسے حاصل ہے اور اگر ثابت ہو جائیں اور وہ پھر بھی تکذیب کرے تو میری نہیں کُل انبیاء کی تکذیب کرے گا۔

نووارد۔ اگر ان ضروریات موجودہ کی بنا پر کوئی اور دعویٰ کرے کہ میں عیسیٰ ہوں تو کیا فرق ہوگا؟

حضرت اقدس۔ یہ فرضی بات ہے ایسے شخص کا نام لیں۔ اگر یہی بات ہے کہ ایک کاذب بھی کہہ سکتا ہے تو پھر آپ اس اعتراض کا جواب دیں کہ اگر مسیلمہ کذاب کہتا کہ توریت اور انجیل کی بشارت کا مصداق میں ہوں تو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کیلئے کیا جواب دینگے؟

نووارد۔ میں نہیں سمجھا۔

حضرت اقدس۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کا یہ اعتراض صحیح ہو سکتا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی تو بعض جھوٹے نبی موجود تھے جیسے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی۔ اگر انجیل اور توریت میں جو بشارات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موجود ہیں اس کے موافق یہ کہتے کہ یہ بشارات میرے حق میں ہیں تو کیا جواب ہو سکتا تھا؟

نووارد۔ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں۔

حضرت اقدس۔ یہ سوال اس وقت ہو سکتا تھا جب ایک ہی خبر پیش کرتا مگر میں تو کہتا ہوں کہ میری تصدیق میں دلائل کا ایک مجموعہ میرے ساتھ ہے۔ نصوصِ قرآنیہ حدیثیہ میری تصدیق کرتے ہیں۔ ضرورتِ موجودہ میرے وجود کی داعی اور وہ نشان جو میرے ہاتھ پر پورے ہوئے ہیں وہ الگ میرے مصدق ہیں۔ ہر ایک نبی ان امور ثلٰثہ کو پیش

ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

طبیب اس امر کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے وہی شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ جو اوّل اپنے مرض کو شناخت کرے اور محسوس کرے کہ میں بیمار ہوں اور پھر یہ شناخت کرے کہ طبیب کون ہے ؟ جب تک یہ دو باتیں پیدا نہ ہوں وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ مرض دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک مرض مختلف ہوتا ہے جیسے قولنج کا درد یعنی جو محسوس ہوتا ہے اور ایک مستوی جیسے برص کے داغ کہ ان کا کوئی درد اور تکلیف بظاہر محسوس نہیں ہوتی۔انجام خطرناک ہوتا ہے مگر انسان ایسی صورتوں میں ایک قسم کا اطمینان پاتا ہے اور اس کی چنداں فکر نہیں کرتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان اوّل اپنے مرض کو شناخت کرے اور اُسے محسوس کرے۔ پھر طبیب کو شناخت کرے۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی معمولی حالت پر راضی ہو جاتے ہیں[1]۔یہی حال اس وقت ہو

[1] البدر میں یہ مضمون یُوں درج ہے:۔ امراض کی دو قسمیں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

"اسی طرح انسان کی حالت ہے وہ دنیا میں آتا ہے۔ برص کی طرح اُسے امراض لگے ہوئے ہوتے ہیں دگر) اُسے اس بات کا علم نہیں ہوتا۔ سب سے اوّل اُسے چاہیئے کہ مرض کو دریافت کرے جس میں وہ مبتلا ہے۔ بہت لوگ ہیں کہ کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور کلمہ گو بھی ہیں مگر وہ مسیح کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونا ایک مشکل امر ہے اور خدا دانی کوئی منہ کی بات نہیں ہے۔ جب سچّے طور سے انسان کو آنکھ دی جاتی ہے اس وقت اس کو خدا کا خوف اور خشیت پیدا ہوتی ہے کبائر تو موٹے گناہ ہیں جن کو ہر ایک جانتا ہے لیکن صغائر مثل چیونٹیوں کے انسان کو چمٹے ہوئے ہیں۔ ان کا ترک کرنا ایک مشکل امر ہے۔ایک نئی تبدیلی جب تک انسان کے اندر نہ ہو تب تک اُسے اُن کا علم ہی نہیں ہوتا۔ جب یہ ہو تو وہ محسوس کرتا ہے کہ میں ایک اَور۔ اَور نیا انسان ہوں۔ اس وقت تک اس کی ترقی طلب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نووارد۔ اس وقت آپ کے پاس کیا معجزہ ہے؟

حضرت اقدس۔ ایک ہو تو بیان کروں۔ ڈیڑھ سو کے قریب نشان میں نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں جن کے ایک لاکھ کے قریب گواہ ہیں اور ایک نوع سے وہ نشانات ایک لاکھ کے قریب ہیں۔

نووارد۔ عربی میں آپ کا دعویٰ ہے کہ مجھ سے زیادہ فصیح کوئی نہیں لکھ سکتا۔

حضرت اقدس۔ ہاں

نووارد۔ بے ادبی معاف۔ آپ کی زبان سے قاف ادا نہیں ہو سکتا۔

حضرت اقدس۔ یہ بیہودہ باتیں ہیں[1]۔ میں لکھنؤ کا رہنے والا تو نہیں ہوں کہ میرا لہجہ لکھنوی ہو میں تو پنجابی ہوں۔ حضرت موسیٰ پر بھی یہ اعتراض ہوا کہ لا یکاد یبین۔ اور احادیث میں مہدی کی نسبت بھی آیا ہے کہ اس کی زبان میں لکنت ہوگی۔

اس مقام پر ہمارے ایک مخلص مخدوم کو یہ اعتراض حسنِ ارادت اور غیرت عقیدہ کے سبب سے ناگوار گذرا۔ اور وہ سوءِ ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے کہا کہ یہ حضرت اقدس ہی کا حوصلہ ہے۔ اس پر نووارد صاحب کو بھی طیش سا آگیا اور انہوں نے بخیال خویش یہ سمجھا کہ انہوں نے غصہ سے کہا ہے اور کہا کہ میں اعتقاد نہیں رکھتا اور حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر کہا کہ استہزاء اور گالیاں سننا انبیاء کا ورثہ ہے۔

حضرت اقدس۔ ہم ناراض نہیں ہوتے یہاں تو خاکساری ہے۔

نووارد۔ میں تو ولٰکن لیطمئن قلبی[2] کی تفسیر چاہتا ہوں۔

حضرت اقدس۔ میں آپ سے یہی توقع رکھتا ہوں مگر اللہ جلشانہٗ نے اطمینان کا ایک ہی طریق نہیں رکھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اور معجزات دیئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور معجزات دیئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اور قسم کے نشان بخشے۔ میرے نزدیک وہ شخص کذاب ہے

---

[1] البدر میں ہے "یہ ایک بیہودہ اعتراض ہے" (البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

[2] البقرۃ : ۲۶۱

حضرت اقدس۔ اچھا کیا آپ نے دو تین روز کا مصمم ارادہ کر لیا ہے؟

نووارد۔ کل عرض کروں گا۔

حضرت اقدس۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ دور دراز سے آئے ہیں کچھ واقفیت ضرور ہونی چاہیئے۔ کم از کم تین دن آپ رہ جائیں۔ میں یہی نصیحت کرتا ہوں اور اگر اور نہیں تو آمدن بارادت و رفتن باجازت ہی پر عمل کریں۔

نووارد۔ میں نے یہاں آکر اول دریافت کر لیا تھا کہ کوئی امر شرک کا نہیں۔ اس لئے میں ٹھہر گیا کیونکہ شرک سے مجھے سخت نفرت ہے۔

حضرت اقدس نے پھر جماعت کو خطاب کر کے فرمایا کہ

میرے اصول کے موافق اگر کوئی مہمان آوے اور سب و شتم تک بھی نوبت پہنچ جاوے۔ تو اس کو گوارا کرنا چاہیئے کیونکہ وہ مریدوں میں تو داخل نہیں ہے۔ ہمارا کیا حق ہے کہ اس سے وہ ادب اور ارادت چاہیں جو مُریدوں سے چاہتے ہیں۔ یہ بھی ہم ان کا احسان سمجھتے ہیں کہ نرمی سے بات کریں[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (یہ عرب میں ایک گالی ہوتی ہے) آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ کس قدر نقصان برداشت کر کے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں محبت ہے جس نے بٹھایا ہوا ہے۔ آپ نووارد) اور یہ قابلِ احترام (البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۵۱ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] البدر میں ہے:۔

"اگر کوئی مہمان آوے اور سب و شتم تک بھی اس کی نوبت پہنچے تو تم کو چاہیئے کہ چُپ کر رہو جس حال میں کہ وہ ہمارے حالات سے واقف نہیں ہے نہ ہمارے مریدوں میں وہ داخل ہے تو کیا حق ہے کہ ہم اس سے وہ ادب چاہیں جو ایک مرید کو کرنا چاہیئے۔ یہ بھی ان کا احسان ہے کہ نرمی سے بات کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری جماعت پر وہ دن آوے کہ جو لوگ محض ناواقف ہیں اگر وہ آویں تو بھائیوں کی طرح سلوک کریں۔ بھلا ان لوگوں کو کیا پڑی ہے کہ تکلیف اُٹھا کر کچی سڑک پر دھکے کھاتے آتے ہیں۔ پیغمبر خدا فرماتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خدا تعالیٰ تاوان نہیں چاہتا بلکہ سچا تقویٰ چاہتا ہے۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ توبہ کرتے وقت گواہ رکھ لیتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس نے کہا۔ میں نے اس لئے یہ کیا ہے کہ شاید اس توبہ کو توڑتے وقت اس گواہ سے ہی کچھ شرم آجائے لیکن آخر دیکھا کہ وہ ان کی بھی پروانہ کر کے توبہ توڑتا۔ کیونکہ اصل شرم تو خدا تعالیٰ سے ہونی چاہیئے جب خدا سے نہیں ڈرتا اور شرم کرتا تو اور کسی سے کیا کرے گا۔ ایسے لوگوں کی وہی مثال ہے ؎

چہ خوش گفت درویش کوتاہ دست
کہ شب توبہ کرد و سحر گاہ شکست

دُعا خشک لکڑی کو سرسبز اور مُردہ کو زندہ کر سکتی ہے

جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں ان کو سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ میں اُن کے لئے دعا کرتا ہوں۔ دعا ایسی چیز ہے کہ خشک لکڑی کو بھی سرسبز کر سکتی ہے اور مُردہ کو زندہ کر سکتی ہے۔ اس میں بڑی تاثیریں ہیں۔ جہانتک قضا و قدر کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کوئی کیسا ہی معصیت میں غرق ہو دعا اس کو بچالے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری کرے گا اور وہ خود محسوس کر لیگا کہ میں اب اَور ہوں۔ دیکھو جو شخص مسموم ہے کیا وہ اپنا علاج آپ کر سکتا ہے۔ اس کا علاج تو دوسرا ہی کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے تطہیر کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور مامور کی دعائیں تطہیر کا بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہیں

اسمِ اعظم

دُعا کرنا اور کرانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دعا کے لئے جب درد سے دل بھر جاتا ہے اور سارے حجابوں کو توڑ دیتا ہے اس وقت سمجھنا چاہیئے کہ دُعا قبول ہو گئی۔ یہ **اسمِ اعظم** ہے۔ اس کے سامنے کوئی اَن ہونی چیز نہیں ہے۔ ایک خبیث کے لئے جب دعا کے ایسے اسباب میسّر آجائیں تو یقیناً وہ صالح ہو جاوے اور بغیر دعا کے وہ اپنی

توبہ پر بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ بیمار اور محجوب اپنی دستگیری آپ نہیں کر سکتا۔ سنت اللہ کے موافق یہی ہوتا ہے کہ جب دعائیں انتہا تک پہنچتی ہیں تو ایک شعلہ نور کا اس کے دل پر گرتا ہے جو اس کی خباثتوں کو جلا کر تاریکی دور کر دیتا ہے اور اندر ایک روشنی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ طریق استجابت دعا کا رکھتا ہے۔

ضرور ہے کہ انسان پہلے حالتِ بیماری کو محسوس کرے اور پھر طبیب کو شناخت کرے سعید وہی ہے جو اپنے مرض اور طبیب کو شناخت کرتا ہے۔ اس وقت دنیا کی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ جن باتوں پر خدا نے چاہا تھا کہ قائم ہوں اُن کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ باہر سے وہ ایک پھوڑے کی طرح نظر آتے ہیں جو چمکتا ہے مگر اس کے اندر پیپ ہے یا قبر کی طرح ہے کہ جس کے اندر بجز ہڈیوں کے اور کچھ نہیں۔

ایسا ہی حال اخلاقی حالتوں کا ہے۔ غیظ و غضب میں آکر گندی گالیاں دینے لگتا ہے اور اعتدال سے گذر جاتا ہے۔

نفس مطمئنّہ کی حالت والا ہی بڑا سعید اور بامُراد ہے

اصل مدعا تو یہ ہونا چاہیئے کہ انسان نفس مطمئنّہ حاصل کرے۔ نفس تین قسم ہے امّارہ لوّامہ۔ مطمئنّہ۔ بہت بڑا حصّہ دنیا کا نفس امارہ کے نیچے ہے اور بعض جن پر خدا کا فضل ہوا ہے وہ لوامہ کے نیچے ہیں۔ یہ لوگ بھی سعادت سے حصہ رکھتے ہیں۔ بڑا بدبخت وہ ہے جو بدی کو محسوس ہی نہیں کرتا یعنی جو امارہ کے ماتحت ہیں اور بڑا ہی سعید اور بامراد وہ ہے جو نفس مطمئنہ کی حالت میں ہے۔

نفس مطمئنہ ہی کو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً[1]۔ یعنی اے وہ نفس جو اطمینان یافتہ ہے۔ اس حالت میں شیطان کے ساتھ جو جنگ ہوتی ہے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور خطاب کے لائق تو مطمئنہ ہی ٹھہرایا ہے اور اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطمئنّہ کی حالت میں مکالمہ

[1] الفجر : ۲۸، ۲۹

الٰہی کے لائق ہو جاتا ہے۔ خدا کی طرف واپس آ کے معنے یہی نہیں کہ مر جا بلکہ امارہ اور لوامہ کی حالت میں جو خدا تعالیٰ سے ایک بُعد ہوتا ہے مطمئنہ کی حالت میں وہ مہجوری نہیں رہتی اور کوئی غبار باقی نہ رہ کر غیب کی آواز اس کو بلاتی ہے۔ تو مجھ سے راضی اور میں تجھ سے راضی۔ یہ رضا کا انتہائی مقام ہوتا ہے۔

دوؔ بہشت

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کے بندے دنیا ہی پر ہوتے ہیں مگر دنیا اُن کو نہیں پہچانتی۔ دنیا نے آسمانی بندوں سے دوستی نہیں کی وہ اُن سے ہنسی کرتی ہے۔ وہ الگ ہی ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رِداء کے نیچے ہوتے ہیں۔ غرض جب ایسی حالتِ اطمینان میں پہنچتا ہے تو الٰہی اکسیر سے تانبا سونا ہو جاتا ہے۔ وادخلی جنّتی[1] اور تو میرے بہشت میں داخل ہو جا۔ بہشت ایک ہی چیز نہیں ولمن خاف مقام ربّہ جنّتان[2]۔ خدا سے ڈرنے والے کے لئے دو بہشت ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ فروری ۱۹۰۳ء۔

(قبل از ظہر)

ایک صاحب گوڑ گاؤں سے تشریف لائے ہوئے تھے حضرت اقدس سے شرف بیعت حاصل کیا۔ بعد از بیعت حضرت اقدسؑ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

مسنون طور سے خدا کا فضل تلاش کرو

ہماری طرف سے تو آپ کو یہی نصیحت ہے کہ مسنون طور سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے یہ

[1] الفجر: ۳۱ [2] الرحمٰن: ۴۷

امر صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ ان کی پیروی کے سوا کوئی راہ اس کی رضا جوئی کی باقی نہیں ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے فضلوں کا جویاں ہو اسی دروازہ کو کھٹکھٹائے اسی کے لئے کھولا جائے گا۔ بجُز اس دروازہ کے تمام دروازے بند ہیں۔ نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ شریعت قرآن شریف کے بعد ہرگز نہیں آئے گی۔ انسان کو کشوف اور وحی اور الہام کا بھی طالب نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ سب تقویٰ کا نتیجہ ہیں جب جڑ ٹھیک ہوگی تو اُس کے لوازم بھی خود بخود آجائیں گے۔ دیکھو جب سُورج نکلتا ہے تو دھوپ اور گرمی جو اس کا خاصہ ہیں خود بخود ہی آجاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان میں تقویٰ آجاتا ہے تو اس کے لوازم بھی اس میں ضرور آجاتے ہیں۔ دیکھو جب کوئی دوست کسی کے ملنے کے واسطے جاوے تو اس کو یہ امید تو نہ رکھنی چاہیئے کہ میں اس کے پاس جاتا ہوں کہ وہ مجھے پلاؤ، زردے اور قورمے اور قلیئے کھلائے گا اور میری خاطر تواضع کرے گا۔ نہیں بلکہ صادق دوست کی ملاقات کی خواہش ہوتی ہے بجُز اس کے اور کسی کھانے یا مکان یا خدمت کی پروا اور خیال بھی نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے صادق دوست کے پاس جو اُس سے مہجور تھا۔ جاتا ہے تو کیا وہ اس کی خاطر داری کا کوئی دقیقہ باقی بھی اُٹھا رکھتا ہے ؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ جہاں تک اس سے بَن پڑتا ہے وہ اپنی طاقت سے بڑھ کر بھی اس کی تواضع کے واسطے مکلّف سامان کرتا ہے۔

غرض یہی حال روحانیت اور اس دوست اعلیٰ کی ملاقات کا ہے۔ الہامات یا کشوف وغیرہ خبروں کے سہارے والا ایمان، ایمان کامل نہیں۔ وہ کمزور ایمان ہے جو کسی چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ انسان کی غرض اور اصل مدعا صرف رضاء الٰہی اور وصول الی اللہ چاہیئے۔ آگے جب یہ اس کی رضا حاصل کر لے گا تو خدا تعالےٰ اس کو کیا کچھ نہ دیگا۔ خود اس امر کی درخواست کرنا سُوءِ ادب ہے۔

دیکھو اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

یحببکم اللہ[1]۔ خدا کے محبوب بننے کیواسطے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ایک راہ ہے اور کوئی دوسری راہ نہیں کہ تم کو خدا سے ملا دے۔ انسان کا مدعا صرف اس ایک واحد لاشریک خدا کی تلاش ہونا چاہیئے۔ شرک اور بدعت سے اجتناب کرنا چاہیئے رسوم کا تابع اور ہوا و ہوس کا مطیع نہ بننا چاہیئے۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی راہ کے سوا اور کسی طرح انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہمارا صرف ایک ہی رسُولؐ اور ایک ہی کتاب ہے

ہمارا صرف ایک ہی رسول ہے اور صرف ایک ہی قرآن شریف اس رسُول پر نازل ہوا ہی جس کی تابعداری سے ہم خدا کو پا سکتے ہیں۔ آج کل فقرار کے نکالے ہوئے طریقے اور گدی نشینوں اور سجادہ نشینوں کی سیفیاں اور دعائیں اور درود اور وظائف یہ سب انسان کو مستقیم راہ سے بھٹکانے کا آلہ ہیں۔ سو تم اُن سے پرہیز کرو۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی مہر کو توڑنا چاہا گویا اپنی الگ ایک شریعت بنا لی ہے۔ تم یاد رکھو کہ قرآن شریف اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پیروی اور نماز روزہ وغیرہ جو مسنون طریقے ہیں ان کے سوا خدا کے فضل اور برکات کے دروازے کھولنے کی اور کوئی کُنجی ہے ہی نہیں۔ بھُولا ہوا ہے وہ جو اِن راہوں کو چھوڑ کر کوئی نئی راہ نکالتا ہے۔ ناکام مرے گا وہ جو اللہ اور اس کے رسُول کے فرمودہ کا تابعدار نہیں۔ بلکہ اَور اَور راہوں سے اُسے تلاش کرتا ہے۔

صغیرہ کبیرہ، اندرُونی بیرونی ہر قسم کے گُناہوں سے بچو

دیکھو گناہ کبیرہ بھی ہیں اُن کو تو ہر ایک جانتا ہے اور اپنی طاقت کے موافق نیک انسان اُن سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے مگر تم تمام گناہوں سے کیا کبائر اور کیا صغائر سب سے بچو۔ کیونکہ گناہ ایک زہر ہے جس کے استعمال سے زندہ رہنا محال ہے۔ گناہ ایک آگ ہے جو رُوحانی قوی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ پس تم ہر قسم کے کیا صغیرہ کیا کبیرہ سب

[1] آل عمران : ۳۲

اندرونی بیرونی گناہوں سے بچو۔ آنکھ کے گناہوں سے، ہاتھ کے گناہوں سے، کان ناک اور زبان اور شرمگاہ کے گناہوں سے بچو۔ غرض ہر عضو کے گناہ کے زہر سے بچتے رہو اور پرہیز کرتے رہو۔

نماز گناہوں سے بچنے کا آلہ ہے

نماز بھی گناہوں سے بچنے کا ایک آلہ ہے۔ نماز کی یہ صفت ہے کہ انسان کو گناہ اور بدکاری سے ہٹا دیتی ہے۔ سو تم ویسی نماز کی تلاش کرو اور اپنی نماز کو ایسی بنانے کی کوشش کرو۔ نماز نعمتوں کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیض اسی نماز کے ذریعہ سے آتے ہیں سو اُس کو سنوار کر ادا کرو۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کے وارث بنو۔

ہم قتل کرنے کیلئے نہیں بلکہ مقتولوں اور مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے آئے ہیں

یہ بھی یاد رکھو ہمارا طریق نرمی ہے۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ اپنے مخالفوں کے مقابل پر نرمی سے کام لیا کرے تمہاری آواز تمہارے مقابل کی آواز سے بلند نہ ہو۔ اپنی آواز اور لہجہ کو ایسا بناؤ کہ کسی دل کو تمہاری آواز سے صدمہ نہ ہو۔ ہم قتل اور جہاد کے واسطے نہیں آئے بلکہ ہم تو مقتولوں اور مُردہ دلوں کو زندہ کرنے اور اُن میں زندگی کی رُوح پھونکنے کو آئے ہیں۔ تلوار سے ہمارا کاروبار نہیں نہ یہ ہماری ترقی کا ذریعہ ہے ہمارا مقصد نرمی سے ہے۔ اور نرمی سے اپنے مقاصد کی تبلیغ ہے۔ غلام کو وہی کرنا چاہیئے جو اس کا آقا اس کو حکم کرے۔ جب خدا نے ہمیں نرمی کی تعلیم دی ہے۔ تو ہم کیوں سختی کریں۔ ثواب تو فرماں برداری میں ہوتا ہے اور دین تو سچی اطاعت کا نام ہے نہ یہ کہ اپنے نفس اور ہوا و ہوس کی تابعداری سے جوش دکھاویں۔

مغلوب الغضب کند ذہن بے عقل کند فہم اور غلبہ و نصرت سے محروم ہوتا ہے

یاد رکھو جو شخص سختی کرتا اور غضب میں آجاتا ہے اس کی زبان سے معارف اور حکمت کی باتیں ہرگز نہیں نکل سکتیں۔ وہ دل حکمت کی باتوں سے محروم کیا جاتا ہے جو اپنے مقابل کے سامنے

جلدی طیش میں آکر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ گندہ دہن اور بے لگام کے ہونٹ لطائف کے چشمہ سے بے نصیب اور محروم کئے جاتے ہیں۔ غضب اور حکمت دونو جمع نہیں ہو سکتے جو مغلوب الغضب ہوتا ہے اس کی عقل موٹی اور فہم کند ہوتا ہے۔ اس کو کبھی کسی میدان میں غلبہ اور نصرت نہیں دیئے جاتے۔ غضب نصف جنون ہے جب یہ زیادہ بھڑکتا ہے تو پُورا جنون ہو سکتا ہے۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کل ناکردنی افعال سے دُور رہا کریں۔ وہ شاخ جو اپنے تنے اور درخت سے سچا تعلق نہیں رکھتی وہ بے پھل رہ جاتی ہے۔ سو دیکھو اگر تم لوگ ہمارے اصل مقصد کو نہ سمجھو گے اور شرائط پر کاربند نہ ہو گے تو اُن وعدوں کے وارث تم کیسے بن سکتے ہو جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دیئے ہیں

اپنا عمل در آمد جادلھم بالّتی ھی احسن کیموافق رکھو

جسے نصیحت کرنی ہو اسے زبان سے کرو۔ ایک ہی بات ہوتی ہے وہ ایک پیرایہ میں ادا کرنے سے ایک شخص کو دشمن بنا سکتی ہے اور دوسرے پیرایہ میں دوست بنا دیتی ہے۔ پس جادلھم بالّتی ھی احسن[1] کے موافق اپنا عمل در آمد رکھو۔ اسی طرز کلام ہی کا نام خدا نے حکمت رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے یوتی الحکمۃ من یشاء[2] مگر یاد رکھو جیسی یہ باتیں حرام ہیں ویسے ہی نفاق بھی حرام ہے۔

پیرایۂ کلام نفاق کے مشابہ نہ ہو

اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ کہیں پیرایہ ایسا نہ ہو جاوے کہ اس کا رنگ نفاق سے مشابہ ہو۔ موقعہ کے موافق ایسی کارروائی کرو جس سے اصلاح ہوتی ہو۔ تمہاری نرمی ایسی نہ ہو کہ نفاق بن جاوے اور تمہارا غضب ایسا نہ ہو کہ بارُود کی طرح جب آگ لگے تو ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔ بعض لوگ تو غصہ سے سودائی ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی سر میں پتھر مار لیتے ہیں۔ اگر ہمیں کوئی گالی دیتا ہے تب بھی صبر کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب

[1] النحل : ۱۲۶ [2] البقرۃ : ۲۷۰

کسی کے پیرو مرشد کو گالیاں دی جاویں یا اس کے رسول کو ہتک آمیز کلمے کہے جاویں تو کیسا جوش ہوتا ہے۔ مگر تم صبر کرو اور حلم سے کلام کرو۔

جماعت کیلئے اہم تربیتی نصائح

ایسا نہ ہو کہ تمہارا اس وقت کا غصہ کوئی خرابی پیدا کر دے جس سے سارا سلسلہ بدنام ہو یا کوئی مقدمہ بنے جس سے سب کو تشویش ہو۔ سب نبیوں کو گالیاں دی گئی ہیں۔ یہ انبیاءٗ کا ورثہ ہے۔ ہم اس سے کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ ایسے بن جاؤ کہ گویا مسلوب الغضب ہو تم کو گویا غضب کے قوی ہی نہیں دیئے گئے۔

دیکھو اگر کچھ بھی تاریکی کا حصّہ ہے تو نُور نہیں آئے گا۔ نور اور ظلمت جمع نہیں ہو سکتے۔ جب نُور آ جائے گا تو ظُلمت نہیں رہے گی۔ تم اپنے سارے ہی قویٰ کو پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دو جو جو کمی کسی قوت میں ہو اُسے اس پان والے کی طرح جو گندے پان تلاش کر کے پھینک دیتا ہے اپنی گندی عادات کو نکال پھینکو اور سارے اعضاء کی اصلاح کر لو۔ یہ نہ ہو کہ نیکی کرو اور نیکی میں بدی ملا دو۔ توبہ کرتے رہو۔ استغفار کرو۔ دعا سے ہر وقت کام لو۔

اولیاء اللہ کے صفات

ولی کیا ہوتے ہیں۔ یہی صفات تو اولیاء کے ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھ۔ ہاتھ پاؤں غرض کوئی عضو ہو۔ منشاء الٰہی کے خلاف حرکت نہیں کرتے۔ خدا کی عظمت کا بوجھ ان پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی زیارت کے بغیر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتے پس تم بھی کوشش کرو۔ خدا بخیل نہیں۔ ؎

ہر کہ عارف تر است ترساں تر

دربار شام

قرآن شریف کی ایک برکت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ میری زبان قرآن شریف اچھی طرح ادا کرنے لگے۔ قرآن شریف ادا کرنے کے قابل نہیں اور چلتی نہیں۔ میری زبان کھُل جاوے۔ فرمایا کہ

تم صبر سے قرآن شریف پڑھتے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو کھول دے گا۔ قرآن شریف میں یہ ایک برکت ہے کہ اس سے انسان کا ذہن صاف ہوتا ہے اور زبان کھُل جاتی ہے۔ بلکہ اطباء بھی اس بیماری کا اکثر یہ علاج بتایا کرتے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۷ تا ۹ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۲۲ فروری ۱۹۰۳ء

کچھ حصہ رات کو آرام ضرور کرنا چاہیئے

ایک مخلص کی بدخوابی کے تذکرہ پر فرمایا:۔

دیکھو قرآن شریف سورۂ مزمل میں صاف تاکید ہے کہ انسان کو کچھ حصہ رات آرام بھی کرنا چاہیئے۔ اس سے دن بھر کی کوفت اور تکان دور ہو کر قویٰ کو اپنا خرچ شدہ مادہ بہم پہنچانے کا وقفہ مل جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یعنی سنت بھی اسی کے مطابق ثابت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اصلی و انوم

اصل میں انسان کی مثال ایک گھوڑے کی سی ہے۔ اگر ہم ایک گھوڑے سے ایک دن اس کی طاقت سے زیادہ کام لیں اور اُسے آرام کرنے کا وقفہ ہی نہ دیں تو بہت قریب ایسا وقت ہوگا کہ ہم اس کے وجود کو ہی ضائع کر کے تھوڑے سے فائدہ سے بھی محروم ہو جائینگے نفس کو گھوڑے سے مناسبت بھی ہے۔

۱۷-۱۸

بہترین وظیفہ

سیالکوٹ کے ضلع کا ایک نمبردار تھا۔ اس نے بیعت کرنے کے بعد پوچھا کہ حضور اپنی زبان مبارک سے کوئی وظیفہ بتادیں۔

فرمایا کہ نمازوں کو سنوار کر پڑھو کیونکہ ساری مشکلات کی یہی کنجی ہے اور اسی میں ساری لذات اور خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ صدق دل سے روزے رکھو۔ صدقہ و خیرات کرو۔ درود و استغفار پڑھا کرو۔ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو۔ ہمسایوں سے مہربانی سے پیش آؤ۔ بنی نوع بلکہ حیوانوں پر بھی رحم کرو۔ ان پر بھی ظلم نہ چاہیئے۔ خدا سے ہر وقت حفاظت چاہتے رہو کیونکہ ناپاک اور نامراد ہے وہ دل جو ہر وقت خدا کے آستانہ پر نہیں گرا رہتا وہ محروم کیا جاتا ہے۔ دیکھو اگر خدا ہی حفاظت نہ کرے تو انسان کا ایک دم گذارہ نہیں۔ زمین کے نیچے سے لے کر آسمان کے اوپر تک کا ہر طبقہ اس کے دشمنوں کا بھرا ہوا ہے۔ اگر اسی کی حفاظت شامل حال نہ ہو تو کیا ہو سکتا ہے۔ دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ ہدایت پر کاربند رکھے۔ کیونکہ اس کے ارادے دو ہی ہیں۔ گمراہ کرنا اور ہدایت دینا جیسا کہ فرماتا ہے یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً[1]۔ پس جب اس کے ارادے گمراہ کرنے پر بھی ہیں تو ہر وقت دعا کرنی چاہیئے کہ وہ گمراہی سے بچاوے اور ہدایت کی توفیق دے۔ نرم مزاج ہو کیونکہ جو نرم مزاجی اختیار کرتا ہے خدا بھی اس سے نرم معاملہ کرتا ہے۔ اصل میں نیک انسان تو اپنا پاؤں بھی زمین پر پھونک پھونک کر احتیاط سے رکھتا ہے تا کسی کیڑے کو بھی اس سے تکلیف نہ ہو۔ غرض اپنے ہاتھ سے، پاؤں سے، آنکھ وغیرہ اعضاء سے کسی کو کسی نوع کی تکلیف نہ پہنچاؤ اور دعائیں مانگتے رہو۔

اسلام میں چار بیویاں رکھنے پر اعتراض اور اس کا جواب

مرزا خدا بخش صاحب مالیر کوٹلہ سے تشریف لائے تھے ان سے وہاں کے جلسہ کے

[1] البقرۃ : ۲۷

حالات دریافت فرماتے رہے۔ انہوں نے سُنایا کہ ایک شخص نے یوں اعتراض
کیا کہ اسلام میں جو چار بیویاں رکھنے کا حکم ہے یہ بہت خراب ہے اور ساری
بداخلاقیوں کا سرچشمہ ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

چار بیویاں رکھنے کا حکم تو نہیں دیا بلکہ اجازت دی ہے کہ چار تک رکھ سکتا ہے۔ اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ چار ہی کو گلے کا ڈھول بنالے۔ قرآن کا منشاء تو یہ ہے کہ چونکہ انسانی ضروریات مختلف ہوتی ہیں اس واسطے ایک سے لیکر چار تک کی اجازت دے دی ہے۔ ایسے لوگ جو ایک اعتراض کو اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں اور پھر وہ خود اسلام کا دعویٰ بھی کرتے ہیں میں نہیں جانتا کہ ان کا ایمان کیسے قائم رہ جاتا ہے۔ وہ تو اسلام کے معترض ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک مقنّن کو قانون بناتے وقت کن کن باتوں کا لحاظ ہوتا ہے۔ بھلا اگر ایک شخص کی بیوی ہے اُسے جذام ہو گیا ہے یا آتشک میں مبتلا ہے یا اندھی ہو گئی ہے یا اس قابل ہی نہیں کہ اولاد اس سے حاصل ہو سکے وغیرہ وغیرہ عوارض میں مبتلا ہو جاوے تو اس حالت میں اب اس خاوند کو کیا کرنا چاہیئے کیا اسی بیوی پر قناعت کرے؟ ایسی مشکلات کے وقت وہ کیا تدبیر پیش کرتے ہیں۔ یا بھلا اگر وہ کسی قسم کی بدمعاشی زنا وغیرہ میں مبتلا ہو گئی تو کیا اب اس خاوند کی غیرت تقاضا کرے گی کہ اُسی کو اپنی پرعصمت بیوی کا خطاب دے رکھے؟ خدا جانے یہ اسلام پر اعتراض کرتے وقت اندھے کیوں ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مذہب ہی کیا ہے جو انسانی ضروریات کو ہی پورا نہیں کر سکتا۔ اب ان مذکورہ حالتوں میں عیسویت کیا تدبیر بتاتی ہے؟

قرآن کریم ہر انسانی ضرورت کیلئے قانون پیش کرتا ہے

قرآن شریف کی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ انسانی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا پہلے سے ہی اس نے قانون نہ بنا دیا ہو۔ اب تو انگلستان میں بھی ایسی مشکلات کی وجہ سے

کثرت ازدواج اور طلاق شروع ہوتی جاتی ہے۔ ابھی ایک لارڈ کی بابت لکھا تھا کہ اُس نے دوسری بیوی کرلی آخر اُسے سزا بھی ہوئی مگر وہ امریکہ میں جارہا۔

غور سے دیکھو کہ انسان کے واسطے ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں یا نہیں کہ یہ ایک سے زیادہ بیویاں کرلے جب ایسی ضرورتیں ہوں اور ان کا علاج نہ ہو تو یہی نقص ہے جس کے پورا کرنے کو قرآن شریف جیسی اتم اکمل کتاب بھیجی ہے۔

شراب اور شراب کے بسکٹ

اسی اثنا میں شراب کا ذکر شروع ہوگیا۔ کسی نے کہا کہ اب تو حضور شراب کے بسکٹ بھی ایجاد ہوئے ہیں۔ فرمایا

شراب تو انتہائی شرم۔ حیا۔ عفت۔ عصمت کی جانی دشمن ہے۔ انسانی شرافت کو ایسا کھو دیتی ہے کہ جیسے کتے۔ بلّے۔ گدھے ہوتے ہیں۔ اس کا پیکر بالکل انہی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر بسکٹ کی بلا دنیا میں پھیلی تو ہزاروں ناکردہ گناہ بھی اُن میں شامل ہو جایا کریں گے۔ پہلے تو بعض کو شرم و حیا ہی روک دیتی تھی اب بسکٹ لئے اور جیب میں ڈال لئے۔ بات یہ ہے کہ دجّال نے تو اپنی کوششوں میں تو کمی نہیں رکھی کہ دنیا کو فسق و فجور سے بھر دے مگر آگے خدا کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کرے۔ اسلام کی کیسی عظمت معلوم ہوتی ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اسلام پر کوئی اعتراض کیا۔ اس سے شراب کی بدبو آئی۔ اس کو حد مارنے کا حکم دیا گیا کہ شراب پی کر اسلام پر اعتراض کیا۔ مگر اب تو کچھ حد و حساب نہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ زنا کرتے ہیں غرض کوئی بدی نہیں جو نہ کرتے ہوں مگر بایں ہمہ پھر اسلام پر اعتراض کرنے کو تیار ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۴-۱۵ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۳ء)

۲۳ فروری ۱۹۰۳ء

(ظہر سے پہلے)

مسلمان قوم رذائل میں یہود کے نقش قدم پر

فرمایا:-

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فضائل میں اس قوم اسلام کو امت موسیٰؑ کا مثیل بنایا ہے ایسے ہی رذائل بھی کل وہ اس قوم میں جمع ہیں جو اُن میں پائے جاتے تھے۔ یہ قوم تو یہود کے نقش قدم پر ایسی چلی ہے جیسے کوئی اپنے آقا و مولیٰ مطاع رسول کی پیروی کرتا ہے یہود کے واسطے قرآن شریف میں حکم تھا کہ وہ دو دفعہ فساد کریں گے اور پھر اُن کی سزا دہی کے واسطے اللہ تعالیٰ اپنے بندے ان پر مسلط کرے گا چنانچہ بخت نصر اور طیطوس دونوں نے ان لوگوں کو بُری طرح ہلاک کیا اور تباہ کیا۔ اس کی مماثلت کے لئے اس قوم میں نمونہ موجود ہے کہ جب یہ فسق و فجور میں حد سے نکلنے لگے اور خدا کے احکام کی ہتک اور شعائر اللہ سے نفرت ان میں آگئی اور دنیا اور اس کی زیب و زینت میں ہی گُم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح ہلاکو چنگیز خاں وغیرہ سے برباد کرایا۔ لکھا ہے کہ اس وقت یہ آسمان سے آواز آتی تھی ایھا الکفار اقتلوا الفجار۔ غرض فاسق فاجر انسان خدا کی نظر میں کافر سے بھی ذلیل اور قابلِ نفرین ہے۔ اگر کوئی کتاب قرآن شریف کے بعد نازل ہونے والی ہوتی تو ضرور ان لوگوں کے نام بھی اسی طرح عباداً لنا میں داخل کئے جاتے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آخر کار بخت نصر یا اس کی اولاد بُت وغیرہ سے باز آ کر واحد خدا پہ ایمان لائی ہے۔ اسی طرح ادھر بھی چنگیز خاں کی اولاد مسلمان ہو گئی۔ غرض خدا نے مماثلت میں حذو النعل بالنعل والاصاف معاطہ کر کے دکھا دیا ہے۔

ہماری گورنمنٹ

بعض بادشاہوں کی معدلت گستری کے متعلق ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ

ہماری گورنمنٹ ہم نے اُسے غور سے دیکھا ہے کہ نازک معاملات میں بھی بلاتحقیق کے کوئی کارگذاری نہیں کرتی۔ بغاوت جیسے خطرناک معاملات میں تو بلاتحقیق اور فرد جرم اور ثبوت کے سوا گرفت نہیں کی جاتی۔ تو دوسرے معاملات میں بھلا کہاں ایسا کرنے لگی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اور حکام وقت ہیں کہ اُن کے نزدیک انسان تو گاجر مولی کی طرح بنے ہوئے ہیں۔ کسی نے شکایت کی بس پکڑا اور قتل کر دیا۔ کوئی ضرورت نہیں کہ ثبوت کافی بہم پہنچایا جاوے یا کوئی لمبی تحقیقات کی جاوے۔ دیکھئے ہمارا مقدمہ پادری والا بھی تو ایک بغاوت کے ہی رنگ میں تھا کیونکہ ایک پادری نے جو اُن کے مذہب کا لیڈر اور گرو مانا جاتا تھا اس نے ظاہر کیا تھا کہ گویا ہم نے اس کے قتل کا منصوبہ کیا ہے اور پھر اس پر بڑے بڑے اور پادریوں کی سفارشیں بھی تھیں مگر بلاتحقیق کے ایک قدم بھی نہ اُٹھایا گیا اور آخرکار قوم کی پروانہ کر کے ہمیں بری کیا گیا۔ غرض یہ بھی ہم پر خدا کا ایک فضل ہے کہ ایسی عادل گورنمنٹ کے ماتحت ہیں۔

(دربار شام)

امریکہ کے ایک انگریز کا اشتہار سُنایا گیا جس میں اس نے لکھا ہے۔ کہ مسیح کی دوبارہ آمد کا وقت یہی وقت ہے۔ وہ کل نشانات پورے ہو گئے جو آمد ثانی کے پیش خیمہ تھے اور اُس نے اس بیان کو بڑے بشپوں اور فلاسفروں کی شہادتوں سے قوی کیا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اصل میں ان کی یہ بات کہ مسیح کی آمد ثانی کا وقت یہی ہے اور اس کے آنے کے تمام نشانات پُورے ہو گئے ہیں بالکل ہمارے منشاء کے مطابق ہے اور راستی بھی اس میں ہے۔ اُن کی وہ بات جو حق ہو اور جہانتک وہ راستی کی حمایت میں ہو اُسے رد نہ کرنا چاہیئے یہ لوگ ایک طرح سے ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ اس ملک میں جہاں ہماری تبلیغ بڑی محنت

اور صرف کثیر سے بھی پوری طرح سے کماحقہ نہیں پہنچ سکتی۔ وہاں یہ ہماری اس خدمت کو مفت اچھی طرح سے پورا کر رہے ہیں۔ انہوں نے وقت کی تشخیص تو بالکل راست کی ہے مگر نتائج نکالنے میں سخت غلطی کرتے ہیں جو آنیوالے کی انتظار آسمان سے کرتے ہیں۔

ہر نبی کے ساتھ کوئی نہ کوئی جھوٹا نبی بھی آتا ہے

اب آئے دن سُنا جاتا ہے کہ کسی نے دعویٰ کیا ہے کہ میں ہی مسیح ہوں جو آنے والا تھا یا میں مہدی ہوں جس کا انتظار کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ ہمارے لئے مضر نہیں ہیں یہ تو بلکہ ہماری صداقت کو اور بھی دوبالا کر کے دکھاتا ہے کیونکہ مقابلہ کے سوا کسی کی بھلائی یا بُرائی کا پُورا اظہار نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے اور چند روز پانی اور جھاگ والا معاملہ کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتے یا پاگل خانہ کی سیر کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ یہ ہماری صداقت پر مُہر ہیں۔ ہر نبی کے ساتھ کوئی نہ کوئی جھوٹا نبی بھی آتا ہے چنانچہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں چار شخص ایسے تھے۔ اسی طرح اس زمانہ کے لئے بھی لکھا تھا کہ بہت سے جھُوٹے نبی آویں گے۔ سو یہ لوگ خود ہی اس پیشگوئی کو پُورا کرتے ہیں۔ بھلا کوئی بتادے کہ وہ مہدی سوڈانی اب کہاں ہے؟ یا پیرس کا مسیح کیا ہوا؟ انجام نیک صرف صادق ہی کا ہوتا ہے۔ سارے جھوٹے اور مصنوعی آخر تھک کر رہ جاتے یا ہلاک ہو جاتے ہیں اور جھوٹ کے انجام کا پتہ دوسروں کے لئے بطور عبرت کے چھوڑ جاتے ہیں۔

۶ر مارچ لیکھرام کے قتل کا دن

لاہور کے آریہ پتر کا نے لکھا ہے کہ ہمارا شہید مارچ کی ۶ر کو ایک بزدل مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس دن کی یادگار قائم کرنی چاہیئے کہ وہ دن بڑا متبرک جاننا چاہیئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:-

اصل میں ہمارے یہاں کے آریہ بھول گئے ان کو بھی چاہیئے تھا کہ ۶؍ مارچ کا دن جلسہ کے واسطے مقرر کرتے اور ان لوگوں کو تخصوصیت سے اس دن کی تعظیم کرنی چاہیئے کیونکہ لیکھرام اصل میں اس جگہ سے یہ تبرکات لے گیا تھا۔

تمباکو نوشی کے متعلق حضرت اقدسؑ کا ارشاد

ایک شخص نے امریکہ سے تمباکو نوشی کے متعلق اس کے بہت سے مجرب نقصان ظاہر کرتے اشتہار دیا۔ اس کو آپ نے سُنا۔ فرمایا کہ

اصل میں ہم اس لیئے اسے سنتے ہیں کہ اکثر نوعمر لڑکے، نوجوان تعلیمیافتہ بطور فیشن ہی کے اس بلا میں گرفتار و مبتلا ہو جاتے ہیں تا وہ ان باتوں کو سُنکر اس مضر چیز کے نقصانات سے بچیں۔

فرمایا۔ اصل میں تمباکو ایک دھوُاں ہوتا ہے جو اندرونی اعضا کے واسطے مضر ہے اسلام لغو کاموں سے منع کرتا ہے اور اس میں نقصان ہی ہوتا ہے۔ لہذا اس سے پرہیز ہی اچھا ہے۔

پیشگوئیاں ہستی باریتعالیٰ کے متعلق سچا علم اور معرفت بخشتی ہیں

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت جس طرح سے پیشگوئی دلاتی ہے ایسا اور کوئی سچا علم نہیں معرفت کو زیادہ کرنے کا صرف یہی ایک طریق ہے۔ ہماری نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں فرمایا ہے کہ تیری صداقت کو پیشگوئی کے ذریعہ سے ظاہر کر دوں گا۔

دیانند اور نیوگ

مجھے ایک دفعہ یہ خیال آیا کہ کیا وجہ تھی کہ دیانند نے بیحیائی اور بے غیرتی کا مسئلہ

نکالا جسے کوئی شریف آریہ بھی بطیب خاطر پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا نام سُن کر گردن نیچی کر لیتا ہے اور چاہ ندامت میں غرق ہوجاتا ہے تو میری سمجھ میں آیا کہ چونکہ وہ شخص بغیر بیوی کے تھا اس واسطے وہ سارے اخلاق جو بیوی کے ہونے سے وابستہ ہیں ان سب سے وہ محروم تھا۔ غیرت اور حمیت بھی ایک بیوی والے شخص کا ہی حصہ ہے۔ چونکہ وہ بیوی سے محروم تھا اس واسطے وہ نیوگ کی خرابی کو محسوس نہیں کرسکا اور نہ سمجھا کہ اس طرح سے میں ہزاروں شریف لوگوں کے گلے پر چھُری پھیرتا ہوں۔ یہی وجہ تھی ورنہ اگر اس کے عیال ہوتے وہ ہرگز ایسی بےعزتی کو روا نہ رکھتا اب بھی بہت سے شریف آریہ ہیں جو اسے گلے پڑا ڈھول سمجھ کر ہی صرف زبان سے مان لیتے ہیں ورنہ عملدرآمد بہت کم ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۱۵-۱۶ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۳ء)

۲۷ر فروری ۱۹۰۳ء

(قبل از عصر)

مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور اردو کتابوں کا تو کبھی بھی پروف نہیں آتا۔ فرمایا

اُردو میں پنجابی الفاظ استعمال کرنے پر اعتراض کا جواب

اردو کیا بھیجنا ہوتا ہے وہ تو صاف ہوتا ہے۔ ہاں بعض نادان آشنا اکثر اعتراض کردیا کرتے ہیں کہ اُردو میں پنجابی ملا دیتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ ایک شخص نے میری طرف سے کسی ایسے ہی معترض کو جواب دیا کہ تم انصاف کرو کہ اگر وہ اردو میں پنجابی کے الفاظ ملا دیتے ہیں تو غضب کیا ہوا؟ ان کی ملکی اور مادری زبان ہے اس کا کیا حق نہیں؟ جب وہ انگریزی یا عربی اور دوسرے کی زبان کا کوئی لفظ اُردو میں ملاتے ہیں تو تم اعتراض نہیں کرتے مگر جب کوئی پنجابی کا لفظ مل جاوے تو اعتراض کرتے ہو۔ شرم تو کرو۔ اگر تعصب نہیں تو کیا ہے؟

(دربار شام)

ایک شخص نے خط لکھا تھا کہ حضور مجھے کرایہ بھیجا جاوے۔ میں حاضر خدمت ہوں گا۔ فرمایا

من جاب المجاب حلت بہ الندامۃ۔ ہم نے بار بار ایسے لوگوں کا تجربہ کر لیا ہے کہ ان میں اخلاص اور نیک نیتی نہیں ہوتی تو کیا ضرورت ہے کہ اس طرح میرا روپیہ ضائع کیا جائے۔ وہی روپیہ دینی کام میں خرچ ہو گا۔ کیا ایسا شخص جو معترض ہے وہ ہمارے حافظ معین الدین سے بھی گیا گذرا ہے؟ یہ بھی ہمیں قریباً پندرہ یا بیس روپے دے چکا ہے کبھی دو آنے اور کبھی ایک آنہ ماہوار دیتا ہے تو ایسے بیکس شخص جب لنگر اور دیگر اخراجات کے واسطے کچھ دے سکتے ہیں تو وہ شخص کیوں اپنا بوجھ نہیں سنبھال سکتا؟ اور شریعت نے تو بوجھ بھی نہیں ڈالا۔ حج کی توفیق نہ ہو تو حج بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس جگہ بھی گھر بیٹھے بٹھائے بیعت ہو سکتی ہے صرف ایک پیسہ کا کارڈ صرف ہوتا ہے۔

الٰہی فیضان کے حصول کا وقت رات ہی ہے

فرمایا:۔

میں نہیں سمجھتا کہ رات اور دن میں فرق ہی کیا ہے۔ صرف نور اور ظلمت کا فرق ہے سو وہ نور تو مصنوعی بھی بن سکتا ہے بلکہ رات میں تو یہ ایک برکت ہے۔ خدا نے بھی اپنے فیضان عطا کرنے کا وقت رات ہی رکھا ہے چنانچہ تہجد کا حکم رات کو ہے۔ رات میں دوسری طرفوں سے فراغت اور کشمکش سے بے فکری ہوتی ہے۔ اچھی طرح دلجمعی سے کام ہو سکتا ہے رات کو مردہ کی طرح پڑے رہنا اور سونے سے کیا حاصل؟

اپنی ہر شئے خدا کے دین کی خدمت میں خرچ کرنا خوش قسمتی ہے

اگر ہو سکے تو دین کی خدمت کرنی چاہیئے۔ اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہے کہ

انسان کا وقت ، وجود ، قویٰ ، مال ، جان خدا کے دین کی خدمت میں خرچ ہو۔ ہمیں تو صرف مرض کے دورہ کا اندیشہ ہوتا ہے ورنہ دل یہی کرتا ہے کہ ساری ساری رات کٹے جاویں ہماری تو قریباً تمام کتابیں امراض و عوارض میں ہی لکھی گئی ہیں۔ ازالہ اوہام کے وقت میں بھی ہم کو خارش تھی۔ قریباً ایک برس تک وہ مرض رہا تھا۔

منشی اشیاء کا استعمال عُمر کو بہت گھٹا دیتا ہے

الحمد للہ کیا ہی عمدہ قرآنی تعلیم ہے کہ انسان کی عمر کو خبیث اور مُضر اشیاء کے ضرر سے بچا لیا۔ یہ منشی چیزیں شراب وغیرہ انسان کی عمر کو بہت گھٹا دیتی ہیں۔ اس کی قوت کو برباد کر دیتی ہیں اور بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہیں۔ یہ قرآنی تعلیم کا احسان ہے کہ کروڑوں مخلوق ان گناہ کے امراض سے بچ گئی جو ان نشہ کی چیزوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

قادیان کے آریہ سماج کے جلسہ پر جو آریہ آئے تو ان کی گندہ دہنیوں اور گالی گلوچ کا کسی نے حضرت اقدس کی خدمت میں ذکر کیا۔ فرمایا کہ

زبان کی بیباکی سچے تقویٰ سے محرومی کی دلیل ہے

انسانی زبان کی چھری تو رُک سکتی ہی نہیں جب خدا کا خوف کسی دل میں نہ ہو انسانی زبان کی بے باکی اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا دل سچے تقویٰ سے محروم ہے۔ زبان کی تہذیب کا ذریعہ صرف خوفِ الٰہی اور سچا تقویٰ ہے۔ ان کی گالیوں پر ہمیں کیا افسوس ہو۔ انہوں نے تو نہ خدا کو سمجھا اور نہ حق العباد کو۔ ان کو خبر ہی نہیں کہ زبان کس چیز سے رُکتی ہے

تمام قوت اور توفیق خدا ہی کو ہے اور اس کی عنایت اور نصرت سے ہی انسان کچھ لکھ پڑھ سکتا ہے۔ شاید اس کتاب کے خاتمہ کے لکھے جانے سے اس قوم کی قوت ہمت اور دلائل کا خاتمہ ہو جاوے۔

صادق اور راستباز کی مخالفت کا راز

میں نے کل سوچا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ جب کوئی صادق خدا کی طرف سے آتا ہے تو اس کو لوگ کتوں کی طرح کاٹنے کو دوڑتے ہیں اس کی جان۔ اس کا مال، اس کی عزت وآبرو کے درپے ہو جاتے ہیں۔ مقدمات میں اس کو کھینچتے ہیں۔ گورنمنٹ کو اس سے بدظن کرتے ہیں۔ غرض ہر طرح سے جس طرح ان سے بن پڑتا ہے اور تکلیف پہنچا سکتے ہیں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ ہر پہلو سے اس کے استیصال کرنے پر آمادہ اور ہر ایک کمان سے اس پر تیر مارنے کو کمربستہ ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ذبح کر دیں۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے قیمہ کر دیں۔ ادھر تو یہ جوش اٹھتا ہے مگر دوسری طرف اس کے پاس ہزار در ہزار لوگ آتے ہیں۔ . . . .

. . . شرک اور بدعت میں مبتلا ہوتے ہیں اور حق اللہ۔ انسان کو دیا جاتا ہے۔ مگر ان میں مولویوں کو اس امر کی پروا نہیں ہوتی۔ ہزاروں کنجر اور لنگوٹی پوش فقیر بنتے اور خلق اللہ کو گمراہ کرتے ہیں مگر ان لوگوں کو قتل اور کفر کا فتویٰ کوئی نہیں دیتا۔ ان کی ہر حرکت بدعت اور شرک سے پر ہوتی ہے۔ ان کا کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو سراسر اسلام کے خلاف نہ ہو مگر ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ ان کے لئے کسی دل میں جوش نہیں اٹھتا۔ غرض اس میں سوچتا تھا کہ کیا حکمت ہے تو میری سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔ کہ صادق کا ایک معجزہ ظاہر کرے کہ باوجود اس قسم کی ممانعت کے اور دشمن کے تیروتبر کے چلانے کے صادق بچایا جاتا اور اس کی روز افزوں ترقی کی جاتی ہے۔ خدا کا ہاتھ اسے بچاتا اور اس کو شاداب و سرسبز کرتا ہے۔ خدا کی غیرت نہیں چاہتی کہ کاذب کو بھی اس معجزہ میں شریک کرے۔ اسی واسطے اس کی طرف سے دنیا کے دلوں کو بے پروا کر دیتا ہے۔ گویا اس جھوٹے کی کسی کو پروا نہیں ہوتی۔ اس کا وجود دلوں کو تحریک نہیں دے سکتا۔ مگر برخلاف اس کے صادق کا وجود تباہ ہونے والے دلوں کو بےقرار اور

بیچین کر کے ایک رنگ میں ایک طرح سے خبر دیتا ہے اور اُن کے دل بیقرار ہوتے ہیں۔ کیونکہ دل اندر ہی اندر جانتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا کاروبار تباہ کرنے آیا ہے۔ اس واسطے نہایت اضطراب کی وجہ سے اس کے ہلاک کرنے کو اپنے تمام ہتھیاروں سے دوڑتے ہیں مگر اس کا خدا خود محافظ ہوتا ہے۔ خدا اس کے واسطے طاعون کی طرح واعظ بھیجتا اور اس کے دشمنوں کے واعظوں پر اسے غلبہ دیتا ہے۔ وہ خدا کے واعظ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب دیکھئے کہ اتنے لوگ جو ہر جمعہ کو جن کی نوبت اکثر پچاس ساٹھ تک پہنچ جاتی ہے اُن کو کون بیعت کے لئے لاتا ہے؟ یہی طاعون کا ڈنڈا ہے جو اُن کو ڈرا کر ہماری طرف لے آتا ہے ورنہ کب جاگنے والے تھے اسی فرشتہ نے اُن کو جگایا ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۲۸ر فروری ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

چند آریہ صاحبان حضور کی مجلس میں

دربار شام میں آریہ لوگوں میں سے چند لوگ حضرت اقدس کی زیارت کیواسطے آئے۔ حضرت نے پوچھا آپ بھی اس جلسہ کی تقریب پر آئے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ حضور ہم لوگ تو اصل میں یہ بات سُنکر آئے ہیں کہ آپ کا بھی لیکچر ہوگا ورنہ ہماری اس جگہ آنے کی چنداں خواہش نہ تھی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہر قوم میں کچھ شریف لوگ بھی ہوتے ہیں

اصل بات یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر قوم میں کچھ شریف لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا مقصد کسی بے جا حقارت یا کسی کو بیجا گالی گلوچ دینا یا کسی قوم کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا اُن کا

مقصد نہیں ہوتا۔ مگر ہم تو جو کام کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت اور اس کے اشارہ سے کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں اس قسم کے زبانی مباحثات سے روک دیا ہوا ہے چنانچہ ہم کئی سال ہوئے کہ کتاب انجام آتھم میں اپنا یہ معاہدہ شائع بھی کر چکے ہیں اور ہم نے خدا سے عہد کیا ہے کہ زبانی مباحثات کی مجالس میں نہ جاویں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسے مجمعوں میں مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کوئی تو محض جاہل اور دھڑے بندی کے خیال پر آتے ہیں۔ کوئی اس واسطے کہ تا کسی کے بزرگوں کو گالی گلوچ دے کر دل کی ہوس پوری کرلیں اور بعض سخت تیز طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں سو جہاں اس قسم کا مجمع ہو ایسی جگہ جا کر مذہبی مباحثات کرنا بڑا نازک معاملہ ہے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ جب دو شخص مقابل میں کھڑے ہوتے ہیں جبتک وہ یہ ثابت کر کے نہ دکھا دیں کہ دوسرا مذہب بالکل غلطی پر ہے اور اس میں صداقت اور روحانیت کا حصہ نہیں وہ مردہ ہے اور خدا سے اُسے تعلق نہیں ہے تب تک اس کو اپنے مذہب کی خوبصورتی دکھانی مشکل ہوتی ہے کیونکہ یہ دوسرے کے معائب کا ذکر کرنا ہی پڑے گا جو غلطیاں ہیں اس میں اگر ان کا ذکر نہ کیا جاوے تو پھر اظہارِ حق ہی نہیں ہوتا۔ تو ایسی باتوں سے بعض لوگ بھڑک اُٹھتے ہیں۔ وہ نہیں برداشت کر سکتے طیش میں آکر جنگ کرنے کو آمادہ ہوتے ہیں لہٰذا ایسے موقعہ پر جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ اور مذہبی تحقیقات کے واسطے ضروری ہے کہ لوگ ٹھنڈے دل اور انصاف پسند طبیعت لے کر ایک مجلس میں جمع ہوں۔ ایسا ہو کہ اُن میں کسی قسم کے جنگ وجدال کے خیالات جوش زن نہ ہوں تو بہتر ہو۔ پھر ایسی حالت میں ایک طرف سے ایک شخص اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور جہانتک وہ بول سکتا ہے بولے۔ پھر دوسری طرف سے جانبِ مقابل بھی اسی طرح نرمی اور تہذیب سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے۔ اسی طرح بار بار ہوتا رہے مگر افسوس کہ ابھی تک ہمارے ملک میں اس قسم کے متحمل لوگ اور صبر اور نرم دلی سے تحقیق والے نہیں ہیں۔ ابھی ایسا وقت نہیں آیا۔ ہاں امید ہے کہ خدا

جلدی ایسا وقت لے آوے گا۔ ہم نے تو ایسا ارادہ بھی کیا ہے کہ یہاں ایک ایسا مکان تیار کرایا جائے جس میں ہر مذہب کے لوگ آزادی سے اپنی اپنی تقریریں کر سکیں۔ درحقیقت اگر کسی امر کو ٹھنڈے دل اور انصاف کی نظر اور بردباری سے نہ سُنا جاوے تو اس کی سچی حقیقت اور تہ تک پہنچنے کے واسطے ہزاروں مشکلات ہوتے ہیں۔ دیکھئے ایک معمولی چھوٹا سا مقدمہ ہوتا ہے تو اُس میں جج کس طرح طرفین کے دلائل، اُن کے عُذر وغیرہ کس ٹھنڈے دل سے سُنتا ہے اور پھر کس طرح سوچ بچار کر پوری تحقیقات کے بعد فیصلہ کرتا ہے۔ بعض اوقات سال ہی گذر جاتے ہیں۔ جب دنیا کے مقدمات کا یہ حال ہے تو دین کے مقدمات کا کیونکر دو چار یا دس بارہ منٹ میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ سائل کو سوال کرنا تو آسان ہے مگر جواب دینے والے کو جو مشکلات ہوتی ہیں ان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک شخص اعتراض کر دیوے کہ نظام شمسی کے متعلق اور ستاروں اور زمین کے متعلق حالات مجھے بتا دو اور جتنے وقت میں مَیں نے سوال کیا ہے اتنا ہی تمہیں وقت دیا جاتا ہے کہ اتنے وقت کے اندر اندر جواب دو۔ ورنہ تم جھوٹے ہو اب صاف عیاں ہے کہ جواب دینے والا کیا کرے۔ وہ جب تک کئی جزو کی کتاب نہ لکھے تب تک جواب پورا نہ ہوگا۔ غرض اس طرح کی مشکلات ہیں جو ہم کو درپیش ہیں۔ یہ وجوہ ہیں جو ہمیں ان جلسوں میں جانے سے روکتے ہیں۔

حق جو کے سوال میں بُوئے تقویٰ ہوتی ہے

اگر سائل ایسا کرے کہ لو صاحب میں نے سوال کیا ہے تم جب تک اُس کا جواب کامل کرو میں خاموش ہوں تو جواب دینے والے کو بھی مزہ آوے۔ اصل میں جو باتیں خدا کے لئے ہوں اور جو دل خدا کی رضا کے واسطے ایسا کرتا ہے اور اُس کا دل سچے تقویٰ سے پُر ہے وہ تو کبھی ایسا کرتا نہیں۔ مگر آج کل زبان چھُری کی طرح چلتی ہے اور صرف ایک حجت بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ خدا کے لئے ایسا ہوگا تو وہ باتیں اور

وہ طرز ہی اور ہوتی ہے۔ جو دل سے نکلتا ہے وہ دل ہی پر جا کر بیٹھتا ہے۔ حق جو کے سوال کی بھی ہم کو خوشبو آجاتی ہے۔ حق جو ہو تو اس کی سختی میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ اس کا حق ہوتا ہے کہ جو امر اُس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کے متعلق اپنی تسلی کرائے اور جبتک اس کی تسلی نہ ہو اور پورے دلائل نہ مل جاویں تب تک بیشک وہ پوچھے ہمیں بُرا نہیں لگتا۔ بلکہ ایسا شخص تو قابل عزت ہوتا ہے۔ جو باتیں خدا کے لئے ہوتی ہیں وہ کہاں اور نفسانی ڈھکو نسلے کہاں؟

اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرنے کی جماعت کو نصیحت

میں نے اپنی جماعت کو بھی بارہا سمجھایا ہے کہ کسی پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرو ہر پُرانا مذہب اصل میں خدا ہی کی طرف سے تھا مگر زمانہ دراز گذرنے کی وجہ سے اس میں غلطیاں پڑ گئی ہیں۔ ان کو آہستگی اور نرمی سے دُور کرنے کی کوشش کرو۔ کسی کو پتھر کی طرح اعتراض کا تحفہ نہ دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایک کپڑا بازار سے لے کر سلایا جاتا اور پہنا جاتا ہے چند روز کے بعد وہ پرانا ہو جاتا اور اس میں تغیر آکر کچھ اَور کا اَور ہی ہو جاتا ہے۔

سچے مذہب کی علامات

اسی طرح پرانے مذہب میں بھی صداقت کی جڑ ضرور ہوتی ہے۔ خدا راستی کے ساتھ ہوتا ہے اور سچا مذہب اپنے اندر زندہ نشان رکھتا ہے کیونکہ درخت اپنے پھلوں سے شناخت ہوتا ہے۔ گورنمنٹ جو اس وراء الوراء ہستی کا ایک نہایت کمزور سا ظِل ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی نظر میں صادق کیسے عزیز اور معتبر ہوتے ہیں۔ وہ افسر یا ملازم جن کو گورنمنٹ نے خود کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمایا ہوتا ہے وہ کس دلیری سے کام کرتا ہے اور ذرا بھی پوشیدگی پسند نہیں کرتا۔ مگر وہ ایک مصنوعی ڈپٹی کمشنر یا تھانہ دار وغیرہ جو جعلی طور پر کسی جگہ خود بخود حاکم بن کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کیا وہ

گورنمنٹ کے سامنے ہو سکتے ہیں؟ جب گورنمنٹ کو یہ پتہ لگے گا اس کو ذلیل کرے گی اور وہ ہتھکڑی لگ کر جیل خانہ میں یا اور سزا ملے گی۔ یہی حال ہے مذہبی راستی کا۔ جو خدا کی نظر میں صادق ہوتا ہے اس میں خدا کے نشان اور جرأت اور صداقت کے آثار ہوتے ہیں وہ ہر وقت زندہ ہوتا ہے اور اس کی عزت ہوتی ہے۔

اصل میں خدا سے ڈرنے والے کو تو بڑی بڑی مشکلات ہوتی ہیں۔ انسان پاک صاف تو جب جا کر ہوتا ہے کہ اپنے ارادوں کو اور اپنی باتوں کو بالکل ترک کر کے خدا کے ارادوں کو اسی کی رضا کے حصول کے واسطے فنافی اللہ ہو جاوے۔ خودی اور تکبر اور نخوت سب اس کے اندر سے نکل جاوے۔ اس کی آنکھ اُدھر دیکھے جدھر خدا کا حکم ہو۔ اس کے کان اُدھر لگیں جدھر اس کے آقا کا فرمان ہو۔ اس کی زبان حق و حکمت کے بیان کرنے کو کھلے۔ اس کے بغیر نہ چلے جب تک اس کیلئے خدا کا اذن نہ ہو۔ اس کا کھانا۔ پہننا۔ سونا۔ پینا۔ مباشرت وغیرہ کرنا سب اس واسطے ہو کہ خدا نے حکم دیا ہے۔ اس واسطے نہ کھائے کہ بھوک لگی ہے بلکہ اس لئے کہ خدا کہتا ہے۔ غرض جب تک مرنے سے پہلے مَر کر نہ دکھاوے تب تک اس درجہ تک نہیں پہنچتا کہ متقی ہو۔ پھر جب یہ خدا کے واسطے اپنے اوپر موت وارد کرتا ہے خدا کبھی اسے دوسری موت نہیں دیتا۔

حضرت اقدسؑ نیکدل انسان کو دُور سے پہچان لیتے ہیں

آج کل دیکھا جاتا ہے کہ جب لَب کھولا جاتا ہے تو اُن کی باتوں میں سے سوائے ہنسی ٹھٹھے اور دل دکھانے والے کلمات کے کچھ نکلتا ہی نہیں جو کچھ کسی برتن میں ہوتا ہے۔ وہی باہر نکلتا ہے۔ اُن کی زبانیں ان کے اندرون پر گواہی دیتی ہیں۔ میں تو نیک دل انسان کو دُور سے پہچان لیتا ہوں جو شخص پاک کردار اور سلیم دل لے کر آتا ہے۔ میں تو اسی کے دیکھنے کا شوق رکھتا ہوں۔ اس کی تو گالی بھی بُری معلوم نہیں ہوتی۔ مگر افسوس کہ ایسے پاک دل بہت کم ہیں

ایک آریہ صاحب بولے کہ اصل میں حضور جاہل تو دو ہی قومیں ہیں۔ آپ بُرا نہ مانیں تو میں عرض کر دوں۔ اوّل تو سکھ لوگ دوسرے ہمارے یہ مسلمان بھائی۔

آریہ صاحب کا مسلمانوں کو جاہل کہنا اور حضور کا لطیف جواب

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دیکھئے ایک سمجھنے والے کے لئے جاہل سے زیادہ اور کیا گالی ہو سکتی ہے۔ کسی شخص کو اس کے منہ پر جاہل کہنا بہت سخت گالی ہے مگر سوچو تو کیا ان حاضرین میں سے کوئی ایک بھی بولا ہے؟ کیا اب بھی تمہیں اس مجلس کی نرمی اور تہذیب پر کچھ شک ہے؟ بہت ہیں جو ہمارے منہ پر گالیاں دے جاتے ہیں مگر ان میں سے ایک کی بھی مجال نہیں ہوتی کہ دم مار کر اس کو کچھ بھی کہہ جاوے۔

ہم اپنی جماعت کو صبر کی تعلیم دیتے اور نرمی و حلم سکھاتے ہیں

ہم ان کو دن رات صبر کی تعلیم دیتے ہیں۔ نرمی اور حلم سکھاتے ہیں۔ یہ وہ قوم نہیں کہ آپ کے اس اصول کی مصداق بن سکے۔ ہاں ہم البتہ عوام الناس لوگوں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم تب مانیں اگر کسی آریہ لوگوں کے مجمع میں اس طرح کہدیں کہ تم جاہل ہو اور وہ صبر کر رہیں اور ایک کی بجائے ہزار نہ سُنائیں تو!

آریہ اخلاق میں حقیقی مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے

آپ نے مسلمانوں کو نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ نے اُن کے اخلاق دیکھے ہیں۔ اُن کا اور ان آریوں کا اگر مقابلہ کیا جاوے تو بکری اور بھیڑیئے کا معاملہ نظر آوے۔ عوام جو ہمارے زیر اثر نہیں ہیں اُن کا ہم ذمہ نہیں لیتے۔ گالی اور جوش دلانے والے الفاظ سُنکر صبر کرنا مَردوں کا کام ہوتا ہے اگر کوئی ایسا کر کے دکھاوے تو ہم جانیں۔ نرمی ہی مشکل ہے سختی تو ہر ایک شخص کر سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ عمر کو کم و بیش کر سکتا ہے

کسی صاحب نے بیان کیا کہ آریوں نے لیکچر میں کہا کہ خدا عمر کو کم و بیش نہیں کر سکتا۔ فرمایا۔

ہمارا تو اعتقاد ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ عمر کو کم بھی کر سکتا ہے اور زیادہ بھی کر سکتا ہے یمحو اللہ ما یشاء و یثبت[1]۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ کیوں مرتے ہوئے انسان سے صدقات کراتے ہیں؟ اور کیوں علاج معالجہ کراتے ہیں؛ بلکہ عیسائیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی پندرہ دن کی عمر رہ گئی تھی۔ دعا سے پندرہ سال ہو گئے۔

آریہ قوم نبوت سے جاہل مطلق اور روحانیت سے بے بہرہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ قوم نبوت کی راہ سے بالکل محروم ہونے کی وجہ سے اس راہ اور علم سے جاہلِ مطلق ہے۔ اسی وجہ سے ایسے ایسے اعتراض کرتے ہیں، روحانیت سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ ایسے اعتراض ہرگز نہ کرتے۔ مادر زاد اندھے کو آنکھیں کیونکر دیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۰-۱۱ بابت ۱۰ر مارچ ۱۹۰۳ء)

یکم مارچ ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

ایک الہام

نواب صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

آج رات ایک کشف میں آپ کی تصویر ہمارے سامنے آئی اور اتنا لفظ الہام ہوا

حجۃ اللہ

[1] الرعد : ۴۰

یہ امر کوئی ذاتی معاملات سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے متعلق یوں تفہیم ہوئی کہ چونکہ آپ اپنی برادری اور قوم میں سے اور سوسائٹی میں سے الگ ہو کر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام حجّۃ اللّٰہ رکھا یعنی آپ ان پر حجت ہوں گے۔ قیامت کے دن اُن کو کہا جاوے گا کہ فلاں شخص نے تم سے نکل کر اس صداقت کو پرکھا اور مانا۔ تم نے کیوں ایسا نہ کیا؟ یہ بھی تم میں سے ہی تھا اور تمہاری طرح کا ہی انسان تھا چونکہ خدا تعالیٰ نے آپ کا نام حجۃ اللہ رکھا آپ کو بھی چاہیئے کہ آپ اِن لوگوں پر تحریر سے تقریر سے ہر طرح سے حجت پوری کر دیں۔ ※

※ البدر میں یکم مارچ ۱۹۰۳ء کی سیر کے دوران کا ایک اَور ذکر درج ہے جو الحکم میں نہیں۔ لکھا ہے:۔

سیر

مستورات کا ذکر چل پڑا۔ ان کے متعلق احمدی احباب میں سے ایک سربرآوردہ ممبر کا ذکر سُنایا کہ اُن کے مزاج میں اول سختی تھی عورتوں کو ایسا رکھا کرتے تھے جیسے زندان میں رکھا کرتے ہیں اور ذرا وہ نیچے اُترتیں تو اُن کو مارا کرتے لیکن شریعت میں حکم ہے عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[1]۔ نمازوں میں عورتوں کی اصلاح اور تقویٰ کے لئے دُعا کرنی چاہیئے۔ قصاب کی طرح برتاؤ نہ کرے کیونکہ جب تک خدا نہ چاہے کچھ نہیں ہو سکتا مجھ پر بھی بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ عورتوں کو پھراتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ میرے گھر میں ایک ایسی بیماری ہے کہ جس کا علاج پھرانا ہے جب اُن کی طبیعت زیادہ پریشان ہوتی ہے تو بدیں خیال کہ گناہ نہ ہو کہا کرتا ہوں کہ چلو پھرا لاؤں۔ اَور بھی عورتیں ہمراہ ہوتی ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کی نسبت ذکر پر فرمایا کہ مجازی عدالتوں کی طرف سے جو ایک لقب انسان کو ملتا ہے تو اُسے کتنا فخر ہوتا ہے۔ ستارۂ ہند لقب وغیرہ بھی ملتے ہیں تو کیا اب حقیقت میں ان لوگوں میں وہ خواص ہوتے ہیں؟ جو لقب ان کو ملتا ہے صرف استعارہ ہوتے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۷ مورخہ ۱۳؍ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] النسآء: ۲۰

اصل میں اس ساری قوم کی حالت قابل رحم ہے۔عیش وعشرت میں گم ہیں۔ دُنیا کے کیڑے بنے ہوئے ہیں۔ اور فنا فی یورپ ہیں۔ خدا سے اور آسمان سے کوئی تعلق نہیں جب کسی کو ایسی قوم میں سے نکالتا اور اس کی اصلاح کرتا ہے تو اس کا نام اس قوم پر حجت رکھتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر گواہ ہونگے

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا[1] (نساء آیت ۴۲)۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا تھا اُس نے کچھ کہا تھا تو آپ نے فرمایا بس کر۔ اب تو میں اپنی ہی امت پر گواہی دینے کے قابل ہو گیا ہوں۔ مجھے فکر ہے کہ میری امت کو میری گواہی کیوجہ سے سزا ملیگی

حضرت عیسیٰؑ کو قرآن کریم میں کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ

حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالےٰ نے كَلِمَةُ اللهِ خصوصیت کے ساتھ کیوں کہا۔ اس کیوجہ یہی تھی کہ اُن کی ولادت پر لوگ بڑے گندے اعتراض کرتے تھے اس واسطے اللہ تعالےٰ نے اُن کو ان الزاموں سے بری کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ تو کلمۃ اللہ ہیں*۔ اُن کی ماں بھی صدیقہ ہے یعنی بڑی پاکباز اور عفیفہ ہے۔ ورنہ یوں تو کلمۃ اللہ ہر شخص ہے۔ اُن کی خصوصیت کیا تھی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمے اتنے ہیں کہ وہ ختم نہیں ہو سکتے۔ انہی اعتراضوں سے ہی بَری کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ وہ شیطان کے مَس سے پاک تھے ورنہ کیا دوسرے انبیاء شیطان کے ہاتھ سے مَس شدہ

* (البدر سے) "ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے فرمایا:۔
"ان کو کلمہ اس لئے کہا گیا تھا کہ یہود ان کو ناجائز ولادت قرار دیتے تھے ورنہ کیا دوسرے انبیاء کلمۃ اللہ نہ تھے؟ اسی طرح مریم علیہا السلام کو صدیقہ کہا گیا۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اَور عورتیں صدیقہ نہ تھیں۔ یہ بھی اسی لئے کہا کہ یہودی ان پر تہمت لگاتے تھے تو قرآن نے اس تہمت کو دُور کیا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۷ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] النساء: ۴۲

ہیں؟ جو نعوذ باللہ دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ ان پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ شیطان کو کسی معمولی انسان پر بھی تسلط نہیں ہوتا تو انبیاء پر کس طرح ہو سکتا ہے؟ اصل وجہ صرف یہی تھی کہ اُن پر بڑے اعتراض کئے گئے تھے۔ اسی واسطے اُن کی بریّت کا اظہار فرمایا جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ[1]۔ کوئی کہے کہ کیا انبیاء بھی کافر ہوا کرتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تھا کہ وہ بُت پرست ہو گئے تھے ایک عورت کے لئے۔ اس اعتراض کا جواب دیا۔ یہی حال ہے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق۔*

* اس دن کی سیر کے دوران ایک اَور ذکر بھی ہوا جو البدر میں یوں درج ہے۔

"چونکہ آج کے دن بھی آریہ سماج کا جلسہ تھا اور کثرت سے لوگ اس جلسہ میں شامل ہوئے تھے کہ حضرت مرزا صاحب کی زیارت ہوگی۔ مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ مباحثہ کی خبر غلط شائع کی گئی ہے تو اب وہ لوگ حضرت کی زیارت کے لئے بعض تو مسجد میں آتے رہے اور بعض سیر میں آ کر ملے ان میں سے بعض نے پھر درخواست کی کہ آپ جلسہ میں آکر کچھ گفتگو کریں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مذہبی باتوں کو علمی رنگ میں بیان کرنا چاہیئے اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ جب انسان کو گیان حاصل ہو۔ ورنہ بلا سوچے سمجھے کہہ دینے سے کچھ نتیجہ نہیں نکلا کرتا۔ ہر ایک مذہب میں کُھلی کُھلی بات اور گیان کی بات بھی ہوتی ہے جبتک انسان نفس کو صاف کر کے بات نہ کرے تو ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ آج کل ہارجیت کو مدِنظر رکھ کر لوگ بات کرتے ہیں۔ اس سے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے

بار بار جہاد۔ طلاق۔ کثرت ازدواج کو پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُن کے بزرگ سب یہ باتیں کرتے آئے ہیں۔ یہاں کے آریہ ہمیشہ میرے پاس آتے ہیں اور سوال جواب بھی ہوتا ہے لیکن آپس میں ناراضگی کبھی نہیں ہوتی۔ بعض بات اپنے محل پر چسپاں کہی جاتی ہے۔ لوگ اسے غلط فہمی سے گالی خیال کر لیتے ہیں ان کو یہ علم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] البقرۃ: ۱۰۳

قبل از ظہر

حضرت اقدس کی زیارت کے لئے کاشی رام دید لاہور سے اور بعض اور لوگ تشریف لائے حضرت اقدس نے مخاطب کر کے ان کو فرمایا:-

اختلاف مذاہب سے عقل بڑھتی ہے

اختلاف مذاہب کا جو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت عملی سے رکھا ہے یہ بھی ایک عمدہ چیز ہے اس سے انسانوں کی عقل بڑھتی ہے۔ دنیا میں اگر کسی معاملہ میں اتفاق بھی کرتے ہیں تو اس کی باریک در باریک جزئیوں تک پہنچنا محال ہو جاتا ہے اور جزئی در جزئی نکلتی چلی آتی ہے۔

تبادلہ خیالات کے لئے مجمعوں میں تقریریں کرنی بھی اچھی چیز ہیں لیکن ابھی تک ہمارے ملک میں ایسے مہذب لوگ بہت ہی کم ہیں بلکہ نہیں ہیں جو آرام اور امن کے ساتھ اپنے مخالف رائے سُن سکیں

میں نے خود یہ چاہا تھا اور میرا ارادہ ہے کہ قادیان میں ایک جگہ ایسی بنا دیں جہاں مختلف لوگ مذاہب کے جمع ہو کر اپنے اپنے مذہب کی صداقت اور خوبیوں کو آزادی سے بیان کر سکیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اگر اظہار حق کے لئے مباحثے اور تقریریں ہوں تو بہت

نہیں ہوتا کہ گالی اور برمحل بات میں فرق کر سکیں۔ بات یہ ہے کہ جب انسان اپنے عقیدہ پر جما ہوا ہوتا ہے تو اس کے عقیدے کو جب دوسرا بیان کرتا ہے تو اسے گالی خیال کرتا ہے

اس موقعہ پر ایک ہندو نے کہا کہ آپ نے بعض جگہ گالیاں دی ہوئی ہیں۔ فرمایا کہ

کوئی ایسی بات پیش کرو جو اپنے محل پر چسپاں نہیں ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ زبانی تقریریں اچھی نہیں ہیں اور تحریر پیش کرتا ہوں کہ ہر ایک پڑھ کر اپنی اپنی جگہ پر رائے قائم کر لے اور جو اس کا جی چاہے کہے چنانچہ اس موقعہ پر حضرت اقدس نے اس ہندو کو تحفہ آریہ یعنی "نسیم دعوت" نئی تصنیف دی کہ تم اسے دیکھو اور بتلاؤ کونسی بات ہے جو اپنے محل پر چسپاں نہیں ہے" (البدر جلد ۱ نمبر ۹ صفحہ ۷۰ مورخہ ۱۳ ر مارچ ۱۹۰۳ء)

اچھی بات ہے مگر تجربہ سے ثابت ہوگیا ہے کہ ان میں فتنہ وفساد کا مظنّہ ہوتا ہے اس لئے میں نے ان مباحثوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ممکن ہے دو چار آدمی ایسے بھی ہوں جو صبر اور نرمی کے ساتھ اپنے مخالف کی بات سُن لیں لیکن کثرت ایسے لوگوں کی ہوگی جو عوام الناس میں سے ہوتے ہیں اور وہ اپنے مخالف کے منہ سے ایک لفظ بھی اپنے مذہب کے خلاف نہیں سُن سکتے خواہ وہ کتنا ہی نرم کیوں نہ ہو۔ چونکہ جب مخالف بیان کرے گا تو کوئی نہ کوئی لفظ اُس کے مُنہ سے ایسا نکل سکتا ہے جو اس کے فریق مخالف کی غلطی کے اظہار میں ہوگا اور اس سے عوام میں جوش پھیل جاتا ہے۔ ایسی جگہ تو تب امن رہ سکتا ہے جب سمجھانے والا اور سمجھنے والا اس طرح بیٹھیں کہ جیسے باپ بیٹے میں کوئی بُرائی دیکھتا ہے اور اس کو سمجھاتا ہے تو وہ نرمی اور صبر سے اس کو سُن لیتا ہے ایسی محبت کی کشش سے البتہ فائدہ ہوتا ہے۔ غیظ وغضب کی حالت میں یہ امید رکھنا کہ کوئی فائدہ ہو خام خیال ہے۔

ہندو مسلمانوں میں وہ پہلی سی محبت کشش اور اُنس نہیں

اب مشکل آکر یہ پڑی ہے کہ ایک تو دین کا اختلاف ہی ہے پھر اس پر احقاق حق لوگوں کی غرض نہیں رہی بلکہ بغض وعناد میں اس قدر ترقی کی گئی ہے کہ اپنے فریق مخالف کا نام بھی ادب یا عزت سے لینا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ بڑی بے ادبی اور گستاخی سے بات کرتے ہیں پہلے ہندو مسلمانوں میں ایسے تعلقات تھے کہ برادری کی طرح رہتے تھے اب ایسا تفرقہ پیدا ہوا ہے کہ وہ اندرونی کشش جو ایک دوسرے میں تھی باقی نہیں رہی ہے بلکہ تعصب اور دشمنی بڑھ گئی ہے۔ پس جبکہ کوئی حصہ اُنس اور کشش کا ہی باقی نہ ہو اور ہار جیت مقصود ہو تو پھر اظہار حق کس طرح ہو سکتا ہے۔

اظہار حق کیلئے دل کا بغض وتعصب سے پاک ہونا ضروری ہے

اظہار حق کے واسطے یہ ضروری امر ہے کہ تعصب سے اندر خالی ہو اور بغض اور عناد نہ ہو سُست اُسنت کے برتنے کے لئے بحث کا تو نام بھی درمیان میں نہیں آنا چاہیئے بلکہ اس

کو چاہیئے کہ بحث کو چھوڑ دے۔

دوسرے مذہب پر اعتراض اُس کے شائع کردہ مسلمات کی ہی بنا پر ہونا چاہیئے

میں یہ بھی مانتا ہوں اور یہی میرا مذہب ہے کہ ایک اور غلطی میں لوگ پڑے ہوئے ہیں کسی مذہب پر حملہ کرتے وقت وہ اتنا غور نہیں کرتے کہ جو حملہ ہم کرتے ہیں اس مذہب کی کتاب میں بھی ہے یا نہیں، مسلمہ کتب کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی شخص کی ذاتی رائے کو لیکر اس کو مذہب کی خبر بنا دیتے ہیں۔

ہم بہت سی باتوں میں آریہ مذہب کے خلاف ہیں اور ہم ان کو صحیح تسلیم نہیں کرتے لیکن ہم ان کو وید پر نہیں لگاتے ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کیا ہے۔ ہاں پنڈت دیانند پر ضرور لگاتے ہیں کیونکہ انہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ ہم تو اس عقیدہ کے خلاف کہتے ہیں جو شائع کر دیا گیا ہے کہ یہ آریہ سماج کا عقیدہ ہے۔ اسی طرح پر آریوں کو اگر کوئی اعتراض کرنا ہو تو چاہیئے کہ وہ قرآن شریف پر کریں یا اس عقیدہ پر جو ہم نے مان لیا ہو اور اس کو شائع کر دیا ہو۔ یہ مناسب نہیں کہ جس بات کو ہم مانتے ہی نہیں خواہ نخواہ ہمارے عقیدہ کی طرف اس کو منسوب کر دیا جائے۔

چونکہ بہت سے فرقے ہو گئے ہیں اس لئے جس نے ایک اصول مان لیا ہے اُس پر اعتراض کرنا چاہیئے۔ اس لئے مباحثہ کے وقت کتاب کا نام لے۔ تفسیروں اور رسالوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر اختلاف ہے۔

مباحثہ اصول پر ہونا چاہیئے نہ فروعات پر

اگر اس اصل کو مدنظر رکھا جاوے تو سامعین فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ جبتک کتاب کو کسی نے سمجھا اور پڑھا ہی نہیں اس پر وہ اعتراض کرنے کا حق کس طرح رکھ سکتا ہے۔ مذہب کے معاملہ میں یہ ضروری بات ہے کہ مانی ہوئی اصل پر بحث کریں۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ کل کتابیں پڑھی جاویں اس کے لئے تو عمر بھی وفا نہیں کر سکتی۔

مباحثہ اصول پر ہونا چاہیئے جو بطور بحث کے ہیں اور چونکہ عام مجمعوں میں حق کو مشتبہ کیا جاتا ہے۔ انسان ضد اور تعصب سے کام لیتا ہے میں نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ اس طریق کو چھوڑ دیا جاوے۔[1]

خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس سے گالیوں کی قوت ہی کھو دی ہے

یہ کتاب٭ میں نے اصول مباحثہ کے لحاظ سے لکھی ہے اور اسی طریق سے جو میں نے پیش کیا ہے بحث کی ہے۔ جو ہم کو گالیاں دیتے ہیں ہم ان کی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم سے تو گالیوں کی قوت ہی کھو دی ہے۔ کس کس کی گالی کا جواب دیں۔[2]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۱-۱۲ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

[1] (البدر سے) "مناظرین نے لکھا ہے کہ فروعات میں بحث کرنا ہی فضول ہے۔ فروعات کی مثال تو لشکر کی ہے جن کے افسر اصول ہیں جب اصول میں فیصلہ ہو جائے تو فروع میں خود ہو جاتا ہے جیسے جب افسر مارا جاوے تو سپاہی خود تابع ہو جاتے ہیں۔ میں کوئی بات نہیں کرتا جب تک خدا تعالیٰ اجازت نہ دے اگر میں نے مباحثہ میں جانا ہوتا تو یہ کتاب (مراد نسیم دعوت۔ مرتب) شائع نہ کرتا۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ کالم اول کا آخر مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء)

٭ کتاب کا نام درج نہیں "نسیم دعوت" مراد ہے جو اس موقعہ پر شائع کی گئی (مرتب)

[2] (البدر سے) "جب یہ آریہ صاحبان تشریف لے گئے تو کچھ اور صاحب آئے۔ ان کے سوالات کا جواب حضرت اقدس نے ذیل کے مختصر فقرات میں دیا۔ "باوجود اختلاف رائے کے حق کی رو رعایت رکھنا اس بات کو آپ کتاب نسیم دعوت میں دیکھیں گے۔ خدا نے اب ہم سے گالیوں کی قوت ہی دور کر دی ہے اور نہ ہم ہر ایک کو الگ الگ جواب دے سکتے ہیں۔ اب کروڑہا آدمی گالی دے رہے ہیں کس کس کو جواب دیں۔ میرا تعلق آریہ سماج سے ہے نہ وید سے کیونکہ وید سے میں واقف نہیں ہوں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

ایک صاحبؓ[1] نے عرض کیا کہ حضور میرے ایک دوست نے لکھا ہے کہ تم تو حج کرنے کو گئے ہوئے ہو مگر ہمیں بھلا دیا ہے۔[2]

فرمایا۔ اصل میں جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں ان کی خدمت میں دین سیکھنے کے واسطے جانا بھی ایک طرح کا حج ہی ہے۔ حج بھی خدا تعالیٰ کے حکم کی پابندی ہے۔ اور ہم بھی تو اس کے دین اور اس کے گھر یعنی خانہ کعبہ کی حفاظت کے واسطے آئے ہیں۔

مسیح اور دجّال کے طواف کی حقیقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کشف میں دیکھا تھا کہ دجال اور مسیح موعود اکٹھے طواف کر رہے ہیں۔ اصل میں طواف کے معنے ہیں پھرنا تو طواف دو ہی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو رات کو چور پھرتے ہیں یعنی گھروں کے گرد طواف کرتے ہیں اور ایک چوکیدار طواف کرتا ہے مگر ان میں فرق یہ ہے کہ چور تو گھروں کو لوٹنے اور گھروں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے۔ اور چوکیدار ان گھروں کی حفاظت اور بچاؤ اور چوروں کے پکڑنے کے واسطے طواف کرتے ہیں۔ یہی حال مسیح اور دجّال کے طواف کا ہے۔ دجال تو دنیا میں اس واسطے پھرتا ہے اور یہ چاہتا

---

[1] البدر میں ان صاحبؓ کا نام بھی لکھا ہے یعنی صاحبزادہ سراج الحق صاحب۔

[2] البدر میں اس سے پہلے ایک اور ذکر درج ہے جو یہ ہے۔

"ایک شخص کی طرف سے "انت منّی وانا منک" جو حضرت کا الہام ہے اس پر اعتراض پیش ہوا تو فرمایا کہ انت منّی کے معنے ہیں کہ تیری نشوونما مجھ سے ہے اور وانا منک یعنی جب خدا کی عظمت و جلال ایک وقت کم ہو جاتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ ایک بندہ کے ذریعہ اسے دُنیا پر ظاہر کرتا ہے چونکہ اس وقت خدائی کا جلوہ اس مامور کے ہاتھ سے ہوتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھ سے ہوں یعنی میرا جلال تیرے ذریعہ ظاہر ہوا" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۷۰ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ہے کہ تا دنیا کو خدا کی طرف سے پھیر دے اور ان کے ایمان کو لُوٹ لیا جاوے مگر مسیح موعود اس کوشش میں ہے کہ تا اُسے پکڑے اور مارے اور اس کے ہاتھ سے لوگوں کے دین وایمان کے متاع کو بچاوے۔ غرض یہ ایک جنگ ہے جو ہمارا دجّال سے ہو رہا ہے۔

کامل ایمان والے کو کسی نشان کی ضرورت نہیں ہوتی

ایک صاحب نے عرض کی حضور کیا وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو مبشرات کثرت سے ہوتے ہیں اور بعض کو بہت کم بلکہ بالکل ہی نہیں۔ فرمایا کہ

اصل میں اللہ تعالیٰ نے طبائع مختلف پیدا کی ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی ایمانی قوت ہی ایسی مضبوط ہوتی ہے کہ اسے کسی نشان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کا ایمان کامل ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کونسا نشان دیکھا تھا؟ یا کونسا خواب آیا؟ یا کوئی بشارت ہوئی تھی جس سے انہوں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ اگر اُن کا کوئی خواب یا بشارت وغیرہ ہوتی تو اس کا ذکر حدیث شریف میں ضرور ہوتا۔ وہ ایک سفر پر گئے ہوئے تھے رستہ میں واپسی پر انہوں نے ایک شخص سے پُوچھا۔ اپنے شہر کی کوئی نئی بات سُناؤ۔ اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے آپ کو آگاہ کیا۔ فوراً بے چون وچرا مان لیا۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے حالات دیکھے ہوئے تھے۔ وہ بخوبی آگاہ تھے کہ یہ شخص کاذب یا مفتری نہیں۔ اُن کو پہلی واقفیت اور عقل سلیم نے آپ کو فوراً قبول کر لینے پر مجبور کیا۔ زمانہ کی حالت کو انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ وقت تقاضا ضرورت تھی۔ ایک صادق نے خدا کی طرف سے الہام پاکر دعویٰ کیا فوراً مان لیا۔

اصل میں نشانات کی ضرورت بھی کمزور ایمان کو ہوتی ہے۔ کامل ایمان کو نشان کی ضرورت ہی نہیں۔

خدا کے مقرّب عذابِ الٰہی سے محفوظ رکھے جاتے ہیں

فرمایا کہ

خدا کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے واسطے خدا کا قرب حاصل کرنا ضروری ہے جتنا جتنا خدا سے انسان قریب ہوتا ہے اتنا ہی وہ مصائب. شدائد اور بلاؤں سے دُور ہوتا ہے. جو خدا کا مقرب ہوتا ہے اسے کبھی خدا کے قہر کی آگ نہیں کھاتی۔ دیکھو انبیاء کے وقت میں وبائیں اور طاعون سخت ہوتے رہے مگر کوئی بھی نبی ان عذابوں میں ہلاک نہیں ہوا۔ صحابہؓ کے وقت میں بھی طاعون پڑا۔ اور بہت سے صحابہؓ اس سے شہید بھی ہوئے مگر اس وقت وہ صحابہؓ کے واسطے شہادت تھی کیونکہ صحابہؓ اپنا کام پورا کر چکے تھے اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی اُن کو ہو چکی تھی اور نیز وہ کوئی تحدی کا وقت بھی نہ تھا اور مرنا تو ہر انسان کے ساتھ لازمی لگا ہوا ہے۔ اسی ذریعہ سے خدا تعالےٰ کو اُن کی موت منظور تھی۔ اُن کے واسطے شہادت تھی۔ مگر جب کسی عذاب کے واسطے پہلے سے خبر دی جاوے کہ خدا آسمان سے اپنی ناراضگی کی وجہ سے قہر نازل کرے گا تو ایسے وقت میں وہ وبا رحمت نہیں۔ اور شہادت نہیں ہوا کرتی بلکہ لعنت ہوا کرتی ہے۔ پس خدا کی طرف دوڑو کہ اسکے پاس معالجے ہیں اور بچاؤ کے سامان ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ماننے کے قابل حدیث وُہ جو قرآن کے اور خواب وُہ جو حضرت اقدس کے موافق ہو

ظہر کے وقت ایک شخص نے ایک پراگندہ سی خواب لکھ کر حضور سے تعبیر چاہی تھی اس پر آپ نے فرمایا کہ

جس طرح سے حدیث ماننے کے قابل نہیں ہوتی جب تک قرآن کے موافق نہ ہو۔ اسی طرح کوئی خواب بھی ماننے کے لائق نہیں جب تک ہمارے موافق نہ ہو۔

دربار شام

سلسلہ الٰہیہ اور دین کی طرف توجہ دینے کی ضرورت

ایک صاحب نووارد تھے[1] آپ نے اُن سے فرمایا

دیکھو دنیا چند روزہ ہے کسی کو بقا نہیں۔ اور یہ دنیا اور اس کا جاہ و جلال ہمیشہ نہیں رہنے والے۔ چاہیئے کہ اس وقت جو اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اس کو سمجھا جاوے۔ اگر وہ درحقیقت خدا ہی کی طرف سے ہے تو اس سے دور رہنا کیا بدقسمتی کا موجب ہوگا۔ وقت نازک ہے۔ دنیا نے جس امر کو سمجھنا چاہیئے تھا اُسے نہیں سمجھا اور جس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے تھی اس کو پس پُشت ڈال دیا ہے۔ خدا کے فرستادہ کی تلاش ضروری تھی۔ دیکھو دنیوی ضرورتوں کے واسطے کس طرح دنیا کوشش کرتی اور جانکاہ محنتوں سے ان کے حصول کے ذریعہ کو سوچتی ہے۔ مگر دین کیا ایسا ہی گیا گذرا امر ہے کہ اس کے واسطے اتنی بھی تکلیف نہ برداشت کی جاوے کہ چند روز کے واسطے ایک جگہ رہ کر اسلام کی تحقیق کی جاوے۔ ایک بیمار انسان جب کسی طبیب کے پاس جاتا ہے تو

[illegible]

عصر کے وقت چند ایک سکھ حضرت کی ملاقات کے واسطے آئے اور اثناء ذکر میں آپ نے فرمایا کہ

زبان سے تو ایک انسان بھی اپنا بندہ نہیں بن سکتا خدا کیسے بن سکتا ہے محبت ہوگی تو سانجھ ہوگی۔ کھوٹ سے کوئی خدا سے کیا لے سکتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)

حاشیہ

[1] البدر میں لکھا ہے:۔

"صاحبزادہ سراج الحق صاحب نعمانی کے بھائی کے مریدوں میں سے ایک صاحب حضرت اقدس کی زیارت کے لئے تشریف لائے" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)

مریض کی اگر طبیب تشخیص کر بھی لیوے تو معالجہ میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا دوا دی جاوے۔

ضرورت الہام

ایک شہر میں پہنچ کر انسان پھر بھی کسی خاص جگہ پر پہنچنے کے واسطے کسی راہبر کا محتاج ہوتا ہے تو کیا دین کی راہ معلوم کرنے اور خدا کی مرضی پانے کے واسطے انسانی ڈھکو نسلے کام آسکتے ہیں؟ اور کیا سفلی عقل کافی ہو سکتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں جب تک اللہ تعالیٰ خود اپنی راہ کو نہ بتاوے اور اپنی مرضی کے وسائل کے حصول کے ذریعہ سے مطلع نہ کرے تب تک انسان کچھ کر نہیں سکتا۔ دیکھو جب تک آسمان سے پانی نازل نہ ہو زمین بھی اپنا سبزہ نہیں نکالتی گو بیج اس میں موجود ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ زمین کا پانی بھی دُور چلا جاتا ہے تو کیا روحانی بارش کے بغیر ہی رُوحانی زمین سرسبز ہو جاتی اور بارآور ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا کے الہام کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یہ جو اتنے بڑے عاقل کہلاتے ہیں۔ اور بڑے موجد ہیں آئے دن تار نکلتی ہے۔ ریل بنتی ہے اور انسانی عقل کو حیران کر دینے والے کام کئے جاتے ہیں کیا ان کی عقل کے برابر بھی کوئی اَور عقل ہے؟ جب ایسے عاقل لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایک عاجز انسان کو جو ایک عورت کے پیٹ سے عام لڑکوں کی طرح سے پیدا ہوا تھا اور اسی طرح عوارض وغیرہ کا نشانہ بنا رہا اور کھانا پینا سب کچھ کرتا ہوا یہودیوں کے ہاتھ سے سولی پر چڑھایا گیا تھا اس کو خداوند بنایا ہوا ہے اور اس کے کفارہ سے اپنی نجات جانتے ہیں اور ایسی بودی چال اختیار کی ہے کہ ایک بچہ بھی اس پر ہنسی کرے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ صرف یہی کہ انہوں نے سفلی عقل پر ہی بھروسہ کیا اور ایک کوے کی طرح نجاست پر گر پڑے۔[1]

[1] حاشیہ (البدر سے) "عیسائیوں کی عقل کیسی تیز ہے کیسی کیسی صنعتیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دیکھو جب انسان خدا سے مدد چاہتا ہے اور اپنے آپ کو عاجز جانتا ہے اور گردن فرازی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد کرتا ہے۔ایک مکھی ہے کہ گندگی پر گرتی ہے اور دوسری کو خدا نے عزت دی کہ سارا جہان اس کا شہد کھاتا ہے یہ صرف اس کی طرف جھکنے کی وجہ سے ہے۔پس انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت ایاك نعبد وایاك نستعین[1] پر کاربند رہے اور اسی سے توفیق طلب کرے۔ایسا کرنے سے انسان خدا کی تجلیات کا مظہر بھی بن سکتا ہے۔چاند جب آفتاب کے مقابل میں ہوتا ہے تو اُسے نُور ملتا ہے مگر جُوں جُوں اس سے کنارہ کشی کرتا ہے توں توں اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔یہی حال ہے انسان کا جب تک اس کے دروازہ پر گرا رہے اور اپنے آپ کو اس کا محتاج خیال کرتا رہے تب تک اللہ تعالیٰ اُسے اُٹھاتا اور نوازتا ہے ورنہ جب وہ اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ ذلیل کیا جاتا ہے۔

ایجاد کی ہیں گویا بالکل دنیا کو نیا کر دیا ہے۔ہر ایک پُرانی شئے کی جگہ ایک نئی شئے موجود ہے مگر چونکہ دینی معاملات میں خدا سے مدد نہ مانگی گھمنڈ اور فخر کیا اس لئے عقل آخرکار ماری گئی کہ کوّے کی طرح نجاست پر دانت مارا۔سب پڑھ پڑھا کر ڈبو دیا۔اس لئے اپنی رائے اور فیصلہ پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ہر ایک نبی میں یہ کمال تھا کہ ہر وقت خدا پر بھروسہ رکھتے۔اپنی عقل اور طاقت پر ان کو ایک ذرہ بھر اعتبار نہ تھا۔چونکہ وہ ہر وقت خدا سے مدد مانگتے ہیں۔اسی لئے ہر وقت اُن کو خدا سے مدد ملتی ہے بغیر خدا کے بغیر کوئی طاقت اور مدد نہیں ملتی اور عقل پر گھمنڈ کرے گا تو شہد کی مکھی کی جگہ نجاست کی مکھی کی طرح ہوگا۔لیکن اگر خدا سے مدد چاہے گا تو ایک نور اُسے ملیگا جس سے مدد پا کر وہ بڑی بڑی تجلیات الٰہی کا اگر مظہر بن جاوے تو سچ ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۹ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] الفاتحہ: ۵

معیّت و صُحبتِ امام کی ضرورت

کونوا مع الصادقین[1] بھی اسی واسطے فرمایا گیا ہے۔ سادہ سنگت بھی ایک ضرب المثل ہے پس یہ ضروری بات ہے کہ انسان باوجود علم کے اور باوجود قوت اور شوکت کے امام کے پاس ایک سادہ لوح کی طرح پڑا رہے تا اُس پر عمدہ رنگت آوے۔ سفید کپڑا اچھا رنگا جاتا ہے اور جس میں اپنی خودی اور علم کا پہلے سے کوئی مَیل کچیل ہوتا ہے اس پر عمدہ رنگ نہیں چڑھتا۔ صادق کی معیت⊛ میں انسان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اُسے نشانات دیئے جاتے ہیں جن سے اس کا جسم منور اور رُوح تازہ ہوتی ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۳ر مارچ ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

حضرت صاحب تشریف لائے تو کل کے نووارد مہمان بھی ہمراہ سیر کو چلے آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا

زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ ایک دن آنے کا ہے اور ایک دن جانے کا ہے۔ معلوم نہیں کب مرنا ہے۔ علم ایک طاقت انسان کے اندر ہے۔ اس کے اُوپر وساوس اور شبہات پڑتے ہیں۔ عادتوں کے کیڑے برتن کی مَیل کی طرح انسان کے اندر چمٹے ہوئے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ کونوا مع الصادقین[1]۔ پس اگر آپ چند روز یہاں ٹھہر

⊛ (البدر سے) "صادقوں کی صحبت میں رہنا بہت ضروری ہے خواہ انسان کیسا علم رکھتا ہو۔ طاقت رکھتا ہو۔ لیکن صحبت میں رہنے سے جو اُس کے شبہات دُور ہوتے ہیں اور اُسے علم حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے طور سے حاصل نہیں ہوتا۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۹ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] التوبۃ : ۱۱۹

جادیں تو اس میں آپ کا کیا حرج ہے؟ اس طرح ہر ایک بات کا موقعہ آپ کو مل جائیگا
دُنیا کے کام تو یونہی چلے چلتے ہیں ؎

کارِ دنیا کسے بتمام نہ کرد
ہرچہ گیرید مختصر گیرید

بہت لوگ ہمارے پاس آئے اور جلد رخصت ہونے لگے۔ ہم نے اُن کو منع کیا مگر وہ چلے گئے۔ آخر کار پیچھے سے انہوں نے خط روانہ کئے کہ ہم نے گھر پہنچکر بنایا تو کچھ نہیں اگر ٹھہر جاتے تو اچھا ہوتا اور انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ہمارا جلدی آنا ایک شیطانی وسوسہ تھا۔

مسیح موعود کی صحبت میں رہنے کی ضرورت

یہ مرحلہ اس لئے قابلِ طے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے کہ جب دنیا ختم ہونے پر ہوگی تو اس امت میں سے مسیح موعود پیدا ہوگا۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے پاس پہنچیں خواہ ان کو برف پر چل کر جانا پڑے۔ اس لئے صحبت میں رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ سلسلہ آسمانی ہے۔ پاس رہنے سے باتیں جو ہوں گی ان کو سُنیگا جو کوئی نشان ظاہر ہوا سے سوچے گا۔ آگے ہی زندگی کا کونسا اعتبار تھا مگر اب تو جب سے یہ سلسلہ طاعون کا شروع ہوا ہے کوئی اعتبار مطلق نہیں رہا۔ آپ نفس پر جبر کر کے ٹھہریئے اور جو شُبہ وخیال پیدا ہو وہ سُناتے رہیئے۔ اَن پڑھ اور اُمّی لوگ جو آتے ہیں ان کی باتیں اور شبہات کا سُننا بھی ہمارا فرض ہے۔ اس لئے آپ بھی اپنے شبہات ضرور سُنائیے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ہدایت ہو یا نہ ہو۔ ہدایت تو امر ربّی ہے۔ کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

مسلمان کون ہے؟

یہ بات سمجھنے والی ہے کہ ہر ایک مسلمان کیوں مسلمان کہلاتا ہے؟ مسلمان وہی

ہے جو کہتا ہے کہ اسلام برحق ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ قرآن کتاب آسمانی ہے۔ اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں ان سے باہر نہ جاؤں گا۔ نہ عقیدہ میں، نہ عبادت میں، نہ عملدرآمد میں۔ میری ہر ایک بات اور عمل اس کے اندر ہی ہوگا۔

گدی نشینوں کی حالت

اب اس کے مقابل پر آپ انصاف سے دیکھیں کہ آج کل گدی والے اس ہدایت کے موافق کیا کچھ کرتے ہیں۔ اگر وہ خدا کی کتاب پر عمل نہیں کرتے تو قیامت کو اس کا جواب کیا ہوگا کہ تم نے میری کتاب پر عمل نہ کیا۔ اس وقت طواف قبر، کنجریوں کے جلسے اور مختلف طریقے ذکر جن میں سے ایک انّہ کا ذکر بھی ہے، ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارا سوال ہے کہ کیا خدا بھول گیا تھا کہ اس نے یہ تمام باتیں کتاب میں نہ لکھ دیں نہ رسول کو بتائیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جانتا ہے اسے ماننا پڑے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمودہ کے باہر نہ جانا چاہیئے۔

اسلام اور بدعت کیا ہیں

کتاب اللہ کے برخلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب بدعت ہے اور سب بدعت فی النار ہے۔ اسلام اس بات کا نام ہے کہ بجز اس قانون کے جو مقرر ہے ادھر ادھر بالکل نہ جاوے۔ کسی کا کیا حق ہے کہ بار بار ایک شریعت بناوے۔

بعض پیرزادے چوڑیاں پہنتے ہیں۔ مہندی لگاتے ہیں۔ لال کپڑے ہمیشہ رکھتے ہیں۔ سدا سہاگن ان کا نام ہوتا ہے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو مرد تھے۔ اس کو مرد سے عورت بننے کی کیا ضرورت پڑی؟

ہمارا اصول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کتاب قرآن کے سوا اور طریق سنت کے سوا نہیں۔ کس شئے نے ان کو جرأت دی ہے کہ اپنی طرف سے وہ

ایسی باتیں گھڑلیں۔ بجائے قرآن کے کافیاں پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل قرآن سے کھٹا ہوا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو میری کتاب پر چلنے والا ہو وہ ظلمت سے نور کی طرف آوے گا اور کتاب پر اگر نہیں چلتا تو شیطان اس کے ساتھ ہوگا۔

بندگانِ خدا کی علامت

مگر جو خدا کے بندے ہوتے ہیں ان میں خوشبو اور برکت ہوتی ہے۔ فریب اور مکر سے اُن کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ جیسے آفتاب اُسے چمکتا ہوا نظر آتا ہے ایسے ہی دُور سے اس کی چمک دکھائی دیتی ہے اور دنیا میں اصل چمک انہیں کی ہے۔ یہ آفتاب اور قمر وغیرہ تو صرف نمونہ ہیں۔ ان کی چمک دائمی نہیں ہے کیونکہ یہ غروب ہو جاتے ہیں لیکن وہ غروب نہیں ہوتے۔ جس کو خدا اور رسول کی محبت کا شوق ہے اور ان کے خلاف کو پسند نہیں کرتا اور عفونت اور بدبُو کو محسوس کرنے کا اس میں مادہ ہو وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ طریق اسلام سے بہت بعید ہے۔ مثل یہود کے خدا نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ بلعم کی طرح اب مکر و فریب کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں رہا۔ صفائی والا انسان جلد دیکھ لیتا ہے کہ یہ جسم اس حقیقی رُوح سے خالی ہے۔

سجادہ نشینوں کے پَیرو

انسان توجہ کرے تو اسے پتہ لگتا ہے کہ جو لوگ صمٌّ بکمٌ ہو کر سجادہ نشینوں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں اور عرسوں وغیرہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اُن کو یہ خیال نہیں آتا۔ کہ وہ کونسی روشنی ہے جو خانہ کعبہ سے شروع ہوئی تھی اور تمام دنیا میں پھیلی تھی اور انہوں نے اس میں سے کس قدر حصہ لیا ہے۔ ان کو ہرگز وہ نُور نہیں ملتا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے لائے اور اس سے کُل دنیا کو فتح کیا۔ آج اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں تو ان لوگوں کو جو امت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کبھی شناخت بھی نہ کر سکیں۔ کونسا طریقہ آپ کا ان لوگوں نے رکھا ہے۔

شریعت کیا ہے؟

شریعت تو اسی بات کا نام ہے کہ جو کچھ آنحضرت نے دیا ہے اُسے لے لے۔ اور جس بات سے منع کیا ہے اس سے ہٹے۔ اب اس وقت قبروں کا طواف کرتے ہیں اُن کو مسجد بنایا ہوا ہے۔ عرس وغیرہ ایسے جلسے نہ منہاج نبوت ہے نہ طریق سُنّت ہے۔ اگر منع کرو تو غیظ و غضب میں آتے ہیں اور دشمن بن جاتے ہیں۔ چونکہ یہ آخری زمانہ ہے ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا لیکن اسی زمانہ کے فسادوں کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں اکیلا رہنا اور اکیلا مرجانا یا درختوں سے پنجہ مار کر مرجانا ایسی صحبتوں سے اچھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب چیزیں پوری ہو رہی ہیں۔ انسان دوسرے کے سمجھائے کچھ نہیں سمجھتا۔ دل میں کسی بات کا بٹھا دینا یہ خدا تعالےٰ کا کام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خدا جب کسی سے نیکی کرتا ہے تو اسے کچھ عطا کرتا ہے۔ اس کے دل میں فراست پیدا ہو جاتی ہے اور دل ہی معیار ہوتا ہے مگر محجوب دل کام نہیں آتا۔ یہ کام ہمیشہ پاک دل سے نکلتا ہے۔ من کان فی ھذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی[1]۔ ان باتوں کے لئے دعا کرنی چاہیئے۔

نیک اعمال کیلئے صحبتِ صادقین کی ضرورت ہے

خدا کے فضل کے سوا تبدیلی نہیں ہوتی۔ اعمال نیک کے واسطے صحبت صادقین کا نصیب ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ خدا کی سُنّت ہے ورنہ اگر چاہتا تو آسمان سے قرآن یونہی بھیج دیتا اور کوئی رسُول نہ آتا۔ مگر انسان کو عمل درآمد کے لئے نمونہ کی ضرورت ہے۔ پس اگر وہ نمونہ نہ بھیجتا رہتا تو حق مشتبہ ہو جاتا۔

مقام مسیح موعود

اب اس وقت علماء مخالف ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ تمہارے عقیدے وغیرہ سب خلافِ اسلام ہیں۔ اس میں میرا کیا گناہ ہے؟

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

مجھے تو خدا نے مامور کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان غلطیوں کو نکال دیا جاوے اور منہاج نبوت کو قائم کیا جاوے۔ اب لوگ میرے مقابل پر قصہ کہانیاں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ مجھے خود ہر ایک امر بذریعہ وحی و الہام بتلایا جاتا ہے۔ ان کے کہنے سے میں اسے کیسے چھوڑ دوں؟ ان کا عقیدہ ہے کہ جب مسیح آوے گا تو جس قدر غلطیاں ہوں گی ان کو نکال دیگا اگر اس نے سب کچھ انہیں کا قبول کرنا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا تو بتلاؤ کہ پھر اس کا کام کیا ہوگا؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہی طریق ایسے لوگوں کا تھا کہ دُور سے بیٹھے شور مچاتے اور پاس آکر نہ دیکھتے۔ ابوجہل نے مخالفت تو سالہا سال کی مگر پیغمبر خدا کی صحبت میں ایک دن بھی نہ بیٹھا حتیٰ کہ مر گیا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم[1]۔ اب ان سے پوچھا جاوے۔ کہ بلا تحقیق کے کیوں فتوے لگاتے ہو؟

علامات ظہور مہدی و مسیح کا پورا ہونا

یہ خود کہتے تھے کہ صدی کے سر پر آنے والا ہے۔ پھر انہیں کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا کہ کسوف و خسوف ہوگا۔ طاعون پڑے گی۔ حج بند ہوگا۔ ایک ستارہ جو مسیح کیوقت نکلا تھا نکل چکا ہے۔ اونٹوں کی سواری بیکار ہوگئی ہے۔ اسی طرح سب علامتیں پوری ہوگئی ہیں۔ مگر ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ابھی مسیح نہیں آیا یہ معنے رکھتا ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری نہ ہو۔ یہ سب اندرونی نشان ہیں۔ اب بیرونی دیکھئے کہ صلیب کا غلبہ کس قدر ہے۔ نصاریٰ نے تردید اسلام میں کیا کیا کوششیں کی ہیں اور خود اندرونی طور پر تقویٰ۔ زہد۔ ریاضت میں فرق آگیا ہے۔ برائے نام مسلمان ہیں۔ جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں خیانتیں کرتے ہیں۔ قرضہ لے کر دبا لیتے ہیں

اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ اسلام ہلاک ہوجاوے اور اندرونی اور بیرونی بلائیں اُسے کھا جائیں تو وہ کسی کو پیدا نہ کرتا۔ اس کا وعدہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون[2] کا

[1] بنی اسرائیل: ۳۷ [2] الحجر: ۱۰

کہاں گیا؟ اوّل تو تاڑ تاڑ مجدد آئے مگر جب مسلمانوں کی حالت تنزل میں ہوئی۔ بداطواری ترقی کرتی جاتی ہے۔ سعادت کا مادہ ان میں نہ رہا اور اسلام غرق ہونے لگا تو خدا نے ہاتھ اُٹھا لیا۔ جب کہو تو یہی جواب ہے کہ حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس دجّال آئیں گے۔ یہ بھی ایک دجّال ہے۔ او کمبختو! تمہاری قسمت میں دجّال ہی لکھے ہیں۔ غرض کہ یہ باتیں غور کے قابل ہیں مگر دل کے کھولنے کی کنجی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جبتک وہ نہ کھولے دل میں اثر نہیں ہوتا۔ ابوجہل بھی تو چودہ برس تک باتیں سنتا ہی رہا۔ یہی ہماری جماعت ہے اس کی کونسی عقل زیادہ ہے کہ انہوں نے حقیقت کو سمجھ لیا اور بعضوں نے نہ سمجھا۔ ایسے ہی دماغ اعضاء وغیرہ باقی سب مخالفوں کے ہیں مگر وہ اس حقیقت کو نہیں پہنچے۔ ان کے دلوں کو قفل لگے ہیں۔

دوکانداری کا جواب

مختلف اعتراضات کے جواب پر فرمایا کہ

اسے دکانداری کہتے ہیں۔ ہے تو دکان مگر خدا کی۔ اگر انسان کی ہوتی تو دیوالہ نکل جاتا ٹوٹ جاتی۔ مگر خدا کی ہے جو محفوظ ہے۔

ہمارے گروہ کی خدا نے خود مدد کی ہے کہ اتنی جلدی ترقی کر دی کہ یہ مسجدوں کے مُلّاں وغیرہ جب دیکھیں گے کہ اب اُن کی تعداد بہت ہے خود ہی ہاں میں ہاں ملادیں گے۔

مجلس قبل از عشاء

ایک خانساماں کی استقامت

بٹالہ میں ایک خانساماں جو مشنری لیڈی کے ہاں ملازم تھا حضرت صاحب کا خادم تھا۔ مشنری لیڈی نے اُسے اس تعصب کے باعث برخاست کر دیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اگر مکھن کھاتے دانت جاتے ہیں تو جاویں

مشنری لیڈی نے اُسے کہا تھا کہ تم اتنی دیر ہمارے پاس رہے اور اثر

نہ ہوا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ

اثر تو ہوا کہ اس نے مقابلہ کر کے دیکھ لیا کہ حق اِدھر ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۹، ۶۰ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۴ر مارچ ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

فرمایا کہ

جو شخص خدا کی طرف قدم اُٹھاتا ہے (اس پر) خدا سے نور اُترتا ہے۔ (وہ) اپنے فرشتوں کو اس کی خدمت کے واسطے مامور فرماتا ہے۔ جو اس کے واسطے کچھ کھوتا ہے اس کو اُس سے ہزار چند دیا جاتا ہے۔ دیکھو صحابہؓ میں سے سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا اور کمبل پوش بن پھرا تھا مگر جب خدا تعالیٰ نے اُسے دیا تو کیا دیا۔ دیکھ لو کیسی مناسبت ہے کہ اس نے چونکہ سب صحابہؓ سے اوّل خرچ کیا تھا اسے سب سے پہلے خلافت کا تخت عطا کیا گیا۔ غرض خدا کوئی بخیل نہیں اور نہ اس کے فیض خاص خاص ہیں بلکہ ہر ایک جو صدق دل سے طالب بنتا ہے۔ اُسے عزت دی جاتی ہے۔ یہ ہمارے دشمن تو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرتے ہیں۔ بھلا ان سے آسمانی باتیں اور تائیدات روکی جاسکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پرنالہ کے پانی کو تو کوئی روک بھی سکتا ہے مگر جو آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگ جاوے۔ اس کو کون روک سکے گا۔ اور اس کے آگے کونسا بند لگا دیں گے؟ ہمارا تو سارا کاروبار ہی آسمانی ہے۔ پھر بھلا کسی کی کیا مجال کہ اس میں کسی قسم کا حرج یا خلل واقع کر سکے۔[۱]

---

[۱] البدر میں بعض مزید باتوں کا ذکر ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ حضور نے فرمایا "تجربہ ہے (بقیہ اگلے صفحہ)

لمبی مونچھوں کی تعبیر

ایک خواب[1] کی تعبیر میں فرمایا کہ

اصل میں زیادہ لمبی لمبی (مونچھیں) رکھنا بھی تکبر اور نخوت کو بڑھاتا ہے۔ اسی واسطے شریعت اسلام نے فرمایا ہے کہ مونچھیں کٹواؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ یہ یہود اور عیسائی اور ہندوؤں کا کام ہے کہ وہ اکثر تکبّر سے مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور تاؤ دے کر ایک متکبرانہ وضع بناتے ہیں خصوصاً سکھ لوگ۔ مگر ہماری شریعت کیا پاک ہے کہ جس جگہ سے کسی قسم کی بدی کا احتمال بھی تھا اس سے بھی منع کر دیا۔ بھلا یہ باتیں کسی اَور میں کہاں پائی جاتی ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

بقیہ حاشیہ: کہ جب ہندوؤں میں سے مسلمان ہوتے ہیں تو وہ متقی ہوتے ہیں جیسے مولوی عبید اللہ صاحب۔ سناتن دھرم والے زوائد کو چھوڑ کر وہ تمام باتیں مانتے ہیں۔ جن کے ہم قائل ہیں۔ خدا کو خالق مانتے ہیں۔ فرشتوں پر بھی اُن کا ایمان ہے نیوگ کے سخت مخالف ہیں۔ جو لوگ اخلاص سے اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ کوئی شرط نہیں باندھتے جو شرطیں پیش کر کے اسلام لانا چاہتا ہے وہ ضرور کھوٹ رکھتا ہے (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] البدر میں ہے۔ "ایک صاحب نے عرض کی کہ خواب میں میں نے اپنی مونچھوں کو کترے ہوئے دیکھا ہے فرمایا کہ لبوں کے کترنے سے مراد انکساری اور تواضع ہے۔ زیادہ لب رکھنا تکبر کی علامت ہے جیسے انگریز اور سکھ وغیرہ رکھتے ہیں پیغمبر خدا نے اسی لئے اس سے منع کیا ہے کہ تکبر نہ رہے اسلام تو تواضع سکھاتا ہے جو خواب میں دیکھے تو اس میں فروتنی بڑھ جائیگی (ایضاً ایضاً)

۵ مارچ ۱۹۰۳ء

(دربارشام)

حضرت اقدس نے فارسی میں فرمایا لہذا اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:۔

دوستوں کی جُدائی پر غمگین ہونا

فرمایا:۔

خدائے[1] تعالیٰ نے یہ بات میرے دل میں ڈالی ہے اور میری فطرت میں رکھ دی ہے کہ جب کوئی دوست مجھ سے جُدا ہونے لگتا ہے مجھے سخت قلق اور درد محسوس ہوتا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ خدا جانے زندگی کا بھروسہ نہیں۔ پھر ملاقات نصیب ہوگی یا نہیں پھر میرے دل میں خیال آجاتا ہے کہ دوسروں کے بھی تو حقوق ہیں۔ بیوی ہے، بچے ہیں اور اَور رشتہ دار ہیں۔ مگر تاہم جو چند روز بھی ہمارے پاس رہتا ہے اس کے جُدا ہونے سے ہماری طبیعت کو صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ ہم بچے تھے اب بڑھاپے تک پہنچ گئے ہیں۔ ہم نے تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ انسان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ انسان خدا کے ساتھ تعلق پیدا کر لے۔

---

[1] (البدر سے) "ایک خادم نے حضرت اقدس سے رخصت طلب کی۔ ان کا وطن یہاں سے دور دراز تھا۔ اور ایک عرصہ سے آکر حضرت اقدس کے قدموں میں موجود تھے۔ اُن کے رخصت طلب کرنے پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ انسان کی فطرت میں یہ بات ہوتی ہے اور میری فطرت میں بھی ہے کہ جب کوئی دوست جدا ہونے لگتا ہے تو میرا دل غمگین ہوتا ہے کیونکہ خدا جانے پھر ملاقات ہو یا نہ ہو۔ اس عالم کی یہی وضع پڑی ہے خواہ کوئی ایک سو سال زندہ رہے آخر پھر جُدائی ہے۔ مگر مجھے یہ امر پسند ہے کہ عیدالاضحیٰ نزدیک ہے وہ کر کے آپ جاویں جب تک سفر کی تیاری کرتے رہیں۔ باقی مشکلات کا خدا حافظ ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

دُعا اور توکّل

ساری عقدہ کشائیاں دعا کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ہاتھ میں بھی اگر کسی کی خیر خواہی ہے تو کیا ہے۔ صرف ایک دُعا کا آلہ ہی ہے جو خدا نے ہمیں دیا ہے کیا دوست کے لئے اور کیا دشمن کے لئے۔ ہم سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے بس میں ایک ذرہ بھر بھی نہیں ہے مگر جو خدا ہمیں اپنے فضل سے عطا کر دے۔

انسان کو مشکلات کے وقت اگرچہ اضطراب ہوتا ہے مگر چاہیئے کہ توکّل کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بدر کے موقع پر سخت اضطراب ہوا تھا۔[۱] چنانچہ عرض کرتے تھے یا ربّ ان اھلکت ھٰذہ العصابۃ فلن تُعبَدَ فِی الارض ابداً۔ مگر آپ کا اضطراب فقط بشری تقاضا سے تھا کیونکہ دوسری طرف توکّل کو آپ نے ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ آسمان کی طرف نظر تھی اور یقین تھا کہ خدا

[۱] (البدر سے)

خدا کے بندے مایوس اور ضائع نہیں ہوتے

"اگرچہ انسان کو بشریت کے تقاضا سے اضطراب ہوتا ہے مگر وہ خاصۂ بشریت ہے اور سب انبیاء بھی اس میں شریک ہیں جیسے کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اضطراب ہوا تھا۔ مگر عام لوگوں میں اور انبیاء میں یہ فرق ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کے اضطراب میں یاس کبھی نہیں ہوتی۔ ان کو اس امر میں پورا یقین ہوتا ہے کہ خدا ضائع کبھی نہ کریگا۔

آگ میں پڑ کر بھی ضائع نہ ہونے کا یقین

میرا یہ حال ہے کہ اگر مجھے جلتی آگ میں بھی ڈالا جاوے تو بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ ضائع نہ ہوں گا۔ اضطراب تو ہوگا کہ آگ ہے اس سے انسان جل جاتا ہے مگر امید ہوتی ہے کہ ابھی آواز آ جاوے گی یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ[۲] لیکن دوسرے لوگوں کے اضطراب میں یاس ہوتا ہے۔ خدا پر اُن کو توقع نہیں ہوتی اور یہ کفر ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

[۲] الانبیاء: ۷۰

تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ یاس کو قریب نہیں آنے دیا تھا۔ ایسے اضطرابوں کا آنا تو انسانی اخلاق اور مدارج کی تکمیل کے واسطے ضروری ہے مگر انسان کو چاہیئے کہ یاس کو پاس نہ آنے دے کیونکہ یاس تو کفار کی صفت ہے۔ انسان کو طرح طرح کے خیالات اضطراب کا وسوسہ ڈالتے ہیں مگر ایمان ان وساوس کو دُور کر دیتا ہے۔ بشریّت اضطراب خریدتی ہے اور ایمان اس کو دفع کرتا ہے۔

حقیقت ایمان و عرفان

دیکھو ایمان جیسی کوئی چیز نہیں۔ ایمان سے عرفان کا پھل پیدا ہوتا ہے۔ ایمان تو مجاہدہ اور کوشش کو چاہتا ہے اور عرفان خدا تعالےٰ کی موہبت اور انعام ہوتا ہے عرفان سے مراد کشوف اور الہامات جو ہر قسم کی شیطانی آمیزش اور ظلمت کی ملونی سے سے مبرّا ہوں اور نور اور خدا کی طرف سے ایک شوکت کے ساتھ ہوں وہ مراد ہیں اور یہ خدا تعالےٰ کا فضل اور اس کی طرف سے موہبت اور انعام ہوتا ہے۔ یہ چیز کچھ کسبی چیز نہیں مگر ایمان کسبی چیز ہوتا ہے۔ اسی واسطے اوامر ہیں کہ یہ کرو۔ غرض ہزاروں احکام ہیں اور ہزاروں نواہی ہیں۔ ان پر پوری طرح سے کاربند ہونا ایمان ہے۔

غرض ایمان ایک خدمت ہے جو ہم بجا لاتے ہیں اور عرفان اس پر ایک انعام اور موہبت ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ خدمت کئے جاوے۔ آگے انعام دینا خدا کا کام ہے یہ مومن کی شان سے بعید ہونا چاہیئے کہ وہ اس انعام کے واسطے خدمت کرے۔

ذاتی محبت ہو خواہ کشوف و الہامات نہ ہوں

مکاشفات اور الہامات کے ابواب کے کھُلنے کے واسطے جلدی نہ کرنی چاہیئے۔ اگر تمام عمر بھی کشوف اور الہامات نہ ہوں تو گھبرانا نہ چاہیئے۔ اگر یہ معلوم کر لو کہ تم میں ایک عاشق صادق کی سی محبت ہے جس طرح وہ اس کے ہجر میں اس کے فراق میں بھوکا مرتا ہے پیاس سہتا ہے نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پانی کی پروا نہ اپنے تن بدن کی کچھ خبر

اسی طرح تم بھی خدا کی محبت میں ایسے محو ہو جاؤ کہ تمہارا وجود ہی درمیان سے گم ہو جاوے پھر اگر ایسے تعلق میں انسان مر بھی جاوے تو بڑا ہی خوش قسمت ہے۔ ہمیں تو ذاتی محبت سے کام ہے۔ نہ کشوف سے غرض نہ الہام کی پروا۔ دیکھو ایک شرابی شراب کے جام کے جام پیتا ہے اور لذت اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح تم اس کی ذاتی محبت کے جام بھر بھر کر پیو۔ جس طرح وہ دریا نوش ہوتا ہے اسی طرح تم بھی کبھی سیر نہ ہونے والے بنو۔ جب تک انسان اس امر کو محسوس نہ کر لے کہ میں محبت کے ایسے درجہ کو پہنچ گیا ہوں۔ کہ اب عاشق کہلا سکوں تب تک پیچھے ہرگز نہ ہٹے۔ قدم آگے ہی آگے رکھتا جاوے اور اس جام کو منہ سے نہ ہٹائے۔ اپنے آپ کو اس کے لئے بیقرار و شیدا و مضطرب بنا لو۔ اگر اس درجہ تک نہیں پہنچے تو کوڑی کے کام کے نہیں۔ ایسی محبت ہو کہ خدا کی محبت کے مقابل پر کسی چیز کی پروانہ ہو۔ نہ کسی قسم کی طمع کے مطیع بنو اور نہ کسی قسم کے خوف کا تمہیں خوف[1] ہو۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے کہ ؎

آنکہ ترا شناخت جاں را چہ کُند ٭ فرزند و عیال خانماں را چہ کُند

دیوانہ کنی و دو جہانش بخشی ٭ دیوانۂ تو دو جہاں را چہ کُند

---

[1] (البدر سے) "پس یہ تعلق محبت ایک چیز ہے جو کہ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت میں زیادہ ہو . . . جبتک انسان محسوس نہ کرے کہ وہ محبت جس کا نام عشق ہے اس نے اسے بیقرار کر دیا ہے تب تک اس نے کچھ نہیں پایا۔ ہزار ہا کشوف وغیرہ ہوں کچھ شئے نہیں ہیں۔ ہم تو ایک دمڑی کو نہیں خریدتے۔ کیا عمدہ کہا ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کُند ٭ فرزند و عیال و خانماں را چہ کُند

میں جو کبھی فرزندوں کا ذکر کیا کرتا ہوں یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اتفاقی طور پر اُن کا ذکر پیشگوئیوں میں آ گیا ہوا ہے ورنہ مجھے اس بات کی کچھ آرزو اور ہوس نہیں ہوتی" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

میں تو اگر اپنے فرزندوں کا ذکر کرتا ہوں تو نہ اپنی طرف سے بلکہ مجھے تو مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ کیا کروں اگر اس کے انعامات کا ذکر نہ کروں تو گنہگار ٹھہروں۔ چنانچہ ہر لڑکے کی پہلے اُسی نے خود اپنی طرف سے بشارت دی۔ اب میں کیا کروں۔ غرض انسان کا اصل مدعا تو صرف یہی چاہیئے کہ کسی طرح خدا کی رضا مل جاوے۔ ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم [1]

مدار نجات

مدار نجات صرف یہی امر ہے کہ سچا تقویٰ اور خدا کی خوشنودی اور خالق کی عبادت کا حق ادا کیا جاوے۔ الہامات و مکاشفات کی خواہش کرنا کمزوری ہے۔ مرنے کے وقت جو چیز انسان کو لذت دِہ ہوگی وہ صرف خدا تعالےٰ کی محبت اور اس سے صفائی معاملہ اور آگے بھیجے ہوئے اعمال ہوں گے جو ایمان صادق اور ذاتی محبت سے صادر ہوئے ہوں گے۔ من کان لِلّٰہِ کان اللہ لہٗ۔

عاشق معشوق بن جاتا ہے

اصل میں جو عاشق ہوتا ہے۔ آخرکار ترقی کرتے کرتے وہ معشوق بن جاتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کی توجہ بھی اس کی طرف پھرتی ہے۔ اور آخرکار ہوتے ہوتے کشش سے وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور عاشق معشوق کا معشوق بن جاتا ہے۔ جب جسمانی اور مجازی عشق و محبت کا یہ حال ہے کہ ایک معشوق اپنے عاشق کا عاشق بن جاتا ہے تو کیا روحانی رنگ میں جو اس سے زیادہ کامل ہے ایسا

---

[1] البدر میں اس کا پہلا مصرعہ بھی لکھا ہے

من ذرہ نہ آفتابم ہمہ از آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

ممکن نہیں کہ جو خدا سے محبت کرنے والا ہو آخرکار خدا اس سے محبت کرنے لگے اور وہ خدا کا محبوب بن جاوے؟ مجازی معشوقوں میں تو ممکن ہے کہ معشوق کو اپنے عاشق کی محبت کا پتہ نہ لگے مگر وہ خدا تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے۔ اس سے انسان مظہر کرامات الٰہی اور مورد عنایاتِ ایزدی ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی چادر میں مخفی ہو جاتا ہے۔ ان مکاشفات اور رویاء اور الہامات کی طرف سے توجہ پھیر لو اور ان امور کی طرف تم خود بخود جُرأت کرکے درخواست نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جلد بازی کرنے والے ٹھہرو۔ اکثر لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا ورد وظیفہ بتا دو کہ جس سے ہمیں الہامات اور مکاشفات ہونے شروع ہو جاویں۔ مگر میں ان کو کہتا ہوں کہ ایسا کرنے سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔ شرک یہی نہیں کہ بُتوں کی پُوجا کی جاوے بلکہ سخت شرک اور بڑا مشکل مرحلہ تو نفس کے بُت کو توڑنا ہوتا ہے۔ تم ذاتی محبت خریدو اور اپنے اندر وہ قلق وہ سوزش وہ گداز وہ رقت پیدا کرو جو ایک عاشق صادق کے اندر ہوتی ہے۔ دیکھو کمزور ایمان جو طمع یا خوف کے سہارے پر کھڑا ہو وہ کام نہیں آتا۔ بہشت کی طمع یا دوزخ کا خوف وغیرہ امور پر اپنے ایمان کا تکیہ نہ لگاؤ۔ بھلا کبھی کسی نے کوئی عاشق دیکھا ہے کہ وہ معشوق سے کہتا ہو کہ میں تجھ پر اس واسطے عاشق ہوں کہ تو مجھے اتنا روپیہ یا فلاں شئے دے دے۔ ہرگز نہیں۔ دیکھو ایسی طبعی محبت پیدا کرو جیسے ایک ماں کو اپنے بچہ سے ہوتی ہے۔ ماں کو نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کیوں بچہ سے محبت کرتی ہے۔ اس میں ایک طبعی کشش اور ذاتی محبت ہوتی ہے۔

دیکھو اگر کسی ماں کا بچہ گُم ہو جاوے اور رات کا وقت ہو تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ جوں جوں رات زیادہ ہو گی اور اندھیرا بڑھتا جاوے گا اس کی حالت دگرگوں ہوتی جاوے گی گویا زندہ ہی مر گئی ہے۔ مگر جب اچانک اس سے اس کا فرزند مل جاوے تو اس کی وہ حالت کیسی ہوتی ہے۔ ذرا مقابلہ کرکے تو دیکھو۔ پس صرف ایسی محبت ذاتی اور کامل ایمان سے ہی انسان دارالامان میں پہنچ سکتا ہے۔ سارے رسُول خدا تعالےٰ

کو اس لئے پیارے نہ تھے کہ ان کو الہامات ہوتے تھے ان کے واسطے مکاشفات کے دروازے کھولے گئے ہیں یا نہیں بلکہ اُن کی ذاتی محبت کی وجہ سے وہ ترقی کرتے کرتے خدا کے معشوق اور محبوب بن گئے تھے۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ نبی کی نبوت سے اس کی ولائت افضل ہے۔

اسی لئے ہم نے اپنی جماعت کو بارہا تاکید کی ہے کہ تم کسی چیز کی بھی ہوس نہ رکھو۔ پاک دل اور بے طمع ہو کر خدا کی محبتِ ذاتی میں ترقی کرو۔ جب تک ذاتی محبت نہیں تب تک کچھ بھی نہیں۔ مگر جو کہتے ہیں کہ ہم کو خدا سے ذاتی محبت ہے اور اس کے نشان ان میں نہیں پائے جاتے یہ اُن کا دعوئی غلط ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک مجازی عاشق میں تو عشق کے آثار اور نشانات کھُلے کھُلے پائے جائیں بلکہ کہتے ہیں کہ عشق چھپائے سے چھُپ نہیں سکتا تو کیا وجہ کہ روحانی عشق پوشیدہ رہ جائے۔ اس کے کچھ نشان ظاہر نہ ہوں۔ دھوکا کھاتے ہیں ایسے لوگ ان میں محبت ہی نہیں ہوتی۔

صحبت صادقین اختیار کرو

اسی واسطے اللہ تعالٰے فرماتا ہے کونوا مع الصادقین[1] یعنی صادق لوگوں کے معیت اختیار کرو۔ ان کی صحبت میں مدتہائے دراز تک رہو کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص چند روز اُن کے پاس رہ جاوے اور ان ایام میں حکمتِ الٰہی سے کوئی ایسا امر واقع نہ ہو کیونکہ ان لوگوں کے اختیار میں تو نہیں کہ جب چاہیں کوئی نشان دکھا دیں۔ اسی واسطے ضروری ہے کہ اُن کی صحبت میں لمبا عرصہ اور دراز مدت گذر جاوے بلکہ نشان دکھانا تو درکنار یہ لوگ تو اپنے خدا کے ساتھ تعلقات کا اظہار بھی گناہ جانتے ہیں۔ لکھا ہے کہ اگر کوئی ولی خلوت میں اپنے خدا کے ساتھ خاص حالت اور تعلق کے جوش میں ہو۔ اور اس پر وہ حالت طاری ہو تو ایسے وقت میں اگر کوئی شخص اس کے اس حال سے آگاہ ہو جائے تو وہ ولی شخص ایسا شرمندہ اور پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی زانی عین زنا کی

[1] التوبہ : ۱۱۹

حالت میں پکڑا جاوے کیونکہ یہ لوگ اپنے راز کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔

چونکہ طبعاً ایسا معاملہ تھا خدا تعالیٰ نے اسی واسطے کہا ۲۲۶-۲۲۷

کونوا مع الصّادقین[۱]

کفار نے جو یہ کہا تھا کہ ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق[۲] تو انہوں نے بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حالت دیکھ کر ہی یہ کلمہ منہ سے نکالا تھا کہ کیا ہے جی۔ یہ تو ہمارے جیسا آدمی ہی ہے۔ کھاتا پیتا بازاروں میں پھرتا ہے اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیض نہ تھا کہ اُن کو کوئی رسالت کا امر نظر آتا۔ وہ معذور تھے۔ انہوں نے جو دیکھا تھا اسی کے مطابق رائے زنی کردی۔ پس اس واسطے ضروری ہے کہ مامور من اللہ کی صحبت میں دیر تک رہا جاوے۔ ممکن ہے کہ کوئی جس نے نشان کوئی نہ دیکھا ہو کہدے کہ ابجی ہماری طرح نماز روزہ کرتا ہے اور کیا ہے۔

حج کا ذِکر

دیکھو حج کے واسطے جانا خلوص اور محبت سے آسان ہے مگر واپسی ایسی حالت میں مشکل۔ بہت ہیں جو وہاں سے نامراد اور سخت دل ہو کر آتے ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہاں کی حقیقت اُن کو نہیں ملتی۔ قشر کو دیکھ کر رائے زنی کرنے لگ جاتے ہیں وہاں کے فیوض سے محروم ہوتے ہیں اپنی بدکاریوں کی وجہ سے اور پھر الزام دوسروں پر دھرتے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہے کہ مامور کی خدمت میں صدق اور استقلال سے کچھ عرصہ رہا جاوے تاکہ اس کے اندرونی حالات سے بھی آگاہی ہو اور صدق پورے طور پر نورانی ہو جاوے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

[۱] التوبہ : ۱۱۹ [۲] الفرقان : ۸

سناتن دھرم

ہندوؤں کا ذکر چل پڑا۔ فرمایا:۔

یہ جو میں نے ایک اور رسالہ لکھا ہے اس کا نام سناتن دھرم ہی رکھا ہے یہ لوگ اسلام کے بہت ہی قریب ہیں۔ اگر زوائد کو چھوڑ دیں۔ بلکہ میں نے اُن سے سُنا ہے اور پڑھا بھی ہے کہ جب یہ جوگی ہو کر خدا کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ تو اس وقت بُت پرستی کو حرام جانتے ہیں۔ ابتدا میں صرف تمثیلی طور پر بُت پرستی انہوں نے غلطی سے رکھ لی لیکن اعلیٰ مراتب پر پہنچ کر اُسے اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ قریب ہو کر پھر بعید نہ ہوں اور اس حالت میں جو مرتا ہے اسے جلاتے بھی نہیں بلکہ دفن کرتے ہیں۔

کَلِمَۃُ اللّٰہ

کلمۃ اللہ پر فرمایا کہ

وجودیوں کی طرف تو ہم نہیں جاتے مگر جبتک کلمۃ اللہ نہ کہا جاوے تو بات بھی نہیں بنتی۔ یہ علم بہت گہرا ہے۔ جو شئے خدا سے نکلی ہے اس پر رنگ تو خدا کا ہے مگر یہ لوگ اُسے خدا سے الگ خیال نہیں کرتے۔

فیض کے یہ معنے ہیں کہ ہدایت ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۶ مارچ ۱۹۰۳ء

بَلاؤں سے بچنے کا طریق

جمعہ کی نماز مسجد اقصیٰ میں ادا کرنے کے بعد چند ایک گردونواح کے آدمیوں نے بیعت کی۔ بیعت کے بعد حضرت اقدس کھڑے ہو گئے اور

آپ نے اُن سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ

جب آدمی توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے پہلے گناہ بخش دیتا ہے[1]۔ قرآن میں اس کا وعدہ ہے۔ ہر طرح کے دُکھ انسان کو دنیا میں ملتے ہیں مگر جب خدا کا فضل ہوتا ہے تو ان سب بلاؤں سے انسان بچتا ہے۔ اس لئے تم لوگ اگر اپنے وعدہ کے موافق قائم رہوگے تو وہ تم کو ہر ایک بُلا سے بچائے گا۔ نماز میں پکے رہو۔ جو مسلمان ہوکر نماز نہیں ادا کرتا وہ بے ایمان ہے۔ اگر وہ نماز ادا نہیں کرتا وہ بے ایمان ہے تو بتلاؤ ایک ہندو میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ زمینداروں کا دستور ہے کہ ذرا ذرا سے عذر پر نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ کپڑے ... [2] کا بہانہ کرتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اور کپڑے نہ ہوں تو اسی میں نماز پڑھ لے اور جب دوسرا کپڑا مل جاوے تو اس کو بدل دے۔ اسی طرح اگر غسل کرنے کی ضرورت ہو اور بیمار ہو تو تیمم کر لے۔ خدا نے ہر ایک قسم کی آسانی کر دی ہے تاکہ قیامت میں کسی کو عذر نہ ہو۔

اب ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ شطرنج گنجفہ وغیرہ بیہودہ باتوں میں وقت گذارتے ہیں۔ ان کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ اگر ہم ایک گھنٹہ نماز میں گذار دیں گے تو کیا حرج ہوگا؟ سچے آدمی کو خدا مصیبت سے بچاتا ہے اگر پتھر بھی برسیں تو بھی اُسے ضرور بچاوے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سچے اور جھوٹے میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ لیکن یاد رکھو کہ صرف ٹکریں مارنے سے خدا راضی نہیں ہوتا۔ کیا دنیا اور کیا دین میں جب تک پُوری بات نہ ہو فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ جیسے میں نے کئی بار بیان کیا ہے کہ روٹی اور پانی سیر ہوکر نہ کھائے

---

[1] حاشیہ (الحکم سے) "اللہ تعالیٰ ان کو طرح طرح کی ذلتوں اور خواریوں سے بچا لیتا ہے"
(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] حاشیہ۔ اس جگہ البدر میں جو لفظ ہے وہ ٹھیک پڑھا نہیں جاتا۔ الحکم میں یہ فقرہ واضح ہے تحریر ہے "کپڑوں کے میلا ہونے کا عذر کر دیتے ہیں" (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۳ء)

پٹنے تو وہ کیسے بچ سکتا ہے؟ یہ موت طاعون کی جو اَب آئی ہے یہ اس وقت ٹلے گی کہ انسان پُورا قدم رکھے[1]۔ ادھورے قدم کو خدا پسند نہیں کرتا۔

معافی اور مؤاخذہ

جو بات طاقت سے باہر ہے وہ تو خدا معاف کر دے گا مگر جو طاقت کے اندر ہے اس سے مواخذہ ہوگا۔ جب انسان نیک بنتا ہے تو اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے خدا کی رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں۔ سچا مومن ولی کہلاتا ہے اور اس کی برکت اُس کے گھر اور اس کے شہر میں ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے وہ نجاست کھاتا ہے۔ اگر انسان بدی کو خدا کے خوف سے چھوڑ دے تو خدا اس کی جگہ نیک بدلہ اُسے دیتا ہے۔ مثلاً ایک چور اگر چوری کرتا ہے اور وہ چوری کو چھوڑ دے تو پھر خدا اُس کی وجہ معاش حلال طور سے کر دے گا۔ اسی طرح زمینداروں میں پانی وغیرہ چرانے کا دستور ہوتا ہے اگر وہ چھوڑ دیں تو خدا اُن کی کھیتی میں دوسری طرف سے برکت دے دیگا۔

---

[1] (الحکم سے) "دیکھو آج کل طاعون بڑی خوفناک پڑی ہوئی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو بچالے گا۔ عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے فقط زبانی اقرار ہی کافی نہیں اور نہ ادھوری نمازیں کافی ہو سکتی ہیں۔ بھلا ایک شخص جس کو پیاس شدت کی لگی ہوئی ہو کیا ایک قطرہ پانی سے وہ اپنی پیاس بجھا سکتا ہے؟ یا سخت بھوک لگی ہوئی ہو تو ایک ذرہ اناج سے پیٹ بھر سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اسی طرح پر کوئی شخص ادھوری اور ناقص نمازوں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں بچا سکتا۔ پس اپنی نمازوں کو درست کرو۔ ہر ایک قسم کی شکایت۔ گلہ۔ غیبت۔ جھوٹ۔ افترا۔ بدنظری وغیرہ سے اپنے تئیں بچائے رکھو۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ایک نیک متقی زمیندار کے واسطے خدا تعالیٰ بادل کا ٹکڑا بھیج دیا کرتا ہے اور اس کے طفیل دوسرے کھیت بھی سیراب ہو جاتے ہیں۔ خدا کو چھوڑ کر بدی اور گند میں رہنا صرف خدا کی نافرمانی ہی نہیں بلکہ اس میں خدا تعالےٰ پر ایمان میں بھی شک ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان اس میں نہیں ہوتا۔ اور زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان اس میں نہیں ہوتا۔

یاد رکھو کہ وسوسے جو بلا ارادہ دل میں پیدا ہوتے ہیں ان پر مؤاخذہ نہیں ہوتا جب پکّی نیّت انسان کسی کام کی کرے تو اللہ تعالےٰ مؤاخذہ کرتا ہے اچھا آدمی وہی ہے جو دل کو ان باتوں سے ہٹا دے۔ ہر ایک عضو کے گناہوں سے بچے۔ ہاتھ سے کوئی بدی کا کام نہ کرے۔ کان سے کوئی بُری بات چغلی۔ غیبت۔ گلہ وغیرہ نہ سُنے آنکھ سے محرّمات پر نظر نہ ڈالے۔ پاؤں سے کسی گناہ کی جگہ چل کر نہ جاوے۔

طاعون سے بیخوف نہ ہو

بار بار میں کہتا ہوں کہ تم لوگ طاعون سے بے خوف نہ ہو اور یہ نہ سمجھو کہ اب اس کا دورہ ختم ہو گیا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو کیوں نہیں آتی اور وہ بدی پر مصر ہیں ان کو وہ ضرور پکڑے گی۔ اس کا دستور ہے کہ اول دُور دُور رہتی ہے۔ اب دیکھو مکہ میں قحط بھی پڑا۔ وبا بھی آئی لیکن ابو جہل کا بال بھی بیکا نہ ہوا حالانکہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ ۱۴ برس تک خدا تعالیٰ نے اُسے ایسا رکھا کہ سر درد تک نہ ہوا۔ آخر وہاں ہی قتل ہوا جہاں پیغمبر خدا نے اس کا نشان بتایا تھا۔ اس دنیا میں اللہ تعالےٰ سب کام پردے سے کرتا ہے اگر وہ قہری تجلّی ایک دن دکھا دے تو سب ہندو وغیرہ مسلمان ہو جاویں۔ تم میں سے کوئی تکبّر اور غرور سے یہ نہ کہے کہ مجھے طاعون نہیں آتی۔ خدا تعالےٰ شریروں کو اس لئے مہلت دیتا ہے کہ شاید باز آجاویں اور ہدایت ہو۔[1]

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

بیعت کرنے والوں کو نصیحت

آج تم لوگوں نے توبہ کی ہے۔ اگر سچے دل سے کی ہے تو پہلے سارے گناہ ہو گئے اب اس وقت سے پھر نیا حساب کتاب شروع ہوگا۔ فرشتوں کو حکم ہوا ہے کہ تمہارے گذشتہ اعمال نامے سب چاک کر دیں اور تم نے اب ایک نیا جنم لیا ہے۔ یاد رکھو کہ جیسے ایک آقا نے اپنے غلام کے بہت سے گناہ معاف کر دیئے ہوں اور اُسے تاکید ہو کہ اب کرو گے تو سخت سزا ہوگی۔ پھر اگر وہ کوئی قصور کرے تو اُسے سخت غصہ آتا ہے۔ ایسا ہی حال خدا تعالےٰ کا ہے۔ خدا قہار ہے۔ اگر اس کے بعد کوئی باز نہ آیا تو اس کا غضب بھڑکے گا۔ جیسے وہ ستّار ہے ویسا ہی منتقم اور غیور بھی ہے۔ قرآن کو بہت پڑھو۔ نمازوں کو ادا کرو۔ عورتوں کو سمجھاؤ۔ بچوں کو نصیحت کرو۔ کوئی عمل اور بدعت ایسی نہ کرو جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو خدا تعالےٰ تم میں اور دوسرے لوگوں میں فرق کر کے دکھلا دے گا۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ (الحکم سے)

"جو لوگ یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ اگر خدا ہے تو ہم کو ہمارے گناہوں کے بدلے کیوں عذاب نہیں دیتا اور نہیں پکڑتا۔ وہ دلیری کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کے کام آہستہ اور پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ قہری تجلّی کرے تو ایک لحظہ میں تباہ کر دے۔ دنیا میں بھی سارے کام تدریجی ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص گڑ یا ریوڑیاں تقسیم کرے تو یکدم سب کو نہیں دے دیتا بلکہ ایک ایک کر کے۔ ایسا ہی خدا تعالےٰ کا حال ہے۔ پہلے وہ دُور دُور بلائیں بھیجتا ہے تا کہ بعض سعید الفطرت لوگوں کو جو شامتِ اعمال میں گرفتار ہو گئے ہیں توبہ و استغفار کا موقعہ ملے وہ بچ جاتے ہیں اور شریر پکڑے جاتے ہیں۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

مجلس قبل از عشاء

جس صاحب نے کل حضرت اقدس سے رخصت طلب کی تھی ان سے مخاطب
ہو کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہی مناسب ہے کہ عید کی نماز کے بعد روانہ ہوں کیونکہ پھر سخت گرمی کا موسم آنے والا ہے۔ سفر میں بہت تکلیف ہوگی۔ میں نے جیسا آپ سے وعدہ کیا ہے دعا کرتا رہونگا مجھے کسی امیر یا بادشاہ کا خطرہ نہیں ہے۔ میرا کام دعا کرنا ہے۔

رخصت ہونے والے احمدی دوست نے کہا کہ حضرت جب سے میں آپ پر ایمان لایا ہوں۔ میں آجتک فرق نہیں کر سکا کہ میری محبت آپ سے زیادہ ہے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اور ایسے ہی نہیں معلوم کہ میں خدا سے زیادہ پیار کرتا ہوں یا آپ سے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ فطرت انسانی ہے یعمل علےٰ شاکلتہٖ[1] یہی ہے۔ جب زر کو آگ میں ڈالتے ہیں تو آخر کار وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے کہ آگ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں رہتا اور اگر وہ آگ سے الگ ہو جاوے تو بھی ایک مفید شئے ضرور رہتا ہے۔ صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ چمک اس میں نہیں رہتا۔ آگ اپنے رنگ میں لاکر چمک اس سے دور کر دیتی ہے

توبہ کی انتہا، مقام فنا ہے

توبہ کی انتہا، فنا ہے جس کے معنے رجوع کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک ہونا یہی آگ ہے جس سے انسان صاف ہوتا ہے۔ جو شخص اس کے نزدیک قدم رکھنے سے ڈرتا ہے کہ کہیں آگ سے جل نہ جاوے وہ ناقص ہے لیکن جو قدم آگے رکھتا ہے اور جیسے پروانہ آگ میں گر کر اپنے وجود کو جلاتا ہے ویسے ہی وہ بھی گرتا ہے۔ وہ کامیاب ہوتا ہے۔ مجاہدات کی انتہا، فنا ہی ہے۔

[1] بنی اسرائیل : ۸۵

مقام لقاء

اس کے آگے جو لقاء ہے وہ امر کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ اس کاروبار کا انتہا مَرنا ہے اور یہ تخم ریزی ہے۔ اس کے بعد روئیدن یعنی پیدا کرنا وہ فعل خدا کا ہے۔ ایک دانہ زمین میں جا کر جب بالکل نیست ہوتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ اُسے سبزہ بنا دیتا ہے مگر یہ مرحلہ بہت خوفناک ہے۔ بالکل ٹھیک کہا ہے ؎

عِشق اوّل سرکش و خُونی بود

تا گریزد ہر کہ بیرُونی بود

جب آدمی سلوک میں قدم رکھتا ہے تو ہزارہا بلا اس پر نازل ہوتی ہیں جیسے جنّات اور دیو نے حملہ کر دیا ہے۔ مگر جب وہ شخص فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں اب واپس نہ ہوں گا اور اسی راہ میں جان دے دوں گا تو پھر وہ حملہ نہیں ہوتا اور آخرکار وہ بلا ایک باغ میں متبدّل ہو جاتی ہے اور جو اس سے ڈرتا ہے اس کے لئے وہ دوزخ بن جاتی ہے۔ اس کا انتہائی مقام بالکل دوزخ کا تمثّل ہوتا ہے تاکہ خدا تعالیٰ اُسے آزماوے جس نے اس دوزخ کی پروانہ کی وہ کامیاب ہوا۔ یہ کام بہت نازک ہے۔ بجز موت کے چارہ نہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۲ مورخہ ۱۳؍مارچ ۱۹۰۳ء)

۹؍مارچ ۱۹۰۳ء

سَیر

وبازدہ علاقہ میں ماموریا نبی کے جانے کی تعبیر

ایک شخص کی خواب پر فرمایا کہ

معبّرین نے لکھا ہے کہ اگر وبائی جگہ پر کوئی ماموریا نبی گیا ہوا دیکھا جاوے تو

جانا چاہیئے کہ وہاں آرام ہوگا کیونکہ وہ لوگ خدا کی رحمت ساتھ لاتے ہیں۔

طاعون کے متعلق ایک رؤیا

فرمایا کہ

رات کو میں نے ایک خواب دیکھی کہ ایک شخص نے مجھے ایک پروانہ دیا ہے وہ لمبا سا کاغذ ہے۔ میں نے پڑھا تو لکھا ہوا تھا کہ عدالت سے چار جگہ کے لئے طاعون کا حکم جاری کیا گیا ہے۔ اس پروانہ سے پایا جاتا تھا کہ اس کا اجراء میں نے کیا ہے جیسے کاغذات محافظ دفتر کے پاس ہوتے ہیں ویسے ہی وہ میرے پاس ہے۔ میں نے کہا کہ یہ حکم ایک عرصہ سے ہے اور اس کی تعمیل آج تک نہ ہوئی؟ اب میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ اس سے مجھے ایک خوف طاری ہوا۔ اور تمام رات میں اسی خدشہ میں رہا اور اس پر روشن خط میں لفظ **طاعون** کا لکھا تھا گویا حکم میرے نام آتا ہے اور میں جاری کرتا ہوں۔ پھر میں نے دیکھا کہ اپنی جماعت کے چند آدمی کشتی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا آؤ۔ میں تم کو ایک خواب سناؤں مگر وہ نہ آئے۔ میں نے کہا کیوں نہیں سنتے جو شخص خدا کی باتیں نہیں سنتا وہ دوزخی ہوتا ہے۔

التحیات میں انگشت سبابہ اُٹھانے کی حکمت

ایک شخص نے سوال کیا کہ التحیات کے وقت نماز میں انگشت سبابہ کیوں اُٹھاتے ہیں؟ فرمایا کہ

لوگ زمانہ جاہلیت میں گالیوں کے واسطے یہ انگلی اُٹھایا کرتے تھے اس لئے اس کو سبابہ کہتے ہیں یعنی گالی دینے والی۔ خدا تعالیٰ نے عرب کی اصلاح فرمائی اور وہ عادت ہٹا کر فرمایا کہ خدا کو واحد لاشریک کہتے وقت یہ انگلی اُٹھایا کرو تا اس سے وہ

الزام اُٹھ جاوے۔ ایسے ہی عرب کے لوگ پانچ وقت شراب پیتے تھے۔ اس کے عوض میں پانچ وقت نماز رکھی۔

اس کے بعد اس امر پر ذکر رہا کہ

ہر ایک فرقہ میں نذیر آیا ہے جیسے قرآن سے ثابت ہے۔ اسی لئے رام چندر اور کرشن وغیرہ اپنے زمانہ کے نبی وغیرہ ہوں گے۔

مُفت اشاعت برائے تبلیغ

عرب صاحب نے سوال کیا کہ لوگ آپ کو سادہ مزاج کہتے ہیں۔

اس لئے کہ کتب مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ

گفتہ اند کہ نکوئی کن و در آب انداز۔ کتابیں ہم مفت دیتے ہیں مگر اس میں ہماری سادگی نہیں ہے۔ نہ ہم غلطی پر ہیں۔ ہمارا منشا تبلیغ کا ہوتا ہے۔ اگر ہزار کتاب شائع ہو اور ایک شخص بھی راہ راست پر آجاوے تو ہمارا مطلب پورا ہو گیا۔[1]

ایک جامع درس

نو مارچ کے دربار شام میں حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جامع تقریر فرمائی۔ ہم کو افسوس ہے کہ اس روز ہم ایک مصروفیت کی وجہ سے موجود نہ تھے اس لئے اس تقریر کو خود قلمبند نہیں کر سکے تاہم ہمارے ایک عزیز نے اس کے کچھ نوٹ لئے تھے جن کو مرتب کر کے ناظرین کے فائدے کے لئے ما لایدرک کلّہٗ لایترک کلّہٗ پر عمل کرنے کے لئے اُسے ہی پیش کر دیتے ہیں (ایڈیٹر الحکم)

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۵-۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء

چند احباب بتقریب نماز عید الاضحیٰ دارالامان میں تشریف لائے اور انہوں نے بیعت کی حضرت اقدس امام پاک علیہ السلام نے کھڑے ہو کر یہ تقریر فرمائی

نو مبائعین کو نصیحت

فرمایا:-

دیکھو جس قدر آپ لوگوں نے اس وقت بیعت کی ہے اور جو پہلے کر چکے ہیں اُن کو چند کلمات بطور نصیحت کے کہتا ہوں۔ چاہیئے کہ اُسے پُوری توجہ سے سُنیں۔

آپ لوگوں کی یہ بیعت۔ بیعت توبہ[ل] ہے۔ توبہ دو طرح ہوتی ہے ایک تو گذشتہ گناہوں سے یعنی ان کی اصلاح کرنے کے واسطے جو کچھ پہلے غلطیاں کر چکا ہے ان کی تلافی کرے۔ اور حتی الوسع ان بگاڑوں کی اصلاح کی کوشش کرنا اور آئندہ کے گناہوں سے باز رہنا اور اپنے آپ کو اس آگ سے بچائے رکھنا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ توبہ سے تمام گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ توبہ صدق دل اور خلوص نیت سے ہو۔ اور کوئی پوشیدہ دغابازی دل کے کسی کونہ میں پوشیدہ نہ ہو۔ وہ دلوں کے پوشیدہ اور مخفی رازوں کو جانتا ہے۔ وہ کسی کے دھوکہ میں نہیں آتا پس چاہیئے کہ اس کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کی جاوے۔ اور صدق سے نہ نفاق سے اس کے حضور توبہ کی جاوے۔

توبہ انسان کے واسطے کوئی زائد یا بیفائدہ چیز نہیں ہے اور اس کا اثر صرف

[ل] البدر میں یُوں لکھا ہے:-

"بیعت دراصل توبہ ہوتی ہے اور بیعت کے دو جز ہیں
اول: پچھلے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں۔
دوم بیعت میں آئندہ گناہوں سے بچنے کے لئے وعدہ کیا جاتا ہے"

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

قیامت پر ہی منحصر نہیں بلکہ اس سے انسان کی دنیا اور دین دونو سنور جاتے ہیں۔ اور اُسے اِس جہان میں اور آنے والے جہان دونو میں آرام اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے دیکھو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[1] اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں بھی آرام اور آسائش کے سامان عطا فرما اور آنے والے جہاں میں بھی آرام اور راحت عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

لفظ رَبَّنَا کی تشریح

دیکھو دراصل رَبَّنَا کے لفظ میں توبہ ہی کی طرف ایک باریک اشارہ ہے۔ ⊠ کیونکہ رَبَّنَا کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ بعض اور ربّوں کو جو اُس نے پہلے بنائے ہوئے تھے اُن سے بیزار ہو کر اس رب کی طرف آیا ہے اور یہ لفظ حقیقی درد اور گداز کے سوا انسان کے دل سے نکل ہی نہیں سکتا۔ رَبّ کہتے ہیں بتدریج کمال کو پہنچانے والے اور پرورش کرنے والے کو۔ اصل میں انسان نے بہت سے ارباب بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنے حیلوں اور دغابازیوں پر اُسے پُورا بھروسہ ہوتا ہے تو وہی اس کے رَبّ ہوتے ہیں۔ اگر اُسے اپنے علم کا یا قوت بازو کا گھمنڈ ہے تو وہی اس کے رب ہیں۔ اگر اُسے اپنے حُسن یا مال و دولت پر فخر ہے تو وہی اس کا رب ہے۔ غرض اس طرح کے ہزاروں اسباب اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ جب تک ان سب کو ترک کر کے ان

✲ البدر میں ہے " توبہ ایک ایسی چیز ہے جو اس جہان میں بھی اپنا پھل لاتی ہے اور آخرت میں بھی"

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

⊠ البدر میں ہے " قرآن میں جہاں لفظ رب آتا ہے اس کے معنے کا تعلق توبہ سے ہوتا ہے" (ایضاً)

[1] البقرۃ : ۲۰۲

سے بیزار ہو کر اس واحد لاشریک سچے اور حقیقی رب کے آگے سرِ نیاز نہ جھکائے اور ربّنا کی پُردرد اور دل کو پگھلانے والی آوازوں سے اس کے آستانہ پر نہ گرے۔ تب تک وہ حقیقی رب کو نہیں سمجھا۔ پس جب ایسی دلسوزی اور جانگدازی سے اُس کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کرتا اور اُسے مخاطب کرتا ہے کہ رَبَّنَا یعنے اصلی اور حقیقی رب تو تُو ہی تھا مگر ہم اپنی غلطی سے دوسری جگہ بھٹکتے پھرتے رہے اب میں نے ان جھوٹے بُتوں اور باطل معبودوں کو ترک کر دیا ہے اور صدق دل سے تیری ربُوبیت کا اقرار کرتا ہوں۔ تیرے آستانہ پر آتا ہوں۔

غرض بجز اس کے خدا کو اپنا ربّ بنانا مشکل ہے جب تک انسان کے دل سے دوسرے ربّ اور ان کی قدر و منزلت و عظمت و وقار نکل نہ جاوے تب تک حقیقی ربّ اور اس کی ربُوبیّت کا ٹھیکہ نہیں اُٹھاتا۔

بعض لوگوں نے جھوٹ ہی کو اپنا ربّ بنایا ہوا ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارا جھوٹ کے بدوں گذارہ مشکل ہے۔ بعض چوری و راہزنی اور فریب دہی ہی کو اپنا رب بنائے ہوئے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اس راہ کے سوا ان کے واسطے کوئی رزق کا راہ ہی نہیں۔ سو اُن کے ارباب وہ چیزیں ہیں۔ دیکھو ایک چور جس کے پاس سارے نقب زنی کے ہتھیار موجود ہیں اور رات کا موقعہ بھی اس کے مفید مطلب ہے اور کوئی چوکیدار وغیرہ بھی نہیں جاگتا تو ایسی حالت میں وہ چوری کے سوا کسی اور راہ کو بھی جانتا ہے جس سے اس کا رزق آسکتا ہے؟ وہ اپنے ہتھیاروں کو ہی اپنا معبود جانتا ہے۔ غرض ایسے لوگ جن کو اپنی ہی حیلہ بازیوں پر اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے ان کو خدا سے استعانت اور دعا کرنے کی کیا حاجت؟ دُعا کی حاجت تو اسی کو ہوتی ہے جس کے سارے راہ بند ہوں اور کوئی راہ سوائے اس دَر کے نہ ہو۔ اُسی کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ غرض ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ[1] الخ ایسی دُعا

[1] البقرۃ: ۲۰۲

کرنا صرف انہیں لوگوں کا کام ہے جو خدا ہی کو اپنا رب جان چکے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ اُن کے رب کے سامنے اور سارے اسباب باطلہ ہیچ ہیں۔

آگ سے مراد صرف وہی آگ نہیں جو قیامت کو ہوگی بلکہ دنیا میں بھی جو شخص ایک لمبی عمر پاتا ہے وہ دیکھ لیتا ہے کہ دنیا میں بھی ہزاروں طرح کی آگ ہے۔ تجربہ کار جانتے ہیں کہ قسم قسم کی آگ دنیا میں موجود ہے۔ طرح طرح کے عذاب۔ خوف۔ حُزن۔ فقر و فاقے۔ امراض۔ ناکامیاں۔ ذلت و ادبار کے اندیشے۔ ہزاروں قسم کے دُکھ۔ اولاد، بیوی وغیرہ کے متعلق تکالیف اور رشتہ داروں کے ساتھ معاملات میں اُلجھن غرض یہ سب آگ ہیں۔ تو مومن دعا کرتا ہے کہ ساری قسم کی آگوں سے ہمیں بچا جب ہم نے تیرا دامن پکڑا ہے تو ان سب عوارض سے جو انسانی زندگی کو تلخ کرنے والے ہیں اور انسان کے لئے بمنزلہ آگ ہیں بچائے رکھ۔

سچی توبہ

سچی توبہ ایک مشکل امر ہے۔ بجُز خدا کی توفیق اور مدد کے توبہ کرنا اور اس پر قائم ہو جانا محال ہے۔ توبہ صرف لفظوں اور باتوں کا نام نہیں۔ دیکھو خدا قلیل سی چیز سے خوش نہیں ہو جاتا۔ کوئی ذرا سا کام کر کے خیال کر لینا کہ بس اب ہم نے جو کرنا تھا کر لیا اور رضا کے مقام تک پہنچ گئے۔ یہ صرف ایک خیال اور وہم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک بادشاہ کو ایک دانہ دے کر یا مٹی کی مٹھی دے کر خوش نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے غضب کے مورد بنتے ہیں تو کیا وہ احکم الحاکمین اور بادشاہوں کا بادشاہ ہماری ذرا سی ناکارہ حرکت سے یا دو لفظوں سے خوش ہو سکتا ہے[1]۔ خدا تعالیٰ پوست کو پسند نہیں

[1] البدر میں ہے:۔

"میری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو دھوکا نہ دے۔ خدا تعالےٰ ایک ناکارہ چیز کو پسند نہیں کرتا۔ دیکھو اگر ایک شخص دُنیوی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتا وہ مغز چاہتا ہے۔

شرک کی ممانعت

دیکھو خدا یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاوے۔ بعض لوگ اپنے شرکار نفسانی کے واسطے بہت حصہ رکھ لیتے ہیں اور پھر خدا کا بھی حصہ مقرر کرتے ہیں۔ سو ایسے حصّہ کو خدا قبول نہیں کرتا۔ وہ خالص حصّہ چاہتا ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے زیادہ اس کو غضبناک کرنے کا اور کوئی آلہ نہیں ہے۔ ایسا نہ کرو کہ کچھ تو تم میں تمہارے نفسانی شرکار کا حصّہ ہو اور کچھ خدا کے واسطے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب گناہ معاف کروں گا مگر شرک نہیں معاف کیا جاویگا۔

یاد رکھو شرک یہی نہیں کہ بُتوں اور پتھروں کی تراشی ہوئی مورتوں کی پُوجا کی جاوے۔ یہ تو ایک موٹی بات ہے۔ یہ بڑے بیوقوفوں کا کام ہے۔ دانا آدمی کو تو اس سے شرم آتی ہے۔ شرک بڑا باریک ہے۔ وہ شرک جو اکثر ہلاک کرتا ہے وہ شرک فی الاسباب ہے یعنی اسباب پر اتنا بھروسہ کرنا کہ گویا وہی اس کے مطلوب و مقصود ہیں۔ جو شخص دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس کو دنیا کی چیزوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور وہ امید ہوتی ہے جو دین و ایمان سے نہیں۔ نقد فائدہ کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے محروم۔ جب وہ اسباب پر ہی اپنی ساری کامیابیوں کا مدار خیال کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کے وجود کو تو اس وقت وہ لغو محض اور بے فائدہ جانتا ہے اور تم ایسا نہ کرو۔ تم توکل اختیار کرو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ بادشاہ کے پاس نکمّی سی چیز ہدیہ کے طور پر لے جاتا ہے تو اگرچہ وہ اس کو لے جا سکتا ہے مگر وہ ایسے فعل سے بادشاہ کی ہتک کرتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

توکل کیا ہے؟

توکل یہی[1] ہے کہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے کسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے مقرر کئے ہوئے ہیں ان کو حتی المقدور جمع کرو اور پھر خود دعاؤں میں لگ جاؤ کہ اے خدا تو ہی اس کا انجام بخیر کر۔ صدہا آفات ہیں اور ہزاروں مصائب ہیں جو ان اسباب کو بھی برباد اور تہ وبالا کر سکتے ہیں۔ ان کی دست بُرد سے بچا کر ہمیں سچی کامیابی اور منزل مقصود پر پہنچا۔

حقیقت توبہ اور اس کا اعلیٰ مقام

توبہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ گناہ کو ترک کرنا اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ بدی چھوڑ کر نیکی کی طرف آگے قدم بڑھانا۔ توبہ ایک موت کو چاہتی ہے جس کے بعد انسان زندہ کیا جاتا ہے اور پھر نہیں مرتا۔ توبہ کے بعد انسان ایسا بن جاوے کہ گویا نئی زندگی پا کر دنیا میں آیا ہے۔ نہ اس کی وہ چال ہو نہ اس کی وہ زبان نہ ہاتھ نہ پاؤں۔ سارے کا سارا نیا وجود ہو جو کسی دوسرے کے ماتحت کام کرتا ہوا نظر آجاوے۔ دیکھنے والے جان لیں کہ یہ وہ نہیں یہ تو کوئی اور ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یقین جانو کہ توبہ میں بڑے بڑے ثمرات ہیں۔ یہ برکات کا سرچشمہ ہے۔ درحقیقت اولیاء اور صلحاء یہی لوگ ہوتے ہیں جو توبہ کرتے اور پھر اس پر مضبوط ہو جاتے ہیں۔ وہ گناہ سے دور اور خدا کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ کامل توبہ کرنے والا شخص ہی ولی۔ قطب اور غوث کہلا سکتا ہے۔ اسی حالت میں وہ خدا کا محبوب بنتا ہے۔ اس کے بعد بلائیں اور مصائب جو انسان کے واسطے مقدر ہوتی ہیں ٹل جاتی ہیں۔

مومنوں اور انبیاء پر مصائب آنے کی حکمت

اس سے یہ خیال نہ آوے کہ پھر انبیاء اور نیک مومنوں کو کیوں تکلیفیں آتی ہیں؟ ان

---

[1] البدر میں ہے:۔ "توکل ایک طرف سے توڑ اور ایک طرف جوڑ کا نام ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

لوگوں پر بھی بعض بلائیں آتی ہیں اور ان کے واسطے آثار رحمت ہوتی ہیں۔[1] دیکھو ہمارے نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیسی کیسی مصائب آئی تھیں۔ اُن کو گننا بھی کسی بڑے دل کا کام ہے۔ اُن کے نام سے ہی انسان کے بدن پر لرزہ آتا ہے۔ پھر جو کچھ سلوک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں سے ہوئے۔ ان کی بھی تاریخ گواہ ہے۔ کیا کوئی ایسی بھی تکلیف تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو پہنچائی نہ گئی ہو؟ جس طرح ان کی ایذا دہی میں کفار نے کوئی دقیقہ باقی نہ اُٹھا رکھا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے کمالات میں کوئی کمی باقی نہ رکھی۔ اصل میں ان لوگوں کے واسطے یہ مصائب اور سختیاں نہ باقی ہو جایا کرتی ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے خدا کی رحمت کے خزانے انہیں سختیوں ہی کی وجہ سے کھولے جاتے ہیں ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آن گنج کرم بنہادہ است

مگر ایسے وقت میں انسان کو چاہیئے کہ صبرِ جمیل کرے اور خدا تعالیٰ سے بدظن نہ ہو۔ وہ لوگ تو خدا کے اسلام کو انعام کے رنگ میں دیکھتے ہیں اور ابتلا میں لذت پاتے ہیں۔ قرب کے مراتب جس طرح جلد ابتلا کے وقت میں طے ہوتے ہیں وہ یوں زہد و تعبّد یا ریاضت سے تو سالہا سال میں بھی تمام نہیں کئے جاتے۔ ان لوگوں میں سے جو خدا کے قُرب کا نمونہ بنے اور خلق کی ہدایت کا تمغہ ان کو دیا گیا یا وہ خدا تعالیٰ کے محبوب

[1] البدر میں یوں ہے:۔ "تکالیف مومنوں پر بھی آتی ہیں بلکہ سب سے زیادہ تو نبیوں پر آتی ہیں۔ اس جگہ بعض جلد باز یہ اعتراض کر دیں گے کہ اگر نبیوں ولیوں کو بھی تکالیف پہنچتی ہیں تو پھر توبہ کا کیا فائدہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب نیک لوگوں کو تکالیف پہنچتی ہیں تو وہ ان کو اس انعام کی خوشخبری دیتی ہیں جو کہ ان تکالیف کے بعد خدا تعالیٰ نے اُن کو دینا ہوتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ہوئے۔ ایک بھی نہیں جس پر کبھی نہ کبھی مصائب اور شدائد کے پہاڑ نہ گرے ہوں۔ ان لوگوں کی مثال مشک کے نافہ کی سی ہوتی ہے۔ وہ جب تک بند ہے اس میں اور ایک پتھر یا مٹی کے ڈھیلے میں کچھ تفاوت نہیں پایا جاتا مگر جب اس پر سختی سے جراحی کا عمل کیا جاوے اور اس کو چھری یا چاقو سے چیرا جاوے تو معاً اُس میں سے ایک خوشکن خوشبو نکلتی ہے جس سے مکان کا مکان معطر ہو جاتا ہے اور قریب آنے والا بھی معطر کیا جاتا ہے۔ سو یہی حال انبیاء اور صادق مومنوں کا ہے کہ جب تک ان کو مصائب نہ پہنچیں تب تک اُن کے اندرونی قویٰ چھپے رہتے ہیں اور اُن کی ترقیات کا دروازہ بند ہوتا ہے ان لوگوں کے قویٰ دو قسم کے موقعوں پر اظہار پذیر ہوتے ہیں۔ بعض تو مصائب و شدائد اور دکھوں کے زمانہ میں۔ کیونکہ یکطرفہ کارروائی قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے۔ کہ ایک شخص جس نے بچپن سے خوشحالی اور آرام اور آسائش کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں اُس کے قویٰ کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا ہے اور دوسرا جو بچپن سے غربت کی مار اور بدحالی میں مبتلا رہا ہے اس کے قویٰ کا بھی پورا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسی شخص کے اخلاق فاضلہ اور اس کے خُلق کے متعلق اس کے حالات کا اندازہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اس پر انعام و ابتلا ہر دو طرح کے زمانے آچکے ہوں۔ سو اس امر کے دیکھنے کے لئے بھی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سی اور کوئی مثال نہیں کیونکہ باقی انبیاء میں سے اکثر ایسے تھے کہ انہوں نے نہایت کار ایک زمانہ دیکھا دوسرے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پاک نبی تھے۔ خدا کے نزدیک ان کے بڑے مدارج ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں رکھ کر اگر اُن کو کسی کسوٹی پر پرکھا جاوے تو اُن کے اخلاق بہت گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے اقتدار اور ثروت کا زمانہ نہ پایا اور نہ اُس کے متعلق اُنکے اخلاق کا اظہار ہوا۔ ہمیں تو قرآن شریف مجبور کرتا ہے ورنہ ہم اگر اُن کے حالات کے لحاظ

سے اور اُن کی عام سوانح کی وجہ سے دیکھیں تو وہ تو ایک کامل انسان کے مرتبہ سے بھی گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کجا یہ کہ عیسائی ان کو خدائے قدوس کا مرتبہ دے بیٹھے ہیں۔ بھلا اُن کا صبر، اُن کی داد و دہش، اُن کی جود و سخا کا کونسا نمونہ دنیا میں باقی رہا ہے۔ اُن کی شجاعت کے اظہار کا کونسا موقعہ تھا۔ کس جنگ میں انہوں نے اس امر کا ثبوت دیا[1]۔

ان کی بعثت کا زمانہ صرف تین سال تھا اور وہ بھی مصائب کا زمانہ۔ مقابلہ پر صرف ایک ہی قوم تھی جو معدودے چند سے زیادہ ہرگز نہ تھی۔ ان کا پیشکردہ امر بھی ان کے لئے کوئی نرالا نہ تھا جس کی مثال پہلے نہ پائی جاتی ہو۔ قوم پہلے ہی توحید پسند تھی ان کے اخلاق اور ان کے عقائد کا بہت سا حصہ نسبتاً اچھا تھا۔ ان میں خدا ترس اور گوشہ نشین وغیرہ بھی تھے۔ غرض ان کا کام نہایت سہل اور آسان تھا۔ ادھر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو کہ آپ کی نبوت کے زمانہ میں سے ۱۳ سال مصائب اور شدائد کے تھے اور دس سال قوت و ثروت اور حکومت کے۔ مقابل میں کئی قومیں۔ اوّل تو اپنی ہی قوم تھی۔ یہودی تھے۔ عیسائی تھے۔ بُت پرست قوموں کا گروہ تھا۔ مجوس تھے وغیرہ۔ جن کا کام کیا ہے؟ بُت پرستی۔ جو ان کا حقیقی خدا کے اعتقاد سے پختہ الانعقاد اور مسلک تھا۔ وہ کوئی کام کرتے ہی نہ تھے جو ان بتوں کی عظمت کے خلاف ہو۔ شراب خوری کی یہ نوبت کہ دن میں پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ شراب۔ بلکہ پانی کی بجائے شراب

---

[1] البدر میں لکھا ہے:۔ "مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ لو۔ نُصرت کا زمانہ نہیں دیکھا کوئی لڑائی نہیں ہوئی تاکہ ہم اُن کی شجاعت کا اندازہ لگائیں۔ کسی فتح کا وقت نہیں آیا جس سے ہم دیکھ سکتے کہ وہ کس طرح اپنے دشمنوں کو معاف کر سکتے تھے اور اُن میں عفو کی قوت کس قدر تھی۔ اُن کو غنیمتیں نہیں ملیں جس سے ہم دیکھ سکتے کہ ان میں قوت سخاوت کس قدر تھی" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ہی سے کام لیا جاتا تھا۔ حرام کو تو شیر مادر جانتے تھے اور قتل وغیرہ تو اُن کے نزدیک ایک گاجر مولی کی طرح تھا۔ غرض کُل دنیا کی اقوام کا نچوڑ اور گندے عقائد کا عطر اُن کے حصہ میں آیا ہوا تھا۔ اس قوم کی اصلاح کرنی اور پھر اُن کو درست کرنا اور پھر اس پر زمانہ وہ کہ یکہ و تنہا بے یار و مددگار پھرتے ہیں۔ کبھی کھانے کو ملا اور کبھی بھوکے ہی سو رہے جو چند ایک ہمراہی ہیں اُن کی بھی ہر روز بُری گت بنتی ہے۔ بے کس اور بے بس۔ اِدھر کے اُدھر اور اُدھر کے اِدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔ وطن سے بے وطن کر دیئے گئے ہیں۔

پھر دوسرا زمانہ تھا کہ تمام جزیرہ عرب ایک سرے سے دوسرے سرے تک غلام بنا ہوا ہے۔ کوئی مخالفت کے رنگ میں چُوں بھی نہیں کر سکتا اور ایسا اقتدار اور رُعب خدا نے دیا ہوا ہے کہ اگر چاہتے تو کُل عرب کو قتل کر ڈالتے۔ اگر ایک نفسانی انسان ہوتے تو اُن سے اُن کی کرتُوتوں کا بدلہ لینے کا عمدہ موقع تھا۔ جب اُلٹ کر مکہ فتح کیا تو لاتثریب علیکم الیوم فرمایا

غرض اس طرح سے جو دونو زمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے اور دونو کے واسطے ایک کافی موقعہ تھا کہ اچھی طرح سے جانچے پرکھے جاتے اور ایک جوش یا فوری ولولہ کی حالت نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طرح کے اخلاق فاضلہ کا پورا پورا امتحان ہو چکا تھا اور آپ کے صبر۔ استقلال۔ عفت۔ حلم۔ بردباری۔ شجاعت۔ سخاوت۔ جود وغیرہ وغیرہ کل اخلاق کا اظہار ہو چکا تھا اور کوئی ایسا حصہ نہ تھا کہ باقی رہ گیا ہو۔

غرض ایسے ایسے مصائب ہیں جو ان کے لئے رحمت ہیں اور ان سے ان لوگوں کے اندرونی گُن ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جنہوں نے ہمیشہ ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی اور سید سید کر کے پکارے جاتے تھے۔ انہوں نے بھی تو سختی کا زمانہ نہ دیکھا تھا۔ ان کو ایسے ایسے زمانے دیکھنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا کہ وہ اُن

صحابہؓ کے مراتب کو پہنچ سکتے۔ ان کی ساری زندگی ناز و نعمت میں گذری تھی نہ انہوں نے کسی جہاد میں حصہ لیا تھا نہ کسی کفر ہی کو توڑا تھا تو خدا نے جو اُن کو شہید کیا۔ کیا اُن پر ظلم کیا؟ ہرگز نہیں۔ انہوں نے پچاس پچپن برس کی عمر تک وہ زمانہ نہ دیکھا تھا کہ شدائد کیا ہوا کرتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ جب صحابہؓ بکریوں کی طرح ذبح ہوتے تھے تو پھر اُن کا کیا حق تھا کہ وہ شہداء میں درجہ پاتے یا کسی طرح آخرت میں خدا کے قُرب میں عزت پاتے۔ کیا اُن کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا کہلانے کا فخر بس تھا؟ اور اُن کے واسطے یہی کافی تھا؟ نہیں اس سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرمایا تھا۔ اس سے کوئی حق قرب الٰہی نہیں ہو سکتا تھا۔ غرض ان کی اپنی تو ایسی بظاہر کارنمائی نہ تھی جس سے وہ ان درجات اعلیٰ کے وارث یا حقدار ہوتے۔ مگر چونکہ ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک قسم کا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا تعلق رکھنے والے کو ضائع کرے[۱]۔ سو اُن کے واسطے ایسے ایسے سامان میسر کر دیئے کہ وہ خدا کی راہ میں شہادت پانے کے قابل ہو گئے اور اس طرح وہ سابقین کے ساتھ مل گئے جن کے حالات سے وہ محض ناواقف تھے۔ ایک ذرا سی تکلیف اور اجر عظیم مل گیا۔ شیعہ . . . . ہیں کہ اس حکمت الٰہی کی طرف تو غور نہیں کرتے اور اُلٹا روتے ہیں کہ ان کو شہید کر دیا۔

---

[۱] البدر میں مزید یوں لکھا ہے :-

" اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اس طرح گمنام فوت نہ ہوں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اُن کو شہادت کی موت سے وفات دی تا کہ وہ دنیا میں قیامت تک نیک نام مشہور ہو جاویں۔ اگر ان پر یہ مصائب نہ آتے تو وہ کس طرح مشہور ہوتے۔ "

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ابتلا کے وقت صبر کرنیوالوں کا اجر

پس تم مومن ہونے کی حالت میں ابتلا کو بُرا نہ جانو اور برا وہی جانے گا جو مومن کامل نہیں ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ ولنبلونکم بشیئٍ من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔[1]

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کبھی تم کو مال سے یا جان سے یا اولاد یا کھیتوں وغیرہ کے نقصان سے آزمایا کریں گے مگر جو ایسے وقتوں میں صبر کرتے اور شاکر رہتے ہیں تو ان لوگوں کو بشارت دو کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کشادہ اور اُن پر خدا کی برکتیں ہوں گی جو ایسے وقتوں میں کہتے ہیں انا للّٰہ و انا الیہ راجعون یعنی ہم اور ہماری متعلق کل اشیاء یہ سب خدا ہی کی طرف سے ہیں اور پھر آخر کار ان کا لوٹنا خدا ہی کی طرف ہے کسی قسم کے نقصان کا غم اُن کے دل کو نہیں کھاتا۔ اور وہ لوگ مقامِ رضا میں بود و باش رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ صابر ہوتے ہیں اور صابروں کے واسطے خدا تعالیٰ نے بےحساب اجر رکھے ہوئے ہیں۔ ⊕

مقتدون سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے منشاء کو پالیا اور اس کے مطابق عملدرآمد کرنے لگ گئے۔ ایسے ہی لوگ تو ولی ہوتے ہیں۔ انہیں کو تو لوگ قطب کہتے ہیں۔ یہی تو غوث کہلاتے ہیں۔ پس تم کوشش کرو کہ تم بھی ان مدارج عالیہ کو حاصل

⊕ البدر میں مزید لکھا ہے:۔ "یہی تکالیف جب رسولوں پر آتی ہیں تو ان کو انعام کی خوشخبری دیتی ہیں اور جب یہی تکالیف بدوں پر آتی ہیں تو اُن کو تباہ کر دیتی ہیں غرض مصیبت کے وقت انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھنا چاہیئے۔ کہ تکالیف کے وقت خدا تعالیٰ کی رضا طلب کرے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] البقرة : ۱۵۷

کرنے کے قابل ہو سکو۔

خدا تعالیٰ نے تو انسان سے نہایت تنزل کے رنگ میں دوستانہ برتاؤ کیا ہے دوستانہ تعلق کیا ہوتا ہے یہی کہ کبھی ایک دوست دوسرے دوست کی بات مان لیتا ہے اور کبھی دوسرے سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ بھی ایسا ہی کرتا ہے چنانچہ ادعونی استجب لکم[1] اور اذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان[2] الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کی بات کو مان لیتا ہے اور اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور دوسری فلیستجیبوالی ولیومنوا بی[2]۔ الآیۃ اور ولنبلونکم[3] آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ہماری دعا کو قبول نہیں کرتا۔ یا اولیاء لوگوں پر طعن کرتے ہیں کہ اُن کی فلاں دعا قبول نہیں ہوئی۔ اصل میں وہ نادان اس قانون الٰہی سے ناآشنا محض ہوتے ہیں جس انسان کو خدا سے ایسا معاملہ پڑا ہوگا وہ خوب اس قاعدہ سے آگاہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مان لینے کے اور منوانے کے دو نمونے پیش کئے ہیں۔ انہی کو مان لینا ایمان ہے۔ تم ایسے نہ بنو کہ ایک ہی پہلو پر زور دو ایسا نہ ہو کہ تم خدا کی مخالفت کرکے اس کے مقررہ قانون کو توڑنے کی کوشش کرنیوالے بنو۔⊕

مومن کی حالت بوقت مصائب

مومن کے لئے مصائب ہمیشہ نہیں رہتے اور نہ لمبے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کیواسطے رحمت، محبت اور لذت کا چشمہ جاری کیا جاتا ہے۔ عاشق لوگ عشق کے غلبہ کے وقتوں اور اس کے دردوں میں ہی لذت پاتے ہیں۔ یہ باتیں گو ایک خشک محض انسان کے

⊕ البدر میں لکھا ہے:۔ "مومن کو مصیبت کے وقت میں غمگین نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ نبی سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] المومن: ۶۱ [2] البقرۃ: ۱۸۷ [3] البقرۃ: ۱۵۶

لئے سمجھانی مشکل ہیں مگر جنہوں نے اس راہ میں قدم مارا ہے وہ ان کو خوب جانتے ہیں بلکہ ان کو تو معمولی آرام اور آسائش میں وہ چین اور لذت نہیں ہوتی جو دکھ کے اوقات میں ہوتی ہے۔

مثنوی رُومی میں ایک حکایت ہے کہ ایک مرض ایسا ہے کہ اس میں جب تک اُس کو مُکے مارتے کوٹتے اور لتاڑتے رہتے ہیں تب تک وہ آرام میں رہتا ہے ورنہ تکلیف میں رہتا ہے سو یہی حال اہل اللہ کا ہے کہ جب تک ان کو مصائب و شدائد کے مشکلات آتے رہیں اور اُن کو مار پڑتی رہے تب تک وہ خوش ہوتے ہیں اور لذت اُٹھاتے ہیں ورنہ بے چین اور بے آرام رہتے ہیں۔

ابتلاؤں میں حکمت

اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ اپنے بندوں کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچنے دیتا اور ہر طرح سے عیش و آرام میں اُن کی زندگی بسر کرواتا۔ اُن کی زندگی شاہانہ زندگی ہوتی۔ ہر وقت اُن کے لئے عیش و طرب کے سامان مہیا کئے جاتے مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس میں بڑے اسرار اور راز نہاں ہوتے ہیں۔ دیکھو والدین کو اپنی لڑکی کیسی پیاری ہوتی ہے بلکہ اکثر لڑکوں کی نسبت زیادہ پیاری ہوتی ہے مگر ایک وقت آتا ہے کہ والدین اس کو اپنے سے الگ کر دیتے ہیں وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کو دیکھنا پڑے جگر والوں کا کام ہوتا ہے[1] دونو طرف کی حالت ہی بڑی قابل رحم ہوتی ہے۔ قریباً چودہ پندرہ سال ایک جگہ رہے ہوئے ہوتے ہیں۔ آخر اُن کی جدائی کا وقت نہایت ہی رقت کا وقت ہوتا ہے۔ اس جدائی کو بھی

---

[1] البدر میں ہے۔ " والدہ ایک طرف روتی ہے اور والد ایک طرف روتا ہے تاہم وہ سب تکالیف برداشت کر کے اس کو ہمیشہ کے لئے الگ کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ جانتے ہیں کہ اس لڑکی میں ایک جوہر ہے جو کہ سسرال میں جا کر ظاہر ہوگا۔ اس لئے مومن کے جوہر بھی مصائب سے کُھلتے ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

کوئی نادان بیرحمی کہہ دے تو بجا ہے مگر اس کی لڑکی میں بعض ایسے قویٰ ہوتے ہیں جس کا اظہار اس علیحدگی اور سسرال میں جا کر شوہر سے معاشرت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے جو طرفین کے لئے موجب برکت اور رحمت ہوتا ہے۔

یہی حال اہل اللہ کا ہے۔ ان لوگوں میں بعض خُلق ایسے پوشیدہ ہوتے ہیں کہ جب تک ان پر تکالیف اور شدائد نہ آویں اُن کا اظہار ناممکن ہوتا ہے۔

دیکھو اب ہم لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کرتے ہیں بڑے فخر اور جرأت سے کام لیتے ہیں یہ بھی تو صرف اسی وجہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دونو زمانے آچکے ہوئے ہیں ورنہ ہم یہ فضیلت کس طرح بیان کرتے۔ دُکھ کے زمانہ کو بُری نظر سے نہ دیکھو یہ خُدا سے لذت کا اور اُس کے قرب کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسی لذّت کو حاصل کرنے کے واسطے جو خُدا کے مقبولوں کو ملا کرتی ہے دنیوی اور سفلی کُل لذّات کو طلاق دینی پڑا کرتی ہے۔ خُدا کا مقرب بننے کے واسطے ضروری ہے کہ دُکھ سہے جاویں اور شکر کیا جاوے اور نئے دن ایک نئی موت اپنے اُوپر لینی پڑتی ہے۔ جب انسان دنیوی ہوا و ہوس اور نفس کی طرف سے بکلّی موت اپنے اُوپر وارد کر لیتا ہے تب اسے وہ حیات ملتی ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ پھر اس کے بعد مرنا کبھی نہیں ہوتا۔

قرآن کا نزول بحالتِ غم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف غم کی حالت میں نازل ہوا ہے تم بھی اُسے غم ہی کی حالت میں پڑھا کرو۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بہت بڑا حصہ غم و الم میں گزرا ہے۔

توبہ کا درخت اور اُس کا پھل

توبہ کے درخت بو[1] تا تم اُس کے پھل کھاؤ۔ توبہ کا درخت بھی بالکل ایک باغ کے

---

[1] حاشیہ۔ البدر میں ہے۔ اگر توبہ کے ثمرات چاہتے ہو تو عمل کیساتھ توبہ کی تکمیل کرو۔ دیکھو جب مالی بوٹا لگاتا ہے تو اس کو پانی دیتا ہے اور اس سے اسکی تکمیل کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان ایک بوٹا ہے اور اس کی آبپاشی عمل سے ہوتی ہے اسلئے ایمان کی تکمیل کیلئے عمل کی ازحد ضرورت ہے۔ اگر ایمان کیساتھ عمل نہیں ہونگے تو بوٹے خشک ہو جائیں گے۔ اور وہ خائب و خاسر رہ جائیں گے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۹ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

درخت کی مانند ہے جو جو حفاظتیں اور خدمات اُس باغ کے لئے جسمانی طور سے ہیں وہی اس توبہ کے درخت کے واسطے رُوحانی طور پر ہیں۔ پس اگر توبہ کے درخت کا پھل کھانا چاہو تو اس کے متعلق قوانین اور شرائط کو پُورا کرو ورنہ بیفائدہ ہوگا۔

یہ خیال نہ کرو کہ توبہ کرنا مرنا ہوتا ہے۔ خدا قلیل شئے سے خوش نہیں ہوتا اور نہ وہ دھوکہ کھاتا ہے۔ دیکھو اگر تم بھوک کو دُور کرنے کے لئے ایک لقمہ کھانے کا کھاؤ یا پیاس کے دُور کرنے کے لئے ایک قطرہ پانی کا پیو تو ہرگز تمہاری مقصد برآری نہ ہوگی۔ ایک مرض کے دفع کرنے کے واسطے ایک طبیب جو نسخہ تجویز کرتا ہے جب تک اس کے مطابق پُورا پُورا عمل نہ کیا جاوے تب تک اس کے فائدہ کی امید امر موہوم ہے[1] اور پھر طبیب کے الزام غلطی اپنی ہی ہے۔ اسی طرح توبہ کے واسطے مقدار ہے اور اس کے بھی پرہیز ہیں۔ بَد پرہیز بیمار تندرست نہیں ہو سکتا۔

طاعُون کے متعلق الہام

اب طاعون کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اِنّی احافظُ کلّ من فی الدار۔ الّا الّذین علوا باستکبار۔

دیکھو خدا تو سب کا خدا ہے مگر اس کے تعلقات خاص خاص کے ساتھ خاص خاص ہیں۔ جتنی جتنی[2] کوئی اس سے صلح کرتا ہے اتنا ہی وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو بھی وہ آواز آسکتی ہے۔ جو مجھے آئی۔ اگر تم سچی تبدیلی اور اس سے صلح

---

[1] البدر میں ہے: "یہی سنت اللہ ہے کہ جبتک کوئی چیز اپنے مقررہ وزن تک استعمال نہ کی جاوے تب تک بیفائدہ ہے" البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء

[2] البدر میں ہے " اگر انسان خدا کی طرف آہستہ قدم چلتا ہے تو وہ تیز چل کر آتا ہے اور اگر انسان اس کی طرف تیز چلتا ہے تو وہ دوڑ کر آتا ہے۔"

(ایضاً - ایضاً - ایضاً)

پیدا کرو۔ خدا بخیل نہیں مگر ہاں اس نے ایک اندازہ رکھا ہوا ہے جب تک اس تک انسان نہ پہنچے تو وہ کامل نہیں ہوتا اور نہ اس پر وہ فیض جاری کیا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شرابی کو اگر پوری مقدار شراب کی نہ دی جاوے تب تک وہ بیہوش نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جب اس انتہائی درجہ محبت تک ترقی نہ کی جاوے تب تک لاحاصل ہوتا ہے۔ قانونِ قدرت جس طرح جسمانی چیزوں کے واسطے ہے۔ ایسے ہی رُوحانی امور کے واسطے بھی ہے دیکھو ابوالحسن خرقانی، بایزید بسطامی یا شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ یہ سب خدا تعالیٰ کے مقرب تھے اور انہوں نے بھی شریعت ہی کی پابندی سے یہ درجہ پایا تھا نہ کہ کوئی نئی شریعت بنا کر۔ جیسا کہ آج کل کے گدی نشین کرتے ہیں یہی نماز تھی اور یہی روزے تھے مگر انہوں نے اس کی حقیقت اور اصل غرض کو سمجھا ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ اُنہوں نے نیکی کی مگر سنوار کر۔ انہوں نے اعمال کو بیگار کے طور پر پُورا نہ کیا تھا بلکہ صدق اور وفا کے رنگ میں ادا کرتے تھے سو خدا نے ان کے صدق وسداد کو ضائع نہ کیا۔ خدا کسی کا احسان اپنے اُوپر نہیں رکھتا وہ ایک پیسہ کے بدلے میں جب تک ہزار نہ دے لے تب تک نہیں چھوڑتا۔ پس جب کسی انسان میں وہ برکات اور نشانات نہیں ہیں[1] اور وہ خدا کی محبت اور تقویٰ کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ خدا پر الزام نہیں لگاتا بلکہ اپنا گند ظاہر کرتا ہے۔ خدا کی جناب میں بُخل ہرگز نہیں۔ پس کوشش کرو کہ اس کی رضا کے موافق عمل در آمد کر سکو۔ اگر مصائب کے وقت میں تم مومن ہو اور خدا تعالیٰ سے صُلح کرنے والے اور اس کی محبت میں آگے قدم بڑھانیوالے ہو تو وہ رحمت ہے تمہارے واسطے۔ کیونکہ خدا قادر ہے کہ آگ کو گلزار کر دے اور اگر

[1] البدر میں ہے :- " جب انسان نیکی کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور اس کو اس کے پھل عطا نہیں ہوتے تو وہ جھوٹا ہے " (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

تم فاسق ہو تو ڈرو کہ وہ آگ ہے جو بھسم کرنے والی ہے اور قہر اور غضب ہے جو نیست و نابود کرنے والا ہے۔ فقط

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۹-۱۳ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۱ مارچ ۱۹۰۳ء

قبل از عشاء

کان کی تعبیر

عشاء سے قبل ایک شخص نے خواب بیان کی کہ کان میں اس نے کچھ بات سُنی ہے۔ اس کی تعبیر میں فرمایا کہ

داہنا کان دین ہوتا ہے اور بایاں دنیا۔ کان میں بات کا ہونا بشارت پر محمول کیا جاتا ہے

پھر ایک ذکر پر فرمایا کہ

جو خدا کی طرف رجوع ہوتا ہے ایک دن کامیاب ہو ہی جاتا ہے ہاں تھکے نہ۔ کیونکہ خدا کے واسطے لہریں ہوتی ہیں جیسے باد نسیم چلتی ہے ویسے رحمت کی نسیم بھی اپنے وقت پر چلا کرتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء

منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ رکھے جانے کی تاریخ

نظر آئے گی دُنیا کو ترے اسلام کی رفعت ۔ مسیحا کا بنے گا جب یہاں منار۔ یا اللہ

بعد نماز جمعہ حضرت حجۃ اللہ المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور ہمارے مکرم دوست حکیم فضل الٰہی صاحب لاہوری۔ مرزا خدا بخش صاحب۔ شیخ مولا بخش صاحب۔ قاضی ضیاء الدین صاحب وغیرہ احباب نے عرض کی کہ حضور منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ حضور کے دستِ مبارک سے رکھی جاوے تو بہت ہی مناسب ہے۔ فرمایا کہ

ہمیں تو ابھی تک معلوم بھی نہیں کہ آج اس کی بنیاد رکھی جاوے گی۔ اب آپ اینٹ لے آئیں میں اس پر دعا کروں گا اور پھر جہاں میں کہوں وہاں آپ جا کر رکھدیں۔[1]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

حجرہ دعائیہ

بعد نماز جمعہ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء کو حضرت اقدس نے تجویز فرمایا کہ

چونکہ بیت الفکر میں اکثر مستورات وغیرہ اور بچے بھی آجاتے ہیں اور دعا کا موقع کم ملتا ہے اس لئے ایک ایسا حجرہ اس کے ساتھ تعمیر کیا جاوے جس میں صرف ایک آدمی کے نشست کی گنجائش ہو اور چارپائی بھی بچھ سکے تاکہ اس میں کوئی اور نہ آسکے اس طرح سے مجھے دعا کے لئے عمدہ وقت اور موقعہ مل سکے گا۔[2]

---

[1] چنانچہ حکیم فضل الٰہی صاحب اینٹ لے آئے۔ اعلیحضرت نے اس کو ران مبارک پر رکھ لیا۔ اور بڑی دیر تک آپ نے لمبی دعا کی۔ معلوم نہیں کہ آپ نے کیسی کیسی اور کس کس جوش سے دعائیں اسلام کی عظمت و جلال کے اظہار اور اس کی روشنی کے کل اقطاع و اقطار عالم میں پھیل جانے کی کی ہوں گی۔ وہ وقت قبولیت دعا کا معلوم ہوتا تھا۔ جمعہ کا مبارک دن اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ رکھنے سے پہلے اس کے لئے دلی جوش کے ساتھ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ دعا کے بعد آپ نے اس اینٹ پر دم کیا اور حکیم فضل الٰہی صاحب کو دی کہ آپ اس کو منارۃ المسیح کے مغربی حصہ میں رکھ دیں . . . . غرض اس عظیم الشان مینار کی بنیاد خدا کے برگزیدہ مامور اور مسیح و مہدی علیہ السلام کے ہاتھ سے ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء کو رکھدی گئی۔ (ایڈیٹر الحکم)

[2] نوٹ از ایڈیٹر البدر۔ چنانچہ اسی وقت مغربی جانب جو دریچہ ہے اس کے ساتھ ایک حجرے کے لئے عمارت شروع ہو گئی ہے۔

۱۴؍مارچ ۱۹۰۳ء

حکام اور نیکی کی تلقین

نمازِ عشاء سے قبل مفتی محمد صادق صاحب[1] نے اخبار سول ملٹری میں سے طاعون کا مضمون پڑھ کر سُنایا۔ اس مضمون کو سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لوگ اللہ تعالےٰ کا لفظ ہرگز منہ پر نہیں لاتے حالانکہ اگر حاکم کے منہ سے ایک بات نکلتی ہے تو ہزاروں آدمیوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ بٹالہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جو کہ ایک دیسی آدمی تھا اس کے منہ سے یہ بات نکلی کہ نماز پڑھنی چاہیئے۔ اس پر بہت سے مسلمانوں نے نماز شروع کر دی۔ اسی طرح کبھی گورنمنٹ کی طرف سے یہ تاکید ہو کہ لوگ خدا کی طرف رجُوع کریں تو دیکھئے پھر لوگوں کی کیا تبدیلی ہوتی ہے مگر اس وقت امراء لوگ ایسے فسق و فجور میں مبتلا ہیں کہ گویا یہ ان کے نطفہ کا ایک جُزو بن گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق

اس کے بعد مفتی صاحب نے ایک مضمون سول ملٹری گزٹ سے سُنایا جو کہ اسلامی عورتوں کے حقوق پر تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ابھی کچھ دن ہوئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک گندہ مضمون سنایا گیا تھا اب خدا تعالیٰ نے اس کے مقابلہ پر ایک فرحت بخش مضمون بھیج دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہر ہفتہ ایک نہ ایک بات ایسی نکل آتی ہے جس سے طبیعت کو ایک تروتازگی مل جاتی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام میں عورتوں کو وہی حقوق دئے گئے ہیں جو کہ مردوں کو دیئے گئے ہیں حتیٰ کہ اسلامی عورتیں بین پاکیزہ اور مقدس

[1] مفتی محمد صادق صاحب مراد ہیں (مرتب)

عورتیں بھی ہوتی ہیں اور ولیہ بھی ہوتی ہیں اور ان سے خارق عادت امور سرزد ہوتے ہیں اور جو لوگ اسلام پر اس بارہ میں اعتراض کرتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ

مرد کی نیکی و بدی کا اثر عورت پر

مرد اگر پارسا طبع نہ ہو تو عورت کب صالحہ ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر مرد خود صالح بنے تو عورت بھی صالحہ بن سکتی ہے۔ قول سے عورت کو نصیحت نہ دینی چاہیئے بلکہ فعل سے اگر نصیحت دی جاوے تو اس کا اثر ہوتا ہے۔ عورت تو درکنار اور بھی کون ہے جو صرف قول سے کسی کی مانتا ہے۔

اگر مرد کوئی کجی یا خامی اپنے اندر رکھے گا تو عورت ہر وقت کی اس پر گواہ ہے۔ اگر وہ رشوت لے کر گھر آیا ہے تو اس کی عورت کہے گی کہ جب خاوند لایا ہے تو میں کیوں حرام کہوں۔ غرضکہ مرد کا اثر عورت پر ضرور پڑتا ہے اور وہ خود ہی اُسے خبیث اور طیب بناتا ہے۔ اسی لئے لکھا ہے۔

اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ [1]

اس میں یہی نصیحت ہے کہ تم طیب بنو ورنہ ہزار ٹکریں مارو کچھ نہ بنے گا جو شخص خدا سے خود نہیں ڈرتا تو عورت اس سے کیسے ڈرے؟ نہ ایسے مولویوں کا وعظ اثر کرتا ہے نہ خاوند کا۔ ہر حال میں عملی نمونہ اثر کیا کرتا ہے۔ بھلا جب خاوند رات کو اُٹھ اُٹھ کر دعا کرتا ہے۔ روتا ہے تو عورت ایک دو دن تک دیکھے گی آخر ایک دن اُسے بھی خیال آوے گا اور ضرور متاثر ہوگی۔ عورت میں متاثر ہونے کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خاوند عیسائی وغیرہ ہوتے ہیں تو عورتیں اُن کے ساتھ عیسائی وغیرہ ہو

[1] النور: ۲۷

جاتی ہیں۔ ان کی درستی کے واسطے کوئی مدرسہ بھی کفایت نہیں کرسکتا جتنا خاوند کا عملی نمونہ کفایت کرتا ہے۔ خاوند کے مقابلہ میں عورت کے بھائی، بہن وغیرہ کا بھی کچھ اثر اس پر نہیں ہوتا۔

خدا نے مرد عورت دونو کا ایک ہی وجود فرمایا ہے۔

یہ مُردوں کا ظلم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو ایسا موقع دیتے ہیں کہ وہ ان کا نقص پکڑیں۔ اُن کو چاہیئے کہ عورتوں کو ہرگز ایسا موقعہ نہ دیں کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ تو فلاں بدی کرتا ہے بلکہ عورت ٹکریں مار مار کر تھک جاوے اور کسی بدی کا پتہ اُسے مل ہی نہ سکے۔ تو اس وقت اس کو دینداری کا خیال ہوتا ہے اور وہ دین کو سمجھتی ہے۔[1]

مرد[2] اپنے گھر کا امام ہوتا ہے پس اگر وہی بد اثر قائم کرتا ہے تو کس قدر بد اثر پڑنے کی امید ہے۔ مرد کو چاہیئے کہ اپنے قویٰ کو برمحل اور حلال موقعہ پر استعمال کرے مثلاً ایک قوت غضبی ہے جب وہ اعتدال سے زیادہ ہو تو جنون کا پیش خیمہ ہوتی ہے جنون میں اور اس میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ جو آدمی شدید الغضب ہوتا ہے اس سے حکمت کا چشمہ چھین لیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی مخالف ہو تو اس سے بھی مغلوب الغضب ہو کر گفتگو نہ کرے مرد کی ان تمام باتوں اور اوصاف کو عورت دیکھتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ میرے خاوند میں فلاں فلاں اوصاف تقویٰ کے ہیں۔ جیسے سخاوت۔ حلم۔ صبر اور جیسے اُسے پرکھنے کا موقعہ ملتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ اسی لئے عورت کو سارق بھی کہا ہے۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء

[2] یہاں سے جو مضمون شروع ہوتا ہے یہ البدر کے اگلے نمبر یعنی نمبر ۱۰ میں درج ہے۔ لیکن وہاں سہو کتابت سے اُسے ۲۰ مارچ کی ڈائری کا بقیہ لکھا ہے جو درست نہیں۔ دراصل یہ ۱۴ مارچ کی بقیہ ڈائری ہے۔ جیسا کہ مضمون کی ترتیب سے واضح ہے۔ ۲۰ مارچ کی مکمل ڈائری تو البدر جلد ۲ کے نمبر ۱۱ صفحہ ۸۱-۸۲ پر درج ہے۔ (مرتب)

کیونکہ یہ اندر ہی اندر اخلاق کی چوری کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ آخر کار ایک وقت پورا اخلاق حاصل کر لیتی ہے۔

ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ ایک دفعہ عیسائی ہوا تو عورت بھی اس کے ساتھ عیسائی ہو گئی۔ شراب وغیرہ اوّل شروع کی پھر پردہ بھی چھوڑ دیا۔ غیر لوگوں سے بھی ملنے لگی۔ خاوند نے پھر اسلام کی طرف رجوع کیا تو اُس نے بیوی کو کہا کہ تو بھی میرے ساتھ مسلمان ہو۔ اس نے کہا کہ اب میرا مسلمان ہونا مشکل ہے۔ یہ عادتیں جو شراب وغیرہ اور آزادی کی پڑ گئی ہیں یہ نہیں چھوٹ سکتیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۷۳، مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۵ مارچ ۱۹۰۳ء

آریہ لٹریچر

سیر کے دوران کتابوں کی اشاعت کے متعلق خلیفہ صاحب سے فرمایا کہ

ان کی اشاعت کرو ایسا نہ ہو کہ صندوقوں میں بند پڑی رہیں

ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آریہ لوگ ان کتابوں کے جواب میں ایک گالیوں کا طومار لکھیں گے کیونکہ جواب دینے کی تو ان میں طاقت نہیں ہوتی۔ صرف گند ہی گند بولیں گے۔ ہم نے تو نہایت نرم الفاظ میں لکھی ہیں مگر یہ بہتان لگائے بغیر نہ رہیں گے شاید ایک اَور کتاب پھر اس کے جواب میں لکھنی پڑے۔ دیانند کو اسلام کی خبر نہیں تھی مگر چونکہ اس نے کتابیں ناگری زبان میں لکھیں اس لئے لوگوں کو اس کی گندہ زبانی کی خبر نہیں ہے۔ لیکھرام نے اردو میں لکھیں اس کی خبر سب کو ہوئی۔

میرا اصول ہے کہ جو شخص حکمت اور معرفت کی باتیں لکھنا چاہے وہ جوش سے کام نہ لیوے ورنہ اثر نہ ہوگا۔ ہاں بعض امور حسبِ ضرورت برمحل عبارت میں لکھنے پڑتے ہیں۔ مگر اَلْحَقُّ مُرٌّ

معاملہ ہو کر ہم اس میں مجبور ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں سناتن دھرم اور نسیم دعوت وغیرہ لاہور، بمبئی، کشمیر وغیرہ شہروں میں آریوں کے پاس ضرور روانہ کرنی چاہئیں اگر شائع نہ ہوں تو پھر وہی مثال ہے۔

زبہر نہادن چہ سنگ و چہ زر

امامت مسجد اور ختم و نذر وغیرہ

ایک سوال پر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کے پاک کلام قرآن کو ناپاک باتوں سے ملا کر پڑھنا بے ادبی ہے وہ تو صرف روٹیوں کی غرض سے مُلاں لوگ پڑھتے ہیں۔ اس ملک کے لوگ ختم وغیرہ دیتے ہیں تو مُلاں لوگ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں کہ شوربا اور روٹی زیادہ ملے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا [1]

یہ کفر ہے۔ جو طریق آج کل پنجاب میں نماز کا ہے میرے نزدیک ہمیشہ سے اس پر بھی اعتراض ہے۔ مُلاں لوگ صرف مقررہ آدمیوں پر نظر کر کے جماعت کراتے ہیں۔ ایسا امام شرعاً ناجائز ہے۔ صحابہؓ میں کہیں نظیر نہیں ہے کہ اس طرح اُجرت پر امامت کرائی ہو۔ پھر اگر کسی کو مسجد سے نکالا جاوے تو چیف کورٹ تک مقدمہ چلتا ہے یہانتک کہ ایک دفعہ ایک مُلاں نے نماز جنازہ کی ۶ یا ۷ تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ کام روزمرّہ کے محاورہ سے یاد رہتا ہے کبھی سال میں ایک آدمی مرتا ہے تو کیسے یاد رہے جب مجھے یہ بات بھول جاتی ہے کہ کوئی مرا بھی کرتا ہے تو اس وقت کوئی میّت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک مُلاّ یہاں آکر رہا۔ ہمارے میرزا صاحب نے اسے محلّے تقسیم کر دیئے ایک دن وہ روتا ہوا آیا کہ مجھے جو محلہ دیا ہے۔ اس کے آدمیوں کے قد چھوٹے ہیں اس لئے اُن کے مرنے پر جو کپڑا ملیگا اس سے چادر بھی نہ بنے گی۔

[1] البقرۃ : ۴۲

اس وقت ان لوگوں کی حالت بہت ردّی ہے۔ صُوفی لکھتے ہیں کہ مُردہ کا مال کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔

مولُود خوانی

ایک[1] شخص نے مولود خوانی پر سوال کیا۔ فرمایا

آنحضرت کا تذکرہ بہت عمدہ ہے[2] بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء اور اولیا کی یاد سے رحمت نازل ہوتی ہے اور خود خدا نے بھی انبیاء کے تذکرہ کی ترغیب دی ہے[3] لیکن اگر اس کے ساتھ ایسی بدعات مِل جاویں جن سے توحید میں خلل واقع ہو تو وہ جائز نہیں۔ خدا کی شان خدا کے ساتھ اور نبی کی شان نبی کے ساتھ رکھو۔ آج کل کے مولویوں میں بدعت کے الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اور وہ بدعات خدا کے منشار کے خلاف ہیں۔ اگر بدعات نہ ہوں تو پھر تو وہ ایک وعظ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت۔ پیدائش اور وفات کا ذکر ہو تو مُوجب ثواب ہے[4]۔ ہم مجاز نہیں کہ اپنی شریعت یا کتاب بنالیویں۔

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ کے صفحہ ۵ پر "استفسار اور اُن کے جواب" کے زیرِ عنوان حضور علیہ السلام کے جو ملفوظات بلا تاریخ درج ہیں۔ دراصل یہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء کی ڈائری ہے۔ کیونکہ یہ سب استفسار اور ان کے جواب "البدر" نے ۱۰ مارچ کی ڈائری میں دیئے ہیں لہٰذا "الحکم" کے ان ملفوظات میں جو بات "البدر" سے زیادہ مفصّل ہے وہ حاشیہ میں درج کر دی ہے (مرتب)

[2] (الحکم سے) اُس سے محبت بڑھتی ہے اور آپؐ کی اتباع کے لئے تحریک ہوتی اور جوش پیدا ہوتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵)

[3] (الحکم سے) "قرآن شریف میں بھی اسی لئے بعض تذکرے موجود ہیں جیسے فرمایا وَاذکُر فِی الکِتَابِ اِبرَاھِیم[5]" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ پرچہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[4] حاشیہ (الحکم سے) "لیکن ان تذکروں کے بیان میں بعض بدعات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[5] مریم: ۴۲

بعض ملّاں اس میں غلو کر کے کہتے ہیں کہ مولود خوانی حرام ہے۔ اگر حرام ہے تو پھر کس کی پیروی کرو گے؟ کیونکہ جس کا ذکر زیادہ ہو اس سے محبت بڑھتی ہے اور پیدا ہوتی ہے مولود کے وقت کھڑا ہونا جائز نہیں۔ ان اندھوں کو اس بات کا علم ہی کب ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوح آگئی ہے بلکہ ان مجلسوں میں تو طرح طرح کے بدطینت اور

ملادی جائیں تو وہ حرام ہو جاتے ہیں۔ ؎

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

یہ یاد رکھو کہ اصل مقصد اسلام کا توحید ہے۔ مولود کی محفلیں کرنے والوں میں آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت سی بدعات ملالی گئی ہیں جس نے ایک جائز اور موجب رحمت فعل کو خراب کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجب رحمت ہے مگر غیر مشروع امور بدعات منشاء الٰہی کے خلاف ہیں۔ ہم خود اس امر کے مجاز نہیں ہیں کہ آپ کسی نئی شریعت کی بنیاد رکھیں اور آجکل یہی ہو رہا ہے کہ ہر شخص اپنے خیالات کے موافق شریعت کو بنانا چاہتا ہے گویا خود شریعت بناتا ہے" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

لہ (الحکم سے) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کو حرام کہنا بڑی بیباکی ہے جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع خدا تعالٰے کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور اصل باعث ہے اور اتباع کا جوش تذکرہ سے پیدا ہوتا اور اس کی تحریک ہوتی ہے۔ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے اس کا تذکرہ کرتا ہے" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ ۔ ۲۴ / مارچ ۱۹۰۳ء)

سلہ (الحکم سے) "ہاں جو لوگ مولود کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی خود تشریف لے آتے ہیں یہ اُن کی جرأت ہے ایسی مجلسیں جو کی جاتی ہیں۔ اُن میں بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ کثرت سے ایسے لوگ شریک ہوتے ہیں جو تارک الصلوٰۃ سُود خور اور شرابی ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مجلسوں سے کیا تعلق؟ اور یہ لوگ محض ایک تماشہ کے طور پر جمع ہو جاتے ہیں پس اس قسم کے خیال بیہودہ ہیں" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ ۲۴ / مارچ ۱۹۰۳ء)

بدمعاش لوگ ہوتے ہیں وہاں آپ کی رُوح کیسے آسکتی ہے۔ اور کہاں لکھا ہے کہ رُوح آتی ہے؟ ولا تقف ما لیس لک بہٖ علم[1]۔

وہابی اور مشرک گمراہ ہیں امت وسط ہونا چاہیئے

دونوں طرف کی رعایت رکھنی چاہیئے۔ جب تک وہابی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت نہیں سمجھتا وہ بھی خدا سے دُور ہے۔ انہوں نے بھی دین کو خراب کر دیا ہے۔ جب کسی نبی یا ولی کا ذکر آجاوے تو چلا اُٹھتے ہیں کہ اُن کو ہم پر کیا فضیلت ہے۔ انہوں نے انبیاء کے خوارق سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہا۔

دوسرے فرقے نے شرک اختیار کیا حتیٰ کہ قبروں کو سجدہ کیا اور اس طرح اپنا ایمان ضائع کیا۔ ہم نہیں کہتے کہ انبیاء کی پرستش کرو بلکہ سوچو اور سمجھو۔ خدا تعالیٰ بارش بھیجتا ہے ہم تو اس پر قادر نہیں ہوتے مگر بارش کے بعد کیسی سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کا وجود بھی بارش ہے۔*

پھر دیکھو کہ کوڑی اور موتی دونو دریا ہی سے نکلتے ہیں۔ پتھر اور ہیرا بھی ایک ہی پہاڑ سے نکلتا ہے مگر سب کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا نے مختلف وجود بنائے ہیں۔ انبیاء کا وجود اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور خدا کی محبت سے بھرا ہوا۔ اُن کو اپنے جیسا سمجھ لینا اس سے بڑھ کر اور کیا کفر ہوگا۔ بلکہ خدا نے تو وعدہ کیا ہے کہ جو ان سے محبت کرتا ہے وہ انہیں میں سے شمار ہوگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ بہشت میں ایک ایسا مقام عطا ہوگا جس میں صرف میں ہی ہوں گا۔ ایک صحابی رو پڑا۔ کہ حضور مجھے جو آپ سے محبت ہے میں کہاں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تو بھی میرے ساتھ

* الحکم میں ہے: "انبیاء علیہم السلام کا وجود بھی ایک بارش ہوتی ہے وہ اعلیٰ درجہ کا روشن وجود ہوتا ہے۔ خوبیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ دنیا کے لئے اس میں برکات ہوتے ہیں اپنے جیسا سمجھ لینا ظلم ہے۔ اولیاء اور انبیاء سے محبت رکھنے سے ایمانی قوت بڑھتی ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۸ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] بنی اسرائیل: ۳۷

ہوگا۔پس سچی محبت سے کام نکلتا ہے۔ ایک مشرک ہرگز سچی محبت نہیں رکھتا[1]۔میں نے جہاں تک دیکھا ہے۔ وہابیوں میں تیزی اور چالاکی ہوتی ہے۔خاکساری اور انکساری تو اُن کے نصیب نہیں ہوتی یہ ایک طرح سے مسلمانوں کے آریہ ہیں۔ وہ بھی الہام کے منکر یہ بھی منکر۔جب تک انسان براہِ راست یقین حاصل نہ کرے قصص کے رنگ میں ہرگز خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔جو شخص خدا تعالیٰ پر پورا ایمان رکھتا ہے ضرور ہے کہ اس پر کچھ تو خدا کا رنگ آجاوے۔

دوسرے گروہ میں سوائے قبر پرستی اور پیر پرستی کے کچھ رُوح باقی نہیں ہے۔قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔خدا نے امۃً وسطاً کہا تھا۔وسط سے مراد ہے میانہ رو۔اور وہ دونو گروہ نے چھوڑ دیا۔پھر خدا فرماتا ہے ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتّبعونی[2]*۔کیا آنحضرتؐ نے کبھی روٹیوں پر قرآن پڑھا تھا؟ اگر آپ نے ایک روٹی پر پڑھا ہوتا تو ہم ہزار پر پڑھتے ہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے[3] خوش الحانی سے قرآن سُنا تھا اور آپ اس پر روئے

[1] (الحکم میں ہے) "مشرک کبھی سچی محبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں رکھ سکتا اور ایسا ہی وہابی بھی نہیں کرسکتا۔یہ مسلمانوں کے آریہ ہیں ان میں رُوحانیت نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ اور اس کے سچے رسُول سے سچی محبت نہیں ہے۔دوسرا گروہ جنہوں نے مشرکانہ طریق اختیار کئے ہیں۔رُوحانیت ان میں بھی نہیں۔ قبر پرستی کے سوا اَور کچھ نہیں۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ - ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے سوال کیا تھا کہ "روٹیوں پر فاتحہ پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟" اس کے جواب میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جواب دیا تھا (مرتب)

[3] الحکم میں ہے۔

سوال۔ خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے؟

حضرت اقدس۔خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا بھی عبادت ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

* آل عمران : ۳۲

بھی تھے جب یہ آیت آئی وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا[1]۔ آپ روئے اور فرمایا بس کر میں آگے نہیں سن سکتا۔ آپ کو اپنے گواہ گذرنے پر خیال گذرا ہوگا۔ ہمیں خود خواہش رہتی ہے کہ کوئی خوش الحان حافظ ہو تو قرآن سُنیں۔

آنحضرت نے ہر ایک کام کا نمونہ دکھلا دیا ہے وہ ہمیں کرنا چاہیئے۔ سچے مومن کے واسطے کافی ہے کہ دیکھ لیوے کہ یہ کام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں کیا تو کرنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟ حضرت ابراہیم آپ کے جدّ امجد تھے اور قابلِ تعظیم تھے کیا وجہ کہ آپ نے اُن کا مولود نہ کروایا!

اشعار اور نظم

اشعار اور نظم پر سوال ہوا اور فرمایا کہ

نظم تو ہماری اس مجلس میں بھی سُنائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ ایک شخص خوش الحان کی تعریف سُنکر اس سے چند ایک اشعار سُنے پھر فرمایا کہ رَحِمَكَ اللّٰهُ۔ یہ لفظ آپ جسے کہتے تھے وہ جلد شہید ہو جاتا۔ چنانچہ وہ بھی میدان میں جاتے ہی شہید ہو گیا۔ ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد مسجد میں شعر پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے روکا کہ مسجد میں مت پڑھو۔ وہ غصہ میں آگیا اور کہا کہ تو کون ہے کہ مجھے روکتا ہے۔ میں نے اسی جگہ اور اسی مسجد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے تھے اور آپ نے مجھے منع نہ کیا۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

شعر کہنے پر اعتراض کا جواب

ایک شخص کا اعتراض پیش ہوا کہ مرزا صاحب شعر کہتے ہیں۔ فرمایا

بقیہ حاشیہ

اور بدعات جو اس کے ساتھ ملا لیتے ہیں وہ اس عبادت کو ضائع کر دیتی ہیں۔ بدعات نکال کر ان لوگوں نے کام خراب کیا ہے"۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] النسآء : ۴۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود شعر پڑھے ہیں۔ پڑھنا اور کہنا ایک ہی بات ہے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی شاعر تھے۔ حضرت عائشہؓ۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے قصائد مشہور ہیں۔ حسان بن ثابت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قصیدہ لکھا۔

سید عبد القادر صاحبؒ نے بھی قصائد لکھے ہیں۔ کسی صحابی کا ثبوت نہ دے سکو گے کہ اس نے تھوڑا یا بہت شعر نہ کہا ہو۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منع نہ فرمایا۔ قرآن کی بہت سی آیات شعروں سے ملتی ہیں۔

ایک شخص نے عرض کی کہ سورہ شعراء میں اخیر پر شاعروں کی مذمت کی ہے۔ فرمایا کہ

وہ مقام پڑھو۔ وہاں خدا نے فسق و فجور کرنے والے شاعروں کی مذمت کی ہے اور مومن شاعر کا وہاں خود استثنار کر دیا ہے۔ پھر ساری زبور نظم ہے۔ یرمیاہ، سلیمان اور موسیٰ کی نظمیں تورات میں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نظم گناہ نہیں ہے ہاں فسق و فجور کی نظم نہ ہو۔ ہمیں خود الہام ہوتے ہیں بعض ان میں سے مقفٰی اور بعض شعروں میں ہوتے ہیں۔

مجلس قبل از عشاء

کتے اور بندر سے مراد

کُتے سے مراد ایک طماع آدمی ہو کہ تھوڑی سی بات پر راضی اور تھوڑی سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں اور بندر سے مراد ایک مسخ شدہ آدمی ہے۔

مفسرین سے یہ بات ثابت نہیں کہ مسخ شدہ یہود پر پشم پیدا ہو گئی تھی اور اُن کی دُم بھی نکل آئی تھی بلکہ ان کے عادات مثل بندروں کے ہو گئے تھے۔ اس وقت

بھی امت مثل یہود کے ہو گئی ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ان کی خصلت اُن میں آ گئی ہے کہ مامور کا انکار کرتے ہیں۔

کسر صلیب

کسر صلیب پر فرمایا کہ

اب ایک ہوا چل پڑی ہے جیسے ہمارے دلوں میں ڈالا ہے کہ مسیح مرگیا ویسے ہی اب ان (اہل یورپ و امریکہ) کے دلوں میں ڈالا ہے۔ اخبار اور رسالے نکلتے ہیں اور مسیح کی امید لگ رہی ہے کہ یہی زمانہ ہے۔

تعبیر رؤیا

دانت کی داڑھ نکل کر اگر کانچ کی نظر آوے تو خطرناک ہوا کرتی ہے۔ دانت اگر ٹوٹ کر ہاتھ میں رہے تو عمدہ ہے۔

عورتوں کا ذکر

اس کے بعد مفتی محمد صادق صاحب پھر سول اخبار کا بقیہ مضمون سناتے رہے جس میں اسلامی عورتوں کا ذکر تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی عورتیں صالحات میں نہ ہوں گو تھوڑی ہوں مگر ہوں گی ضرور جس نے عورت کو صالحہ بنانا ہو وہ خود صالح بنے۔ ہماری جماعت کے لئے ضروری ہے کہ اپنی پرہیزگاری کے لئے عورتوں کو پرہیزگاری سکھا دیں ورنہ وہ گنہگار ہوں گے اور جبکہ اس کی عورت سامنے ہو کر بتلا سکتی ہے کہ تجھ میں فلاں فلاں عیب ہیں تو پھر عورت خدا سے کیا ڈرے گی۔ جب تقوی نہ ہو تو ایسی حالت میں اولاد بھی پلید پیدا ہوتی ہے۔ اولاد کا طیب ہونا تو طیبات کا سلسلہ چاہتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر اولاد خراب ہوتی ہے۔ اس لئے

چاہیئے کہ سب توبہ کریں اور عورتوں کو اپنا اچھا نمونہ دکھلاویں۔ عورت خاوند کی جاسوس ہوتی ہے وہ اپنی بدیاں اس سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ نیز عورتیں چھپی ہوئی دانا ہوتی ہیں۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ احمق ہیں وہ اندر ہی اندر تمہارے سب اثروں کو حاصل کرتی ہیں۔ جب خاوند سیدھے رستہ پر ہوگا تو وہ اس سے بھی ڈرے گی اور خدا سے بھی۔ ایسا نمونہ دکھانا چاہیئے کہ عورت کا یہ مذہب ہو جاوے کہ میرے خاوند جیسا اور کوئی نیک دُنیا میں نہیں ہے اور وہ یہ اعتقاد کرے کہ یہ باریک سے باریک نیکی کی رعائت کرنے والا ہے۔ جب عورت کا یہ اعتقاد ہو جاوے گا تو ممکن نہیں کہ وہ خود نیکی سے باہر رہے۔ سب انبیاء اولیاء کی عورتیں نیک تھیں اس لئے کہ ان پر نیک اثر پڑتے تھے۔ جب مرد بدکار اور فاسق ہوتے ہیں تو ان کی عورتیں بھی ویسی ہی ہوتی ہیں۔ ایک چور کی بیوی کو یہ خیال کب ہو سکتا ہے کہ میں تہجد پڑھوں۔ خاوند تو چوری کرنے جاتا ہے تو کیا وہ پیچھے تہجد پڑھتی ہے؟ الرجال قوامون علی النساء اسی لئے کہا ہے کہ عورتیں خاوندوں سے متأثر ہوتی ہیں۔ جس حد تک خاوند صلاحیت اور تقویٰ بڑھاوے گا کچھ حصہ اس سے عورتیں ضرور لیں گی۔ ویسے ہی اگر وہ بدمعاش ہوگا تو بدمعاشی سے وہ حصہ لیں گی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۷۳-۷۴، مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۶ مارچ ۱۹۰۳ء

سیر میں بعض احباب نے اپنے اپنے رؤیا سُنائے آپ نے فرمایا کہ خواب بھی ایک اجمال ہوتا ہے اور اس کی تعبیر صرف قیاسی ہوتی ہے۔

رؤیا و الہام

رات کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اپنی جماعت میں سے گھوڑے پر سے گر پڑا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ سوچتا رہا کہ کیا تعبیر کریں۔ قیاسی طور پر جو بات اقرب ہو وے لگائی

جاسکتی ہے کہ اس اثناء میں غنودگی غالب ہوئی اور الہام ہوا

"استقامت میں فرق آگیا"

ایک صاحب نے کہا کہ وہ کون شخص ہے حضرت نے فرمایا کہ

معلوم تو ہے مگر جب تک خدا کا اذن نہ ہو میں بتلایا نہیں کرتا میرا کام دعا کرنا ہے۔

سُود اور ایمان

ایک نے سوال کیا کہ ضرورت پر سودی روپیہ لے کر تجارت وغیرہ کرنے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا:-

حرام ہے۔ ہاں اگر کسی دوست اور تعارف کی جگہ سے روپیہ لیا جاوے اور کوئی حظ اس کو زیادہ دینے کا نہ ہو نہ اس کے دل میں زیادہ لینے کا خیال ہو۔ پھر اگر مقروض اصل سے کچھ زیادہ دیدے تو وہ سُود نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ھل جزاء الاحسان الاّ الاحسان[1] ہے۔

قادر خدا

اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر ضرورت سخت ہو اور سوائے سُود کے کام نہ چل سکے تو پھر؟ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے اس کی حُرمت مومنوں کے واسطے مقرر کی ہے اور مومن وہ ہوتا ہے جو ایمان پر قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اسلام میں کروڑہا ایسے آدمی گذرے ہیں جنہوں نے نہ سود لیا نہ دیا۔ آخر اُن کے حوائج بھی پُورے ہوتے رہے کہ نہیں؟※ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ نہ لو نہ دو جو ایسا کرتا ہے وہ گویا خدا تعالےٰ کے ساتھ لڑائی کی تیاری کرتا ہے ایمان ہو تو اس کا صلہ خدا بخشتا ہے۔ ایمان بڑی بابرکت شئے ہے الم تعلم ان اللّٰہ علیٰ کل شیءٍ[2]

※ (الحکم سے) "وہ کبھی ایسی مشکلات میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ یرزقہ من حیث لا یحتسب[3] اللہ تعالیٰ ہر ضیق سے اُن کو نجات دیتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ر مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] الرحمٰن: ۶۱ [2] البقرۃ: ۱۰۷ [3] الطلاق: ۴

قدیر۔ اگر اُسے خیال ہو کہ پھر کیا کرے؟ تو کیا خدا کا حکم بھی بیکار ہے؟ اس کی قدرت بہت بڑی ہے۔ سود تو کوئی شئے ہی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا کہ زمین کا پانی نہ پیا کرو تو وہ[1] ہمیشہ بارش کا پانی آسمان سے دیا کرتا۔ اسی طرح ضرورت پر وہ خود ایسی راہ نکال ہی دیتا ہے۔ کہ جس سے اس کی نافرمانی بھی نہ ہو۔ جب تک ایمان میں میل کچیل ہوتا ہے تب تک یہ ضعف اور کمزوری ہے۔ کوئی گناہ چھوٹ نہیں سکتا جب تک خدا نہ چھڑا وے ورنہ انسان تو ہر ایک گناہ پر یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ ہم چھوڑ نہیں سکتے اگر چھوڑیں تو گذارہ نہیں چلتا۔ دکانداروں عطاروں کو دیکھا جاوے کہ پُرانا مال سالہا سال تک بیچتے ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں۔ ملازم پیشہ لوگ رشوت خوری کرتے ہیں اور سب یہ عذر کرتے ہیں[2] کہ گذارہ نہیں چلتا۔ ان سب کو اگر اکٹھا کر کے نتیجہ نکالا جاوے تو پھر یہ نکلتا ہے کہ خدا کی کتاب پر عمل ہی نہ کرو کیونکہ گذارہ نہیں چلتا حالانکہ مومن کے لئے خدا خود سہولت کر دیتا ہے۔ یہ تمام راستبازوں کا مجرب علاج ہے کہ مصیبت اور صعوبت میں خدا خود راہ نکال دیتا ہے۔

لوگ خدا کی قدر نہیں کرتے۔ جیسے بھروسہ ان کو حرام کے دروازہ پر ہے ویسا خدا پر نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان یہ ایک نسخہ ہے کہ اگر قدر ہو تو چاہیے کہ جیسے اور عجیب نسخہ مخفی رکھنا چاہتے ہیں ویسے ہی اسے بھی مخفی رکھا جاوے۔ میں نے کئی دفعہ بیماریوں میں آزمایا ہے کہ پیشاب بار بار آرہا ہے۔ دست بھی لگے ہیں۔ آخر خدا سے دعا کی۔ صبح کو الہام ہوا دعاءك مستجاب

اس کے بعد ہی وہ کثرت جاتی رہی اور کمزوری کی جگہ طاقت آگئی۔ یہ خدا کی طاقت ہے خدا ایسا عجیب ہے کہ ان نسخوں سے بھی زیادہ قابلِ قدر ہے جو کیمیا وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ مجھے بھی ایک دفعہ خیال آیا کہ یہ تو چھپانے کے قابل ہے پھر سوچا کہ یہ تو بخل ہے۔ ایسی

---

[1] : الحکم میں ہے :۔ "اگر اللہ تعالیٰ مومن کو کہتا کہ تو زمین کا پانی نہ پیا کر۔ تو میں ایمان رکھتا ہوں کہ اُس کو آسمان سے پانی ملتا۔"

[2] :۔ الحکم سے :۔ "عذر رکھ کر معصیت میں مبتلا ہونا یہ سفلی عذر ہے جو شیطان سے آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرے تو سب کچھ ہوتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

مفید شیئے کا دنیا پر اظہار کرنا چاہیئے کہ مخلوق الٰہی کو فائدہ حاصل ہو۔ یہی فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے خدا میں ہے۔ ان کا خدا بولتا نہیں۔ خدا معلوم یہ بھی کیسا ایمان ہے۔ اسلام کا خدا جیسا پہلے تھا ویسے ہی اب ہے۔ نہ طاقت کم ہوئی نہ بوڑھا ہوا۔ نہ کچھ اور نقص اس میں واقع ہؤا ایسے خدا پر جس کا ایمان ہو وہ اگر آگ میں بھی پڑا ہو تو اُسے حوصلہ ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آخر آگ میں ڈالا ہی تھا۔ ایسے ہی ہم بھی آگ میں ڈالے گئے[۱]۔ خون کا مقدمہ بنایا گیا۔ اگر اس میں ۵ یا دس سال کی قید ہو جاتی تو سب سلسلہ تباہ ہو جاتا۔ سب قوموں نے متفق ہو کر یہ آگ سلگائی تھی۔ کیا کم آگ تھی؟ اس وقت سوائے خدا کے اور کون تھا؟ اور وہی الہام ہوئے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوئے تھے۔ آخر میں الہام ہوا

اِبْرَاءٌ

اور تسلی دی کہ سب کچھ میرے ہاتھ میں ہے۔

بونس وغیرہ کا روپیہ اور بنکوں کا سُود

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ریلوے میں جو لوگ ملازم ہوتے ہیں۔ اُن کی تنخواہ میں سے ارفی روپیہ کاٹ کر رکھا جاتا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ روپیہ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ زائد بھی وہ دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ

شرع میں سُود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کے لئے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سُود کہلا دیگا۔[۲]

---

[۱] (الحکم سے) "ڈگلس کے سامنے جو کلارک کا مقدمہ تھا وہ اُس آگ سے کم نہ تھا۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ - ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[۲] حاشیہ (الحکم سے) "لیکن جبکہ محکمہ ریلوے کے ملازم خود وہ روپیہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ سُود ہے تو وہ بھی سود میں داخل نہیں ہے وہ بادشاہ کی طرف سے احسان ہے پیغمبر خدا نے کسی سے ایسا قرضہ نہیں لیا کہ ادائیگی کے وقت اُسے کچھ نہ کچھ ضرور زیادہ نہ دے دیا ہو۔ یہ خیال رہنا چاہیئے کہ اپنی خواہش نہ ہو۔خواہش کے برخلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سُود میں داخل نہیں ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ سید احمد خاں صاحب نے لکھا ہے اضعافاً مضاعفۃً کی ممانعت ہے۔ فرمایا کہ

یہ بات غلط ہے کہ سُود در سُود کی ممانعت کی گئی ہے اور سُود جائز رکھا ہے شریعت کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے۔ یہ فقرہ اسی قسم کا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ گناہ در گناہ مت کرتے جاؤ۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ گناہ ضرور کرو۔

اس قسم کا روپیہ جو کہ گورنمنٹ سے ملتا ہے وہ اسی حالت میں سود ہوگا جبکہ لینے والا اس خواہش سے روپیہ دیتا ہے کہ مجھ کو سُود ملے ورنہ گورنمنٹ جو اپنی طرف سے احساناً دیوے وہ سود میں داخل نہیں ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر ایک شخص تائب ہو تو اس کے پاس جو اول جائداد رشوت وغیرہ سے بنائی ہو اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا

شریعت کا حکم ہے کہ توبہ کرے۔ تو جس جس کا وہ حق ہے۔ وہ اُسے پہنچایا

سُود کے لالچ سے نہیں دیتے بلکہ جبراً وضع کیا جاتا ہے تو یہ سُود کی تعریف میں داخل نہیں ہے اور خود جو کچھ روپیہ وہ زائد دیدیتے ہیں وہ سُود میں داخل نہیں ہے غرض یہ خود دیکھ سکتے ہو کہ آیا یہ روپیہ سُود لینے کے لئے تم خود دیتے ہو یا وہ خود وضع کرتے ہیں اور بلاطلب اپنے طور پر دیتے ہیں" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۶) ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء

جاوے[۱]۔ رشوت اور ہدیہ میں تمیز چاہیئے۔ رشوت وہ مال ہے کہ جب کسی کی حق تلفی کے واسطے دیا یا لیا جاوے ورنہ اگر کسی نے ہمارا ایک کام محنت سے کر دیا ہے اور حق تلفی بھی کسی کی نہیں ہوئی تو اس کو جو دیا جاوے گا۔ وہ اس کی محنت کا معاوضہ ہے۔

انشورنس اور بیمہ وغیرہ

انشورنس[۲] اور بیمہ پر سوال کیا گیا۔ فرمایا کہ

سُود اور قمار بازی کو الگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ داریوں کو شریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔ قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دنیا کے کاروبار میں ذمہ داری کی ضرورت ہے دوسرے ان تمام سوالوں میں اس امر کا خیال بھی رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں حکم ہے کہ بہت کھوج نکال کر مسائل نہ پوچھنے چاہئیں۔ مثلاً اب کوئی دعوت کھانے جاوے اور اسی خیال میں لگ جاوے کہ کسی وقت حرام کا پیسہ ان کے گھر میں آیا ہوگا۔ پھر اس طرح تو آخر کار دعوتوں کا کھانا ہی بند ہو جاوے گا۔ خدا کا نام ستار بھی ہے ورنہ دُنیا میں عام طور پر راستباز کم ہوتے ہیں مستور الحال بہت ہوتے ہیں۔ یہ بھی قرآن میں لکھا ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا[۳] یعنی تجسس مت کیا کرو ورنہ اس طرح تم مشقت میں پڑو گے۔

---

[۱] (الحکم سے) "اور اگر پتہ نہ لگے تو پھر اسے صدقہ و خیرات کر دے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۲۔ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[۲] الحکم میں اس سوال سے پہلے ایک اور سوال اور اس کا جواب یوں درج ہے:۔

"سوال۔ رہن کے متعلق کیا حکم ہے؟

حضرت اقدس۔ ہمارے نزدیک رہن جبکہ نفع و نقصان کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھانا منع نہیں ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[۳] الحجرات: ۱۳

مجلس قبل از عشاء

پنڈت نند کشور سناتن دھرمی سے گفتگو

پنڈت نند کشور صاحب جو کہ سناتن دھرم مذہب کے ایک عالم فاضل متبحر لیکچرار ہیں حضرت اقدس کی ملاقات کے واسطے تشریف لائے۔ آتے ہی حضرت صاحب سے سلام علیکم اور مصافحہ کیا۔ حضرت صاحب نے نسیم دعوت اور سناتن دھرم وغیرہ کی نسبت ان کی رائے دریافت کی۔ پنڈت صاحب نے کہا کہ ان کتب میں آپ نے ویسے ہی لکھا ہے جیسے انبیاء کا دستور ہے خدا کے برگزیدہ بندوں سے گندے لفظ نکل ہی نہیں سکتے۔ آریہ لوگوں کی مثال انہوں نے یہ دی کہ جیسے کھاری چشمہ سے میٹھا پانی نہیں نکل سکتا۔ اسی طرح وہ لوگ لکھ ہی کیا سکتے ہیں۔

حضرت اقدس نے آریہ سماج کی نسبت فرمایا کہ

یہ لوگ بالکل حقیقت ایمان سے بے نصیب ہیں۔ ایمان تو عقلمندوں کی آزمائش کے لئے ہے کہ کچھ عقل سے کام لے اور کچھ ایمان سے۔ معجزات میں یہ عادۃ اللہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ ایسے کام دکھلائے جاویں جو کہ خدا کی عادت کے برخلاف دنیا میں ہوں۔ مثلاً سوال کرتے ہیں کہ سو یا پچاس سال کے مُردے آکر شہادت دیویں گو کہ یہ ہو تو سکتا ہے۔ مگر سوال ہے کہ جو اس کے بعد قبول کرے گا اُسے کیا فائدہ ہوگا؟ جب سب حقیقت کھُل گئی اور سو دو سو آدمی کی شہادت بھی مل گئی تو اب کس کی عقل ماری ہے کہ انکار کرے نہ ہندو نہ چمار کسی کو گنجائش ہی انکار کی نہیں رہتی۔ ہمارے ہاں لکھا ہے کہ اس قسم کا ایمان فائدہ نہیں دیتا۔ اگر دن چڑھا ہوا ہو اور کوئی کہے کہ میں دن پر ایمان لایا۔ یا چاند پُورا چودھویں کا ہے اور کوئی اس پر ایمان لاوے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا؟ اور کس تعریف کا مستحق ہے؟ ہاں اگر اوّل شب کے چاند پر جس کا نام ہلال ہے کوئی اُسے دیکھ

۱۹۰۲ء

کر بتلاوے تو اس کی نظر کی تعریف کی جاوے گی اور جس کی نظر کم و بیش ہے وہ کھل جاویگی تو نشانوں میں بھی اصول خدا نے رکھا ہے کہ ایک پہلو میں ایمان سے فائدہ اُٹھاویں اور ایک پہلو میں عقل سے ورنہ ایمان ایمان نہیں رہتا۔ ایک مخفی امر کو عقل سے سوچکر قرائن ملا کر مان لینے کا نام ایمان ہے۔ ان لوگوں کی عقل موٹی ہے۔ ایسے نشان طلب کرتے ہیں جو کہ عادت اللہ کے خلاف ہیں۔ ہم یہ پیش کرتے ہیں کہ جو سچا مذہب ہوتا ہے اس میں امتیاز ہوتا ہے۔ جس قدر تائیدات اور خوارق خدا تعالیٰ نے اسلام کی تائید میں رکھے ہیں۔ وہ کسی دوسرے مذہب کے لئے ہرگز نہیں ہیں۔ مگر یہ ان امور میں مقابلہ چاہتے ہیں جو کہ عادت اللہ کے خلاف ہیں۔ دوسرے خدا غلام نہیں ہے کہ کسی کے تابع ہو بلکہ وہ خدا کے تابع ہیں۔

آریوں کے اعتراضات کا جواب

ہم نے اُن سے یہ چاہا ہے کہ اس طرح سے فیصلہ کر لو کہ ہزاروں اعتراض جو تم لوگ کرتے ہو ان میں سے دو اعتراض چُن لو اگر وہ سچے نکل آویں تو باقی تمہارے سب سچے اور اگر وہ جھوٹے نکل آویں تو باقی سب جھوٹے۔ مگر ان لوگوں کو موت کا خوف نہیں۔ اگر عقل ہو تو لازم ہے کہ وہ اسلام کے سوائے کوئی سچا پاک مذہب دکھلاویں۔

طلاق پر اعتراض کا جواب

اور طلاق کی نسبت اعتراض ہے ہم کہتے ہیں کہ اچھا آجتک جس قدر طلاق اسلام میں ہوئی ہیں ان کی فہرست ہم سے لو اور جس قدر نیوگ تم میں ہوا اس کی فہرست ہمیں دو۔

مدارات اور مداہنہ میں فرق

فرمایا کہ

مدارات اسے کہتے ہیں کہ نرمی سے گفتگو کی جاوے تا کہ دوسرے کے ذہن نشین ہو اور حق کا اس طرح اظہار کرنا کہ ایک کلمہ بھی باقی نہ رہے اور سب ادا ہو جاوے۔ اور مداہنہ اسے کہتے ہیں کہ ڈر کر حق کو چھپا لینا۔ کھا لینا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نرمی سے

گفتگو کر کے پھر گرمی پر آجاتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ حق کو پورا پورا ادا کرنے کے واسطے ایک ہنر چاہیئے۔ وہ شخص بہت بہادر ہے جو کہ ایسی خوبی سے حق کو بیان کرے کہ بڑے غصہ والے آدمی بھی سُن لیویں۔ خدا ایسوں پر راضی ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حق گو سے لوگ راضی نہ ہوں اگرچہ وہ نرمی بھی کرے مگر تاہم درمیان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اچھا کہنے لگتے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۷۵، ۷۶ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

تفسیر قرآن کا طریق

قرآن کی تفسیر کے متعلق فرمایا کہ[1]

خدا کے کلام کے صحیح معنے تب سمجھ میں آتے ہیں کہ اس کے تمام رشتہ کی سمجھ ہو جاوے

---

[1] اس سے پہلے ایک ملاقات کا ذکر ہے جو قابلِ اندراج معلوم ہوتی ہے۔ لکھا ہے:۔

"۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء **معجزہ شق القمر کی شہادت ہندوستان میں**

قبل از عشاء۔ پنڈت ہند کشور صاحب سے معجزات پر گفتگو ہوئی۔ پنڈت صاحب نے معجزہ شق القمر کی نسبت کہا کہ بھوج سوانح ایک کتاب سنسکرت میں ہے مجھ سے پنڈتوں نے بیان کیا ہے کہ اس میں شق القمر کی شہادت راجہ بھوج سے ہے کہ وہ اپنے محل پر تھا یکایک اس نے چاند کو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے پنڈتوں کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ چاند اس طرح پھٹا۔ راجہ نے خیال کیا کہ کوئی عظیم الشان حادثہ ہوگا۔ پنڈتوں نے جواب دیا کہ کوئی خلو نہیں ہے پچھم کے دیس میں ایک مہاتما پیدا ہوا ہے وہ بہت یوگی ہے اس نے اپنے یوگ ابھیاس سے چاند کو ایسا کر دیا ہے۔ تب راجہ نے اُسے تحفہ تحائف ارسال کئے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۷۷ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

قرآن شریف کی نسبت ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ اس کے سوا جو اور کلام ہوگا وہ تو اپنا کلام ہوگا۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض وقت ایک آیت کے معنے کرنے کے وقت دو سَو آیتیں شامل ہوتی ہیں۔ ایجادی معنے کرنے والوں کا منہ اس سے بند ہو جاتا ہے۔

(البدر جلد دوم نمبر ۱۰ صفحہ ۷۷ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۸ مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

بعض احباب کا ذکر

بعد مغرب گرمی محسوس کر کے حضرت اقدس نے اپنے احباب سے مشورہ کیا کہ اب موسم بدلا ہوا ہے۔ اس لئے اگر مناسب ہو تو اُوپر چل بیٹھیں چنانچہ احباب نے اس سے اتفاق کیا اور اسی وقت تمام احباب اور حضرت اقدس بالائی منزل میں تشریف لے گئے۔

شہ نشین پر بیٹھ کر ابو سعید صاحب سے فرمایا کہ

اگر آپ چلے گئے ہوتے تو اُوپر کا جلسہ کیسے دیکھتے اور یہ کہاں نصیب ہونا تھا۔

اسی اثناء میں نواب صاحب تشریف لائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا

مدت کے بعد آج پھر نواب صاحب کا چہرہ نظر آیا ہے۔ آگے تو ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں جا بیٹھا کرتے اور اندھیرے میں چہرہ بھی نظر نہ آتا تھا۔

رسالہ حقیقتِ دُعا

بیٹھے بیٹھے آپ نے فرمایا کہ

جیسے ایک مرض ہوتی ہے کہ اس میں جب تک ٹکیاں مارتے رہیں تو آرام رہتا ہے اسی طرح فراغت میرے واسطے مرض ہے ایک دن بھی فارغ رہوں تو بے چین ہو جاتا ہوں۔ اس لئے

ایک کتاب شروع کردی ہے جس کا نام حقیقت دُعا رکھا ہے ایک رسالہ کی طرز پر لکھا ہے۔

دعا ایسی شئے ہے کہ جب آدمؑ کا شیطان سے جنگ ہوا تو اس وقت سوائے دعا کے اور کوئی حربہ کام نہ آیا۔ آخر شیطان پر آدمؑ نے فتح بذریعہ دُعا پائی ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین[1]۔

اور آخر میں بھی دجال کے مارنے کے واسطے دعا ہی رکھی ہے۔ گویا اول بھی دعا اور آخر بھی دعا ہی دعا ہے۔ حالت موجودہ بھی یہی چاہتی ہے۔ تمام اسلامی طاقتیں کمزور ہیں۔ اور ان موجودہ اسلحہ سے وہ کیا کام کر سکتی ہیں۔ اب اس کفر وغیرہ پر غالب آنے کے واسطے اسلحہ کی ضرورت بھی نہیں۔ آسمانی حربہ کی ضرورت ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۷۷ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۹ مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

آریوں کے اعتراضات کا ذکر

حضور نے شہ نشین پر جلوہ گر ہو کر فرمایا کہ

آج طبیعت نہایت علیل تھی کہ اُٹھنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ اسی لئے ظہر و عصر کے اوقات میں نہ آ سکا۔

چند ایک دریدہ دہن آریوں کے بیباکانہ اعتراض پر فرمایا کہ

یہ گندہ زبانی سے باز نہیں آتے ہم بھی ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ؎

گر نباشد بدوست راہ بردن

شرط عشق است در طلب مُردن

جب انسان کے دل میں مَیل ہوتا ہے تو ایک فرشتہ کو بھی میلا سمجھ لیتا ہے۔

[1] الاعراف: ۲۴

رؤیا

فرمایا کہ

آج میں نے ایک خواب دیکھا جیسے آنکھ کے آگے ایک نظارہ گذر جاتا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ دو سنڈھوں کے سر جسم سے الگ کٹے ہوئے ہاتھوں میں ہیں۔ ایک ایک ہاتھ میں اور دوسرا دوسرے ہاتھ میں۔

اسلام کی حالت اور علاج

جس حالت میں اب اسلام ہے۔ اس کا علاج اب سوائے دُعا کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ لوگ جہاد جہاد کہتے ہیں مگر اس وقت تو جہاد حرام ہے اس لئے خدا نے مجھے دعاؤں میں وہ جوش دیا ہے۔ جیسے سمندر میں ایک جوش ہوتا ہے۔ چونکہ توحید کے لئے دُعا کا جوش دل میں ڈالا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ الٰہی بھی یہی ہے جیسا کہ ادعونی اَسْتَجِبْ لَکُمْ[1] اس کا وعدہ ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۱ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۰؍ مارچ ۱۹۰۳ء

بیعت کا مدعا

بعد نماز جمعہ چند آدمیوں نے بیعت کی اور بعد بیعت حضرت اقدس نے اُن کو خطاب کرکے فرمایا۔

اصل مدعا بیعت کا یہی ہے کہ توبہ کرو۔ استغفار کرو۔ نمازوں کو درست کرکے پڑھو۔ ناجائز کاموں سے بچو۔ میں جماعت کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں مگر جماعت کو بھی چاہیئے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو پاک کرے۔

[1] المومن: ۶۱

یاد رکھو غفلت کا گناہ پشیمانی کے گناہ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ گناہ زہریلا اور قاتل ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والا تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ جس کو معلوم ہی نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں وہ بہت خطرناک حالت میں ہے۔ پس ضرورت ہے کہ غفلت کو چھوڑ دو۔ اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ جو شخص توبہ کر کے اپنی حالت کو درست کریگا وہ دوسروں کے مقابلہ میں بچایا جائے گا۔ پس دعا اسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہے جو خود بھی اپنی اصلاح کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے سچے تعلق کو قائم کرتا ہے۔ پیغمبر کسی کے لئے اگر شفاعت کرے لیکن وہ شخص جس کی شفاعت کی گئی ہے اپنی اصلاح نہ کرے اور غفلت کی زندگی سے نہ نکلے تو وہ شفاعت اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔[۱]

جبتک خود خدا تعالیٰ کی رحمت کے مقام پر کھڑا ہو تو دعا بھی اس کو فائدہ پہنچاتی ہے نرا اسباب پر بھروسہ نہ کرلو کہ بیعت کر لی ہے اللہ تعالیٰ لفظی بیعتوں کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جیسے بیعت کے وقت توبہ کرتے ہو اس توبہ پر قائم رہو اور ہر روز نئی توجہ پیدا کرو جو اس کے استحکام کا موجب ہو۔ اللہ تعالیٰ پناہ ڈھونڈھنے والوں کو پناہ دیتا ہے جو لوگ خدا کی طرف آتے ہیں وہ ان کو ضائع نہیں کرتا۔

اس بات کو خوب سمجھ لو کہ جب پورا خوف دامنگیر ہو اور جان کندن کی سی حالت

---

۱ البدر میں اس کی مزید تشریح یوں درج ہے:-

"دیکھو کہ نوح کا بیٹا ہلاک ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہلاک ہوئے۔ اُنکو ایمان نصیب نہ ہوا۔ اسی طرح موسیٰؑ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس کو کچھ فائدہ موسےٰؑ کے رشتہ سے نہ ہوا۔

دعا تو ہم کرتے ہیں مگر جبتک انسان خود سید معانہ ہو دعا شفاعتی فائدہ نہیں کرتی اگر انسان رحمت کے مقام سے خود ہی بھاگے تو رحمت اُسے کہاں کہاں تلاش کرے گی۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۱ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

ہو گئی۔اس وقت کی توبہ۔توبہ نہیں۔جب بلا نازل ہو گئی پھر اس کا رد کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔تم بلا کے نزول سے پہلے فکر کرو۔جو بلا کے نزول سے پہلے ڈرتا ہے وہ عاقبت میں اور باریک بین ہوتا ہے اور بلا کے آجانے کے وقت تو کافر بھی ڈرتے ہیں۔

میں نے سنا ہے بعض گاؤں میں جہاں طاعون کی شدت ہوئی ہندوؤں نے[1] مسلمانوں کو بلا کر اپنے گھروں میں اذانیں دلوائی ہیں وہی اذان جس سے پہلے اُن کو پرہیز تھا جو مومن غرض کے لئے خدا سے نہیں ڈرتا خدا اُس سے خوف کو دُور کر دیتا ہے مگر جس کے دروازہ پر بلا نازل ہو جاوے تو وہ خواہ نخواہ اس سے ڈرے گا۔

بہت دعائیں کرتے رہو تاکہ ان بلاؤں سے نجات ہو اور خاتمہ بالخیر ہو۔عملی نمونہ کے سوا بیہودہ قیل قال فائدہ نہیں دیتی اور جیسے یہ ضروری ہے کہ ڈر کے سامانوں سے پہلے ڈرنا چاہیئے۔یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ ڈر کے سامان قریب ہوں تو ڈر جاؤ اور جب وہ دُور چلے جاویں تو بیباک ہو جاؤ بلکہ تمہاری زندگی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھری ہوئی ہو خواہ مصیبت کے سامان ہوں یا نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ مقتدر ہے[2] وہ جب چاہتا ہے مصیبت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔اور

---

[1] البدر میں اس کی مزید تشریح ہے لکھا ہے:۔

"جیسے آجکل سنا گیا ہے کہ ہندو اور سکھ لوگ طاعون کے ڈر سے مسلمانوں کو بلا بلا کر اپنے گھروں میں بانگ دلواتے ہیں مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں۔غرض کے وقت یہ لوگ نرم ہو جاتے ہیں جب غرض نکل گئی پھر ویسے ہی سخت قلب ہو گئے۔مومن کی یہ حالت چاہیئے بلکہ اُسے خدا سے صدق اور وفا سے دُعا کرنی چاہیئے۔اگر طاعون نہ بھی ہو تب بھی وہ خدا سے ایسا ہی ڈرے جیسے ہزار طاعون ہو" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۱)

[2] (البدر سے) "ہر وقت اس سے ڈرنا چاہیئے کیا اسے قہر بھیجتے کچھ دیر لگتی ہے" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲)

جب چاہتا ہے کشائش کرتا ہے۔ جو بھی اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ بچایا جاتا ہے۔ ڈرنے والا اور نہ ڈرنے والا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالےٰ ان دونوں میں ایک فرق رکھ دیتا ہے

پس ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ سچی توبہ کریں اور گناہ سے بچیں۔ جو بیعت کر کے پھر گناہ سے نہیں بچتا وہ گویا جھوٹا اقرار کرتا ہے۔* **اور یہ میرا ہاتھ نہیں خدا کا ہاتھ ہے جس پر وہ ایسا جھوٹ بولتا ہے اور پھر خدا کے ہاتھ پر جھوٹ بول کر کہاں جاوے گا؟**

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[1] مقت خدا کے غضب کو کہتے ہیں یعنی بڑا غضب اُن پر ہوتا ہے جو اقرار کرتے ہیں اور پھر کرتے نہیں۔ ایسے آدمی پر خدا تعالےٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اس لئے دعائیں کرتے رہو۔ کوئی ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک خدا نہ رکھے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء
بوقت سیر

عام کیلئے دُعا

کسی خاص شخص کی ہدایت پر زور دینے کے بارے میں فرمایا کہ

ایک فرد واحد پر ہدایت کے لئے زور دینا ٹھیک نہیں ہوتا اور نہ اس طرح کبھی انبیاء کو کامیابی ہوئی ہے۔ عام دعا چاہیئے پھر جو لائق ہوتا ہے وہ اس سے خود بخود متاثر ہوتا ہے

---

* (البدر سے) :-

"بیعت کی بنیاد یہی ہے کہ سچی توبہ ہو اور گناہ چھوٹ جاویں اگر یہ نہ ہو تو بیعت خود گناہ ہوگی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲)

[1] الصف: ۴

خدا کی توبہ

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گُناہ سے کلی طور پر بیزار ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور سچے طور سے یہ عہد ہو کہ موت تک پھر گناہ نہ کروں گا۔ ایسی توبہ پر خدا کا وعدہ ہے کہ مَیں بخش دُوں گا۔ اگرچہ یہ توبہ دوسرے دن ہی ٹوٹ جاوے مگر بات یہ ہے کہ کرنے والے کا اس وقت عزم مصمم ہو اور اس کے دل میں ٹوٹی ہوئی نہ ہو۔

ایک توبہ انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور ایک خدا کی طرف سے۔ خدا کی توبہ کے معنے رجوع کے ہیں کیونکہ اس کا نام توّاب ہے۔ انسان توبہ کرتا ہے تو گناہ سے نیکی کی طرف آتا ہے اور جب خدا توبہ کرتا ہے تو وہ رحمت سے اُس کی طرف آتا ہے اور اس انسان کو لغزش سے سنبھال لیتا ہے۔ جب اس قسم کی خدا کی توبہ ہو تو پھر لغزش نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے کہ انسان توبہ کرتا ہے پھر اس سے ٹوٹ جاتی ہے اور قضاء و قدر غالب آتی ہے پھر وہ روتا ہے گڑگڑاتا ہے پھر توبہ کرتا ہے مگر پھر ٹوٹ جاتی ہے اور وہ بار بار تضرع کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے پھر آخرکار جب انتہا تک اس کی تضرع اور ابتہال پہنچ جاتے ہیں تو پھر خدا توبہ کرتا ہے یعنی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے اِعمل ما شئت انّی غفرت لکَ۔ اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اب اس کی فطرت ایسی بدل دی گئی ہے کہ گناہ نہ ہو سکے گا جیسے کسی بدکار کا آلہ تناسل کاٹ دیا جاوے تو پھر وہ کیا بدکاری کرسکیگا یا آنکھیں نکال دی جائیں تو وہ کیا بدنظری کرے گا۔ اسی طرح خدا سرشت بدل دیتا ہے۔ اور بالکل پاکیزہ فطرت بنا دیتا ہے۔ بدر میں جب صحابہ کرامؓ نے جان لڑائی تو ان کی اس ہمت اور اخلاص کو دیکھ کر خدا نے اُن کو بخشدیا۔ اُن کے دلوں کو صاف کر دیا کہ پھر گناہ ہو ہی نہ سکے۔ یہ بھی ایک درجہ ہے جب فطرت بدل جاتی ہے تو وہ خدا کی رضا کے برخلاف کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اگر انسان سے گناہ نہ ہوں اور وہ توبہ نہ کرے تو خدا اُن کو ھلاک کر کے ایک ایسی قوم پیدا کرے جو گناہ کرے اور پھر خدا اُن کو بخشے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر خدا

کی صفت غفوریت کیسے کام کرے گی۔

گناہ میں حکمت

گناہ ایک مہلک زہر مثل سم الفار دسنکھیا وغیرہ کے ہیں مگر توبہ کے ساتھ مل کر یہ تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔ انسان کے اندر رعونت پیدا ہو جاتی ہے پھر گناہ سے کسر نفس پیدا ہو جاتی ہے جیسے زہر کو زہر مارتی ہے ایسا ہی رعونت وغیرہ کی زہر کو گناہ مارتا ہے۔ حضرت آدم کے ساتھ جو ذلت آئی اس کے بھی یہی معنے ہیں ورنہ اس کے اندر تکبر پیدا ہوتا کہ میں وہ ہوں جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور ملائکہ نے سجدہ کیا مگر اس خطا سے وہ شرمسار ہوئے اور اس تکبر کی نوبت ہی نہ آئی۔ پھر اس شرمساری سے سارے گناہ معاف ہوگئے اسی طرح بعض سادات آج کل فخر کرتے ہیں مگر نسبی دعویٰ کیا شئے ہے؟ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک تکبر زہر قاتل ہوتا ہے اسے کسی نہ کسی طرح مارنا چاہیئے۔

باغ آدم

سوال ہوا کہ آدم کی جنت کہاں تھی فرمایا:۔

ہمارا مذہب یہی ہے کہ زمین میں ہی تھی۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ منھا خلقنٰکم وفیھا نعیدکم[1]۔ آدم کی بود و باش آسمان پر یہ بات بالکل غلط ہے۔

شجر

شجر کی نسبت سوال ہوا کہ وہ کونسا درخت تھا جس کی ممانعت کی گئی تھی۔

فرمایا کہ

مفسروں نے کئی باتیں لکھی ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انگور ہوگا۔ شراب اس سے پیدا ہوتی ہے اور شراب کی نسبت لکھا ہے اِنّہٗ من عمل الشیطان۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس وقت کا انگور ایسا ہی ہو کہ بغیر سڑانے گلانے کے اس کے تازہ شیرہ میں نشہ ہوتا ہو جیسے تاڑی کہ ذرا سی دیر کے بعد اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

[1] طٰہٰ : ۵۶

تمباکو

تمباکو کی نسبت فرمایا کہ

یہ شراب کی طرح تو نہیں ہے کہ اس سے انسان کو فسق و فجور کی طرف رغبت ہو مگر تاہم تقویٰ یہی ہے کہ اس سے نفرت اور پرہیز کرے۔ مُنہ میں اس سے بدبُو آتی ہے اور یہ منحوس صورت ہے کہ انسان دھُواں اندر داخل کرے اور پھر باہر نکالے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے کہ اسے استعمال کیا جاوے۔ ایک لغو اور بیہودہ حرکت ہے ہاں مسکرات میں اسے شامل نہیں کر سکتے۔ اگر علاج کے طور پر ضرورت ہو تو منع نہیں ہے ورنہ یونہی مال کو بیجا صرف کرنا ہے۔ عمدہ تندرست وہ آدمی ہے جو کسی شئے کے سہارے زندگی بسر نہیں کرتا ہے۔ انگریز بھی چاہتے ہیں کہ اسے دُور کر دیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲ مورخہ ۳ را پریل ۱۹۰۳ء)

دربار شام

نو مبایعین کو نصیحت

چند نو وارد شخصوں نے بیعت کی۔ بعد از بیعت فرمایا:۔

دیکھو بیعت تو تمہاری ہو چکی۔ تمہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ خدا کا قہر سخت ہوتا ہے۔ اگرچہ دنیا کا عذاب بھی سخت اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ مگر تاہم جس طرح ہوتا ہے اچھے بُرے دن گذر جاتے ہیں مگر آخرت کا عذاب تو ناپیدا کنار ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے واسطے کافی سامان کیا جاوے۔

ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ جو شخص آتا ہے اور بیعت کرتا ہے ہم پر فرض ہوتا ہے کہ اُسے کرنے اور نہ کرنے کے کاموں سے آگاہ کریں۔ جیسا بے خبر آیا تھا ویسا ہی بے خبر واپس نہ جاوے۔ ایسا ہونے سے معصیت کا خوف ہے کہ اُسے کیوں نہ بتایا گیا؟ سو تم سوچ لو کہ مقدم امر

دین ہی کا ہے۔ دنیا کے دن توکسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتے ہیں۔ ؎

شب تنور گذشت و شب سمور گذشت

غربار اور مساکین بھی جن کو کھانے کو ایک وقت ملتا ہے اور دوسرے وقت نہیں ملتا اور آرام کے مکان بھی نہیں ہوتے اُن کی بھی گذر ہی جاتی ہے اور امراء اور پلاؤ زردے کھانے والے اور عمدہ مکانوں اور بالاخانوں میں رہنے والے بھی اپنے دن پُورے کر ہی رہے ہیں کسی کا دُکھ درد سے اور کسی کا عیش میں گذارہ ہوتا ہے مگر عاقبت کا دُکھ جھیلنا بہت مشکل ہے اور وہ عذاب اور اس کے دُکھ درد ناقابلِ برداشت ہوں گے لہٰذا دانا وہی ہے کہ جو اس ہمیشہ رہنے والے جہان کی فکر میں لگ جاوے۔

نماز اور دُعا

سو تم نمازوں کو سنوارو اور خدا تعالیٰ کے احکام کو اس کے فرمودہ کے بموجب کرو۔ اس کی نواہی سے بچتے رہو۔ اس کے ذکر اور یاد میں لگے رہو۔ دعا کا سلسلہ ہر وقت جاری رکھو اپنی نماز میں جہاں جہاں رکوع و سجود میں دعا کا موقعہ ہے دعا کرو۔ اور غفلت کی نماز کو ترک کردو۔ رسمی نماز کچھ ثمرات مترتب نہیں لاتی اور نہ وہ قبولیت کے لائق ہے۔ نماز وہی ہے کہ کھڑے ہونے سے سلام پھیرنے کے وقت تک پورے خشوع خضوع اور حضور قلب سے ادا کی جاوے اور عاجزی اور فروتنی اور انکساری اور گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح سے ادا کی جاوے کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو ہو کہ وہی تم کو دیکھ رہا ہے۔ اس طرح کمال ادب اور محبت اور خوف سے بھری ہوئی نماز ادا کرو۔

دیکھو یہ زمانہ بے وقت موتوں کا زمانہ آگیا ہے۔ بھلا پہلے کبھی تم نے اپنے باپ دادا سے بھی سُنا ہے کہ اس طرح اچانک موت کا سلسلہ کبھی جاری ہوا ہو۔ رات کو اچھا بھلا کام کاج کرتا اور چلتا پھرتا آدمی سوتا ہے اور صبح کو ایسی نیند میں سویا ہوا ہوتا ہے کہ جس سے جاگنا ہی نہیں۔ اب جس گھر میں یہ موت آئی گھر کا گھر اور گاؤں کے گاؤں اُس نے خالی کر دیئے

ابھی انجام کی خبر نہیں۔ کیا کیا دن آنے ہیں۔

طاعون کا ذکر

ایک نادان اپنی نادانی کی وجہ سے جب طاعون چند دن کے لئے رُک جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کسی مصلحت سے اُسے بند کرتا ہے وہ کہتا ہے بس اب گئی اب نہیں آئے گی۔ او میاں ایسا ہمیشہ ہی ہوا کرتا ہے کہ بیماریاں آتی ہیں چار دن رہ کر چلی جاتی ہیں مگر خدا کی باریک تدابیر سے وہ ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ مہلت دیتا ہے کہ بھلا ابھی ان میں کچھ صلاحیت اور تقویٰ اور خوف بھی پیدا ہوا ہے یا نہیں۔

اس طوفان کا پچھلا تجربہ بتاتا ہے کہ ایک ایک دَورہ ستر ستر سال کا ہوا کرتا ہے۔ اس سے تو جنگل کے جانوروں نے بھی پناہ مانگی ہے۔ جب انسانوں کو ختم کر چکتی ہے تو جنگل کے حیوانوں اور درندوں کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ ایسے وقتوں میں خدا تعالےٰ بچا لیتا ہے ان لوگوں کو جو ان مصائب اور عذابوں کے نازل ہونے سے پہلے اپنے آپ کی اصلاح کرتے اور دوسروں سے عبرت پکڑتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی حفاظت خود کرتا ہے عذابوں اور شدائد کے وقتوں میں جو آرام اور عیش کے وقت میں اس سے ڈرتے اور پناہ مانگتے ہیں۔ مگر جب عذاب کسی پر نازل ہو جاوے تب توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔

منکرات سے بچو

پس اب موقعہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو درست کر لو اور اس کے فرائض کی بجا آوری میں کمی نہ کرو۔ خلق اللہ سے کبھی بھی خیانت۔ ظلم۔ بد خلقی۔ ترشروئی ایذا دہی سے پیش نہ آؤ۔ کسی کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ ان چیزوں کے بدلے بھی خدا تعالیٰ مواخذہ کرے گا۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی۔ اس کی عظمت۔ توحید اور جلال کے خلاف کرنے اور اس سے شرک کرنا گناہ ہیں اسی طرح اس کی خلق سے ظلم کرنا اُن کی حق تلفیاں نہ کرو۔ زبان یا ہاتھ سے دُکھ یا کسی قسم کی گالی گلوچ دینا بھی گناہ ہیں۔

پس تم دونو طرح کے گناہوں سے پاک بنو اور نیکی کو بدی سے خلط ملط نہ کرو۔

تمہارا دین اسلام ہے

تمہارا دین اسلام ہے۔ اسلام کے معنے ہیں خدا کے آگے گردن رکھ دینا جس طرح ایک بکرا ذبح کرنے کی خاطر منہ کے بل لٹایا جاتا ہے۔ اسی طرح تم بھی خدا کے احکام کی بجاآوری میں بے چون وچرا گردن رکھ دو۔ جب تک کامل طور سے تم اپنے ارادوں سے خالی اور نفسانی ہوا و ہوس سے پاک نہ ہو جاؤ گے تب تک تمہارا اسلام اسلام نہیں ہے بہت ہیں کہ ہماری ان باتوں کو قصہ کہانی جانتے ہوں گے اور ٹھٹھے اور ہنسی سے ان کا ذکر کرتے ہوں گے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ اب آخری دن ہیں۔ خدا تعالےٰ فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ لوگ بیحیائی، حیلہ بازی اور نفس پرستی میں حد سے زیادہ گذرے جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی عظمت و جلال اور توحید کا ان کے دلوں میں ذرا بھی خیال نہیں گویا ناستک مت ہو گئے ہیں۔ کوئی کام بھی ان کا خدا کے لئے نہیں ہے۔ پس ایسے وقت میں اس نے اپنے ایک خاص بندہ کو بھیجا ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے دنیا میں ہدایت کا نور پھیلاوے اور گمشدہ ایمان اور توحید کو از سرِ نو دنیا میں قائم کرے۔ مگر جب دُنیا نے اس کی پروا نہ کی اور اُلٹا دُکھ دیا اور اس کی تکذیب کے لئے کمربستہ ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کو قہر کی آگ سے ہلاک کرنا شروع کیا۔ کئی طرح کے عذابوں سے اس نے دُنیا کو جگایا ہے۔ کہیں قحط ہوئے اور کہیں زلزلے آئے۔ آتش فشانیاں ہوئیں۔ ہزار در ہزار لوگ تباہ ہوئے۔ انہیں میں سے ایک طاعون بھی ہے۔ یہ دُور نہ ہوگی اور نہ جاوے گی جب تک یہ دنیا کو سیدھا نہ کرلے۔ لوگ تسلی پا جاتے ہیں کہ بس اب گئی اب نہیں آویگی مگر وہ دھوکا کھاتے ہیں۔ ان نادانوں کا تو کام ہی خدا سے جنگ کرنا ہو گیا ہے مگر وہ کہاں تک؟ وہ دنیا کو بتانا چاہتا ہے کہ میں ضرور موجود ہوں اور اُن کی بیباکیوں اور شرارتوں کو دُور کرنا چاہتا ہوں مگر آہستہ آہستہ۔ اس کے تمام کام تدریج ہوا کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ دنیا طرح طرح کے ظلم اور فسادوں سے بھر گئی اور خدا

کا نام دنیا سے اُٹھ گیا۔ اُس کی توحید اور اُس کی کتاب اور اس کے رسول کی ہتک کی گئی تو وہ ایسے وقت میں اپنے خاص رحم سے اپنی رحمت کا دروازہ کھولتا ہے اور اپنی خلقت کو ایک ایسے شخص کے سپرد کرتا ہے، جو اس کو خدا کے عذاب سے بچانے کے واسطے کوشش کرتا اور ان کا بڑا خیر خواہ ہوتا ہے۔ مگر جب دنیا اس کی پروا نہیں کرتی اور بجائے اس کے کہ اس سے محبت کریں اُس کو ستایا جاتا اور دکھ دیا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اپنے غضب سے دنیا میں اپنا عذاب نازل کرتا ہے جو نافرمانوں کو آگ کی طرح بھسم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی سلطنت کا رُعب قائم کرتا اور صادق کی نصرت اور اس کے ہمراہیوں کو بطور نمونہ اس سے بچاتا ہے۔

پس اب یہ وقت ہے توبہ کرو۔ اگر عذاب آگیا تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ توبہ میں بہت کچھ ہے۔ دیکھو جب کوئی بادشاہ کسی امر کے متعلق سمجھا دے کہ تم اس سے رُک جاؤ تمہارا بھلا ہوگا تو اگر وہ شخص رُک جاوے تو بہتر ورنہ پھر اس کا عذاب کیسا سخت ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے چھوٹے چھوٹے عذابوں سے خدا تعالیٰ لوگوں کو سمجھوتیاں دیتا ہے۔ کہ باز آجاؤ موقع ہے ورنہ پچھتاؤ گے مگر جب وہ نہیں سمجھتے اور اس کی نافرمانی سے نہیں رُکتے تو پھر اس کا عذاب ایسا ہوتا ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا۔[1]

تم لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اسی پر بھروسہ نہ کر لینا۔ صرف اتنی ہی بات کافی نہیں۔ زبانی اقرار سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک عملی طور سے اس اقرار کی تصدیق نہ کر کے دکھلائی جاوے۔ یوں زبانی تو بہت سے خوشامدی لوگ بھی اقرار کر لیا کرتے ہیں مگر صادق وہی ہے جو عملی رنگ سے اس اقرار کا ثبوت دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر پڑتی ہے۔ پس اب سے اقرار سچا کر لو اور دل کو اس اقرار میں زبان کے ساتھ شریک کر لو۔ کہ جب تک قبر میں جاویں ہر قسم کے گناہ سے شرک وغیرہ سے بچیں گے۔

[1] الشمس: ۱۶

غرض حق اللہ اور حق العباد میں کوئی کمی یا سستی نہیں کریں گے۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ تم کو ہر طرح کے عذابوں سے بچاوے گا اور تمہاری نصرت ہر میدان میں کریگا ظلم کو ترک کرو۔ خیانت۔ حق تلفی اپنا شیوہ نہ بناؤ اور سب سے بڑا گناہ جو غفلت ہے اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۹-۱۰ مورخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۲۲ر مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

مذاہب کے مقابلے پر گفتگو فرماتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ

اسلام وہ مذہب ہے جس نے اپنے اقبال کے ساتھ تمام مذاہب کو اپنے پیروں میں لے لیا ہوا ہے۔ اسلام ایسے ملک سے شروع ہوا جہاں لوگ درندوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور طرح طرح کی بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ ان کو حیوانیت سے انسانیت میں اسلام ہی لایا۔ ہر طرف اس کی مخالفت ہوئی لوگوں نے دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ پھر بھی وہ تمام کام پورے ہو کر رہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے اور کوئی فرد بشر بھی اس کا بال نہ بگاڑ سکا۔ حتیٰ کہ ندا آگئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲ مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۳ر مارچ ۱۹۰۳ء (دربارِ شام)

منّت اور فاتحہ

ایک بزرگ نے عرض کی کہ حضور میں نے اپنی ملازمت سے پہلے یہ منّت

[1] المائدۃ : ۴

مانی تھی کہ جب میں ملازم ہو جاؤں گا تو آدھ آنہ فی روپیہ کے حساب سے نکال کر اس کا کھانا پکوا کر حضرت پیران پیر کا ختم دلاؤں گا۔ اس کے متعلق حضور کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ

خیرات تو ہر طرح اور ہر رنگ میں جائز ہے اور جسے چاہے انسان دے۔ مگر اس فاتحہ خوانی سے ہمیں نہیں معلوم کیا فائدہ؟ اور یہ کیوں کیا جاتا ہے؟ میرے خیال میں یہ جو ہمارے ملک میں رسم جاری ہے کہ اس پر کچھ قرآن شریف وغیرہ پڑھا کرتے ہیں یہ طریق تو شرک ہے اور اس کا ثبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل سے نہیں۔ غرباء و مساکین کو بے شک کھانا کھلاؤ۔ [1]

نصیحت بعد از بیعت

چند احباب نے بیعت کی تھی اس پر ان کو چند کلمات بطور نصیحت فرمائے۔

پانچوں نمازیں عمدہ طرح سے پڑھا کرو۔ روزہ صدق سے رکھو اور اگر صاحب توفیق ہو۔

حاشیہ [1] "البدر" میں اس سے پہلے ایک اور تذکرہ درج ہے۔ لکھا ہے۔

"جیسے کہ بعض لوگوں کا دستور ہے کہ جب ہندو مسلمانوں میں کوئی گفتگو ہو تو گاؤ خوری وغیرہ باتوں پر بحث ہوا کرتی ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ "کہ بات یہ ہے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے۔ اب دنیا میں کروڑہا اشیاء ہیں۔ کوئی کچھ کھاتا ہے اور کوئی کچھ۔ اس لئے ایسی باتوں میں پڑنا مناسب نہیں ہوا کرتا۔ چاہیئے کہ ایسے مباحثات میں ہمیشہ اسلام کی خوبیاں اور صداقت بیان کی جاوے اور ظاہر کیا جاوے کہ کن کن نیک اعمال کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ کن کن مہلکات سے بچایا ہے۔ گاؤ خوری کے مسائل وغیرہ بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ جو اسلام کو پسند کریگا۔ وہ گاؤ خوری کو بھی پسند کریگا۔ جس بات کا فساد اس کے نفع سے بڑھ کر ہو اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

تو زکوٰۃ۔ حج وغیرہ اعمال میں بھی کمربستہ رہو اور ہر قسم کے گناہ سے اور شرک اور بدعت سے بیزار رہو۔

اصول شناخت گناہ

اصل میں گناہ کی شناخت کے اصول صرف دو ہی ہیں۔

اوّل۔ حق اللہ کی بجاآوری میں کمی یا کوتاہی۔

دوم۔ حق العباد کا خیال نہ کرنا۔

اصل اصول عبادت بھی یہی ہیں کہ ان دونو حقوں کی محافظت کما حقہٗ کی جاوے اور گناہ بھی انہیں میں کوتاہی کرنے کا نام ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہو اور جو الفاظ اس وقت تم نے میرے ہاتھ پر بطور اقرار زبان سے نکالے ہیں۔ ان پر مرتے دم تک قائم رہو۔ انسان بعض اوقات دھوکہ کھاتا ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے اپنے لئے توبہ کا درخت بو لیا ہے اب اُس کے پھل کی امید رکھتا ہے یا ایمان میں نے حاصل کر لیا ہے۔ اس کے اب نتائج مترتب ہونے کا منتظر ہوتا ہے مگر اصل میں وہ خدا کے نزدیک نہ تائب اور نہ سچّا مومن کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ جو چیز اللہ تعالےٰ کی پسندیدگی اور منظوری کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو وہ چیز اس کی نظر میں ردّی اور حقیر ہوتی ہے۔ اس کی کوئی قدر و قیمت خدا تعالیٰ کے نزدیک نہیں ہوتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جب کسی چیز کے خریدنے کا ارادہ کرتا ہے۔ جب تک کوئی چیز اس کی پسندیدگی میں نہ آوے تب تک اس کی نظر میں ایک ردّی محض اور بے قیمت ہوتی ہے۔ تو جب انسان کا یہ حال ہے تو خدا تو قدّوس اور پاک اور بے لوث ہستی ہے۔ وہ ایسی ردّی چیز کو اپنی جناب میں کب منظور کرنے لگا؟

دیکھو یہ دن ابتلا کے دن ہیں۔ وبائیں ہیں قحط ہے۔ غرض اس وقت خدا تعالےٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے۔ ایسے وقت میں اپنے آپ کو دھوکا مت دو اور صاف دل سے اپنی کوئی پناہ بنا لو۔

یہ بیعت اور توبہ اس وقت فائدہ دیتی ہے جب انسان صدق دل اور اخلاص نیت سے اس پر قائم اور کاربند بھی ہو جاوے خدا تعالیٰ خشک لفاظی سے جو حلق کے نیچے نہیں جاتی ہرگز ہرگز خوش نہیں ہوتا۔ ایسے ہو کہ تمہارا صدق اور وفا اور سوز وگداز آسمان پر پہنچ جاوے۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص کی حفاظت کرتا اور اس کو برکت دیتا ہے جس کو دیکھتا ہے کہ اس کا سینہ صدق اور محبت سے بھرا ہوا ہے وہ دلوں پر نظر ڈالتا اور جھانکتا ہے نہ کہ ظاہری قیل وقال پر۔ جس کا دل ہر قسم کے گند اور ناپاکی سے معرّا اور مبرّا پاتا ہے اس میں آ اُترتا ہے اور اپنا گھر بناتا ہے۔ مگر جس دل میں کوئی کسی قسم کا بھی رخنہ یا ناپاکی ہے اس کو لعنتی بناتا ہے۔

دیکھو جس طرح تمہارے عام جسمانی حوائج کے پورا کرنے کے واسطے ایک مناسب اور کافی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح تمہاری روحانی حوائج کا حال ہے۔ کیا تم ایک قطرہ پانی زبان پر رکھ کر پیاس بجھا سکتے ہو؟ کیا تم ایک ریزہ کھانے کا منہ میں ڈال کر بھوک سے نجات حاصل کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح تمہاری روحانی حالت معمولی سی توبہ یا کبھی کبھی ٹوٹی پھوٹی نماز یا روزہ سے سنور نہیں سکتی۔ روحانی حالت کے سنوارنے اور اس باغ کے پھل کھانے کے لئے بھی تم کو چاہئیے کہ اس باغ کو وقت پر خدا کی جناب میں نمازیں ادا کر کے اپنی آنکھوں کا پانی پہنچاؤ اور اعمال صالحہ کے پانی کی نہر سے اس باغ کو سیراب کرو تا وہ ہرا بھرا ہو اور پھلے پھولے اور اس قابل ہو سکے کہ تم اس سے پھل کھاؤ۔

ایمان اور اعمال صالحہ

یاد رکھو ایمان بغیر اعمال صالحہ کے ادھورا ایمان ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اگر ایمان کامل ہو تو اعمال صالحہ سرزد نہ ہوں؟ اپنے ایمان اور اعتقاد کو کامل کرو ورنہ کسی کام کا نہ ہوگا۔ لوگ اپنے ایمان کو پورا ایمان تو بناتے نہیں پھر شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں وہ انعامات نہیں ملتے جن کا وعدہ تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب[1] یعنی جو خدا کا متقی اور اس کی نظر میں متقی بنتا ہے اس کو

[1] الطلاق: ۳، ۴

خدا تعالیٰ ہر ایک قسم کی تنگی سے نکالتا اور ایسی طرز سے رزق دیتا ہے کہ اُسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ کہاں سے اور کیونکر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ برحق ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کا پُورا کرنے والا اور بڑا رحیم کریم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا بنتا ہے وہ اُسے ہر ذلّت سے نجات دیتا اور خود اس کا حافظ و ناصر بن جاتا ہے۔ مگر وہ جو ایک طرف دعویٰ اتقا کرتے ہیں اور دوسری طرف شاکی ہوتے ہیں کہ ہمیں وہ برکات نہیں ملے۔ ان دونوں میں سے ہم کس کو سچا کہیں اور کس کو جھوٹا؟ خدا تعالیٰ پر ہم کبھی الزام نہیں لگا سکتے اِن اللہ لا یخلف المیعاد[1]۔ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ ہم اس مدّعی کو جھُوٹا کہیں گے۔ اصل یہ ہے کہ اُن کا تقویٰ یا اُن کی اصلاح اس حد تک نہیں ہوتی کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابلِ وقعت ہو یا وہ خدا کے متقی نہیں ہوتے لوگوں کے متقی اور ریاکار انسان ہوتے ہیں۔ سو اُن پر بجائے رحمت اور برکت کے لعنت کی مار ہوتی ہے جس سے سرگرداں اور مشکلاتِ دنیا میں مبتلا رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ متقی کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے وعدوں کا پکّا اور سچّا اور پُورا ہے۔

رزق بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی تو ایک رزق ہے کہ بعض لوگ صبح سے شام تک ٹوکری ڈھوتے ہیں اور بُرے حال سے شام کو دو تین آنے اُن کے ہاتھ میں آتے ہیں۔ یہ بھی تو رزق ہے مگر لعنتی رزق ہے* نہ رزق من حیث لا یحتسب[2]۔

متقی کو خدا تعالیٰ رزق دیتا ہے

حضرت داؤد زبور میں فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا جوان ہوا۔ جوانی سے اب بڑھاپا آیا۔ مگر میں نے کبھی کسی متقی اور خدا ترس کو بھیک مانگتے نہ دیکھا اور نہ اس کی اولاد کو دربدر دھکے کھاتے اور ٹکڑے مانگتے دیکھا۔

* (البدر سے) "کیا یہ بھی رزق ہے جو کہ کس قدر ذلّت سے حاصل ہوتا ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۳ مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] آل عمران: ۱۰ [2] الطلاق: ۴

یہ بالکل سچ اور راست ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا اور اُن کو دوسرے کے آگے ہاتھ پسارنے سے محفوظ رکھتا ہے بھلا اتنے جو انبیاء ہوئے ہیں اولیاء گذرے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ بھیک مانگا کرتے تھے؟ یا اُن کی اولاد پر یہ مصیبت پڑی ہو کہ وہ دربدر خاک بسر ٹکڑے کے واسطے پھرتے ہوں؟ ہرگز نہیں۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ اگر ایک آدمی باخدا اور سچا متقی ہو تو اُس کی سات پشت تک بھی خدا رحمت اور برکت کا ہاتھ رکھتا اور اُن کی خود حفاظت فرماتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ذکر کیا ہے کہ ایک دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ وہ گرنے والی تھی اس کے نیچے خزانہ تھا۔ لڑکے ابھی نابالغ تھے۔ اس دیوار کے گرنے سے اندیشہ تھا کہ خزانہ ننگا ہو کر لوگوں کے ہاتھ آجائے گا۔ وہ لڑکے بیچارے خالی ہاتھ رہ جاوینگے تو اللہ تعالیٰ نے دو نبیوں٭ کو اس خدمت کے واسطے مقرر فرمایا۔ وہ گئے اور اس دیوار کو درست کر دیا کہ جب وہ بڑے ہوں تو پھر کسی طرح اُن کے ہاتھ وہ خزانہ آجاوے۔ پس اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ وکان ابوھما صالحاً[1] یعنی ان لڑکوں کا باپ نیک مرد تھا۔ جس کے واسطے ہم نے ان کے خزانہ کی حفاظت کی۔ اللہ تعالیٰ کے ایسا فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکے کچھ اچھے نہ تھے اور نہ اچھے ہونے والے تھے۔ ورنہ یہ فرماتا کہ یہ اچھے لڑکے ہیں صالح ہیں اور صالح ہونے والے ہیں۔ نہیں بلکہ اُن کے باپ کا ہی حوالہ دیا کہ اُن کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ دیکھو یہی تو شفاعت ہے وہ لوگ جو بڑے بڑے ادعا کرتے ہیں کہ ہم یوں نیکی کرتے ہیں اور متقی ہیں مگر

٭ (البدر میں ہے) "خدا نے اپنے دو بندوں کو وہاں بھیجا کہ اس دیوار کی مرمت کریں۔ تاکہ جب وہ جوان ہوں تو اس خزانہ کو نکال کر استعمال کریں کیا وجہ تھی کہ خدا نے ایسے دو عظیم الشان آدمیوں کو وہاں بھیجا۔ اس کی وجہ یہی تھی وکان ابوھما صالحاً۔ یعنی ان کا باپ نیکوکار تھا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۳)

[1] الکھف: ۸۳

ان کے یہ دعوے قرآن شریف کے مطابق نہیں ہوتے اور نہ اس کسوٹی پر صادق ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ فرماتا ہے وھو یتولّی الصلحین[1]، اِنْ اولیاءُہٗ الاَّ المتّقون[2]۔

تو اس وقت افسوس سے ہمیں ان لوگوں کی ہی حالت پر رحم آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ ان کا صدق و وفا اور اخلاص خدا کے نزدیک اس درجہ کا نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسروں کے شرک سے قابل نفرت ہوگیا ہوا ہوتا ہے۔ ایمان کم ہوتا ہے اور لاقیں زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا تعالےٰ بار بار فرماتا ہے ولن تجد لسنّۃ اللہ تبدیلاً[3]۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کو وعدہ خلاف یا جھوٹا کہیں*۔ اور اس کی نسبت الزام کا خیال بھی کریں۔ اصل میں ایسے لوگوں کا ایمان ناکارہ ہوتا ہے جو لعنت کے مورد ہوتے ہیں نہ رحمت کے۔ وہ اصل میں خدا تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ۔ بھلا خلق نے تو دھوکا کھا بھی لیا مگر وہ جس کی نظر اندرون در اندرون پہنچتی ہے وہ کسی کے دھوکا میں آسکتا ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ ساری کمندوں کو جلا دے اور صرف محبت الٰہی ہی کی کمند کو باقی رہنے دے۔ خدا نے بہت سے نمونے پیش کئے ہیں۔ آدمؑ سے لیکر نوحؑ و ابراہیمؑ و موسےٰؑ و عیسٰیؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام تک کل انبیاء اسی نمونہ کی خاطر ہی تو اُس نے بھیجے ہیں تا لوگ اُن کے نقشِ قدم پر چلیں۔ جس طرح وہ خدا تعالیٰ تک پہنچے اسی طرح اَور بھی کوشش کریں۔ سچ ہے کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اُس کا ہو جاتا ہے۔

یاد رکھو کہ ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اعمال سے ساری جماعت کو بدنام کرو۔ شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں:-   ؎   بدنام کنندۂ نکو نامے چند

---

* (البدر سے) "جب تک انسان اپنا ایمان اُس حد تک نہیں پہنچاتا کہ سُنّت سے فائدہ اُٹھا دے تو خدا تعالیٰ کیسے اس کے لئے سُنّت بدل دیوے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۳ مورخہ ۳۔ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

[1] الاعراف: ۱۹۷ [2] الانفال: ۳۵ [3] الاحزاب: ۶۳

پیدائش انسانی کی علت غائی

بلکہ ایسے بنو کہ تا تم پر خدا تعالےٰ کی برکات اور اس کی رحمت کے آثار نازل ہوں۔ وہ عمروں کو بڑھا بھی سکتا ہے مگر ایک وہ شخص جس کا عمر پانے سے مقصد صرف ورلی دُنیا ہی کے لذائذ اور حظوظ ہیں اس کی عمر کیا فائدہ بخش ہو سکتی ہے؟ اس میں تو خدا کا حصہ کچھ بھی نہیں۔ وہ اپنی عمر کا مقصد صرف عمدہ کھانے کھانے اور نیند بھر کے سونے اور بیوی بچوں اور عمدہ مکان کے یا گھوڑے وغیرہ رکھنے یا عمدہ باغات یا فصل پر ہی ختم کرتا ہے۔ وہ تو صرف اپنے پیٹ کا بندہ اور شکم کا عابد ہے۔ اس نے تو اپنا مقصود و مطلوب اور معبود صرف خواہشات نفسانی اور لذائذ حیوانی ہی کو بنایا ہوا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے انسان کے سلسلہ پیدائش کی علت غائی صرف اپنی عبادت رکھی ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون[1] پس حصر کر دیا ہے کہ صرف صرف عبادت الٰہی مقصد ہونا چاہیئے اور صرف اسی غرض کے لئے یہ سارا کارخانہ بنایا گیا ہے۔ برخلاف اس کے اَور ہی اَور ارادے اور اَور ہی اَور خواہشات ہیں۔

بھلا سوچو تو سہی کہ ایک شخص ایک شخص کو بھیجتا ہے کہ میرے باغ کی حفاظت کر۔ اس کی آب پاشی اور شاخ تراشی سے اُسے عمدہ طور کا بنا اور عمدہ عمدہ پھول بیل بوٹے لگا۔ کہ وہ ہرا بھرا ہو جاوے۔ شاداب اور سرسبز ہو جاوے مگر بجائے اس کے وہ شخص آتے ہی جتنے عمدہ عمدہ پھل پھول اس میں لگے ہوئے تھے اُن کو کاٹ کر ضائع کر دے یا اپنے ذاتی مفاد کے لئے فروخت کر لے اور ناجائز دست اندازی سے باغ کو ویران کر دے تو بتاؤ کہ وہ مالک جب آوے گا تو اس سے کیسا سلوک کریگا؟

خدا نے تو بھیجا تھا کہ عبادت کرے اور حق اللہ اور حق العباد کو بجا لاوے مگر یہ آتے ہی بیویوں میں مشغول بچوں میں محو اور اپنے لذائذ کا بندہ بن گیا اور اس اصل مقصد کو بالکل بھول ہی گیا بتاؤ اس کا خدا کے سامنے کیا جواب ہوگا؟

---

[1] الذاریات : ۵۷

دنیا کے یہ سامان اور یہ بیوی بچے اور کھانے پینے تو اللہ تعالیٰ نے صرف بطور بھاڑہ کے بنائے تھے جس طرح ایک یکہ بان چند کوس تک ٹٹو سے کام لیکر جب سمجھتا ہے کہ وہ تھک گیا ہے اُسے کچھ نہاری اور پانی وغیرہ دیتا ہے اور کچھ مالش کرتا ہے تا اس کی تھکان کا کچھ علاج ہو جاوے اور آگے چلنے کے قابل ہو اور درماندہ ہو کر کہیں آدھ میں ہی نہ رہ جائے اس سہارے کے لئے اُسے نہاری دیتا ہے۔ سو یہ دنیوی آرام اور عیش اور بیوی بچے اور کھانے کی خوراکیں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھاڑے مقرر کئے ہیں کہ تا وہ تھک کر اور درماندہ ہو کر بھوک سے پیاس سے مر نہ جاوے اور اس کے قویٰ کے تحلیل ہونے کی تلافی مافات ہوتی جاوے۔ پس یہ چیزیں اس حد تک جائز ہیں کہ انسان کو اس کی عبادت اور حق اللہ اور حق العباد کے پورا کرنے میں مدد دیں۔ ورنہ اس حد سے آگے نکل کر وہ حیوانوں کی طرح صرف پیٹ کا بندہ اور شکم کا عابد بنا کر مشرک بناتی ہیں اور وہ اسلام کے خلاف ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

مگر اب کروڑوں مسلمان ہیں کہ انہوں نے عمدہ عمدہ کھانے کھانا عمدہ عمدہ مکانات بنانا اعلیٰ درجہ کے عہدوں پر ہونا ہی اسلام سمجھ رکھا ہے۔ مومن شخص کا کام ہے کہ پہلے اپنی زندگی کا مقصد اصلی معلوم کرے اور پھر اس کے مطابق کام کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ما یعبوا بکم ربی لولا دعاؤکم[1] خدا تعالیٰ کو تمہاری پروا ہی کیا ہے۔ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو اور اس سے دعائیں نہ مانگو۔ یہ آیت بھی اصل میں پہلی آیت وَ ماخلقت الجن والانس الّا لیعبدون[2] ہی کی شرح ہے جب خدا تعالیٰ کا ارادہ انسانی خلقت سے صرف عبادت ہے تو مومن کی شان نہیں کہ کسی دوسری چیز کو عین مقصود بنالے۔ حقوق نفس تو جائز ہیں مگر نفس کی بے اعتدالیاں جائز نہیں۔ حقوق نفس

[1] الفرقان: ۷۸ [2] الذاریات: ۵۷

بھی اس لئے جائز ہیں کہ تا وہ درماندہ ہو کر رہ ہی نہ جائے۔ تم بھی ان چیزوں کو اسی واسطے کام میں لاؤ۔ ان سے کام اس واسطے لو کہ یہ تمہیں عبادت کے لائق بنائے رکھیں نہ اس لئے کہ وہی تمہارا مقصود اصلی ہوں۔

قرآن شریف تو موت وارد کرنا چاہتا ہے کھانا پینا صرف جسم کے سہارے کے واسطے ہوں۔ انسانی بدن ہر وقت چونکہ معرض تحلیل میں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا کہ اس کے قویٰ کی بحالی اور قیام کے لئے یہ چیزیں استعمال کی جاویں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کے شارح ہیں۔ آپ ایک موقعہ پر بڑے گھبرائے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ کو کہا کہ اے عائشہ ہمیں آرام پہنچاؤ۔ اور اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے آدم کے ساتھ حوّا کو بھی بنا دیا تا وہ اس کے واسطے ضرورت کے وقت سہارے کا موجب ہو۔[1]

غرض یہ باتیں ہیں جو اُن پر عمل کرنا اور اُن کو خوب یاد رکھنا ضروری ہے اور ان سب پر پوری طرح سے قائم ہونا چاہیئے۔ دیکھو ایک طبیب جب نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو اُس کی پوری تعمیل کرنی چاہیئے ورنہ فائدہ سے ہاتھ دھونے چاہئیں۔ ایک شخص اگر بجائے اس نسخہ کے تحریر کردہ امور کے اس کاغذ ہی کو دھو دھو کر پئے تو اُسے فائدہ کی امید ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح تم بھی ہماری ہر ایک بات پر قائم رہو۔ جھوٹی اور خشک محبت کام نہیں آتی بلکہ تعلیم پر پوری طرح سے عمل کرنا ہی کارآمد ہوگا۔ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کا سچا ہے۔ وہ بڑا رحیم و کریم اور ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے مگر وہ دغاباز کو بھی خوب جانتا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک شخص چاہتا تھا کہ وہ لوگوں کی نظر میں بڑا قابل اعتقاد بنے اور لوگ اُسے نمازی اور روزہ دار اور بڑا پاکباز کہیں اور اسی نیت سے وہ نماز لوگوں کے

---

[1] البدر سے :۔ "عورتوں کو پیدا کرنے میں سِر یہی ہے کہ خدا کی راہ میں نفس کی قربانی کیواسطے جو ایک وقت پیدا ہوتی ہے یہ اس کا سہارا ہو جاویں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲)

سامنے پڑھتا اور نیکی کے کام کرتا تھا۔ مگر وہ جس گلی میں جاتا اور جدھر اس کا گذر ہوتا تھا۔ لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ دیکھو یہ شخص بڑا ریاکار ہے اور اپنے آپ کو لوگوں میں نیک مشہور کرنا چاہتا ہے۔ پھر آخرکار اس کے دل میں ایک دن خیال آیا کہ میں کیوں اپنی عاقبت کو برباد کرتا ہوں خدا جانے کس دن مر جاؤں گا کیوں اس لعنت کو اپنے لئے تیار کر رہا ہوں[1] اُس نے صاف دل ہو کر پورے صدق و صفا اور سچے دل سے توبہ کی اور اُس وقت سے نیت کر لی کہ میں سارے نیک اعمال لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کیا کروں گا اور کبھی کسی کے سامنے نہ کروں گا چنانچہ اس نے ایسا کرنا شروع کر دیا اور یہ پاک تبدیلی اس میں بھر گئی۔ نہ صرف زبان تک ہی محدود رہی۔ پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو بظاہر ایسا بنا لیا کہ تارکِ صوم وصلوٰۃ ہے اور گندہ اور خراب آدمی ہے مگر اندرونی طور پر پوشیدہ اور نیک اعمال بجا لاتا تھا۔ پھر وہ جدھر جاتا اور جدھر اس کا گذر ہوتا تھا لوگ اور لڑکے اُسے کہتے تھے کہ دیکھو یہ شخص بڑا نیک اور پارسا ہے۔ یہ خدا کا پیارا اور اس کا برگزیدہ ہے۔

غرض اس سے یہ ہے کہ قبولیت اصل میں آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اولیاء اور نیک لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھا کرتے ہیں وہ اپنے صدق صفا کو دوسروں پر ظاہر کرنا عیب جانتے ہیں۔ ہاں بعض ضروری امور کو جن کی اجازت شریعت نے دی ہے یا دوسروں کو تعلیم کے لئے اظہار بھی کیا کرتے ہیں۔

نیکی

نیکی جو صرف دکھانے کی غرض سے کی جاتی ہے وہ ایک لعنت ہوتی ہے۔ خُدا تعالیٰ کے وجود کیساتھ دوسروں کا وجود بالکل ہیچ جاننا چاہیئے دوسروں کے وجود کو ایک مُردہ کیڑا کی طرح خیال کرنا چاہیئے کیونکہ وہ کچھ کسی کا بگاڑ نہیں سکتے اور نہ سنوار سکتے ہیں۔ نیکی کو نیک لوگ اگر ہزار پردوں میں اندر بھی کریں تو خُدا تعالےٰ

[1] حاشیہ۔ البدر سے:۔ "میں نے خدا کی نماز ایک دفعہ بھی نہ پڑھی" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۴)

نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ اسے ظاہر کر دے گا۔ اور اسی طرح بدی کا حال ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ اگر کوئی عابد زاہد خدا تعالےٰ کی عبادت میں مشغول ہو اور اس صدق اور جوش کا جو اس کے دل میں ہے انتہا کے نقطہ تک اظہار کر رہا ہو اور اتفاقاً کنڈی لگانا بھول گیا ہو تو کوئی اجنبی باہر سے آ کر اس کا دروازہ کھول دے تو اس کی حالت بالکل وہی ہوتی ہے جو ایک زانی کی عین زنا کے وقت پکڑا جانے سے۔ کیونکہ اصل غرض تو دونو کی ایک ہی ہے یعنی اخفائے راز۔ اگرچہ رنگ الگ الگ ہیں۔ ایک نیکی کو اور دوسرا بدی کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ غرض خدا کے بندوں کی حالت تو اُس نقطہ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے نیک بھی چاہتے ہیں کہ ہماری نیکی پوشیدہ رہے اور بَد بھی اپنی بدی کو پوشیدہ رکھنے کی دعا کرتا ہے مگر اس امر میں دونو نیک و بَد کی دُعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو قانون بنا رکھا ہے کہ واللّٰہ مخرجٌ ما کنتم تکتمون[1]۔

خدا تعالےٰ کی رضا میں فانی لوگ نہیں چاہتے کہ ان کو کوئی درجہ اور امامت دی جاوے۔ وہ ان درجات کی نسبت گوشہ نشینی اور تنہا عبادت کے مزے لینے کو زیادہ پسند کرتے ہیں مگر اُن کو خدا تعالےٰ کشاں کشاں خلق کی بہتری کے لئے ظاہر کرتا اور مبعوث فرماتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو غار میں ہی رہا کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کا کسی کو پتہ بھی ہو۔ آخر خدا تعالےٰ نے اُن کو باہر نکالا اور دُنیا کی ہدایت کا بار اُن کے سپرد کیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ہزاروں شاعر آتے اور آپ کی تعریف میں شعر کہتے تھے مگر لعنتی ہے وہ دل جو خیال کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کی تعریفوں سے پھُولتے تھے۔ وہ اُن کو مُردہ کیڑے کی طرح خیال کرتے تھے۔ مدح وہی ہوتی ہے جو خدا آسمان سے کرے۔ یہ لوگ محبت ذاتی میں غرق ہوتے ہیں۔ ان کو دُنیا کی مدح و ثنا کی پروا نہیں ہوتی۔

[1] البقرۃ: ۷۳

تو یہ مقام ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ آسمان اور عرش سے ان کی تعریف اور مدح کرتا ہے۔

سُنو ہماری یہ باتیں اس واسطے نہیں کہ ہم کسی کے ایمان کو کچھ بڑھا سکتے ہیں یا کسی کے دل میں کچھ ڈال سکتے ہیں۔ نہیں ہم کسی کے ایمان کو ایک جَو بھر بھی زیادہ نہیں کر سکتے[1]۔ ہم صرف اس واسطے کہتے ہیں کہ اتنے جمع ہو شاید ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات پکڑ لے اور اس کی اصلاح ہو جاوے۔ توفیق تو سب اللہ تعالےٰ ہی کو ہے۔ خدا تعالےٰ قادر ہے کہ کسی کے دل میں ایمان کی حقیقی جڑ لگا دے اور پھر اُسے اُس کے ثمرات کھلا دے یا کسی کو اس کی بدی کی وجہ سے قہر کی آگ سے ہلاک کرے پس دُعا ہی کرنی چاہیئے تا اس کی توفیق شامل انسان ہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء

سیر میں آریہ مذہب کی نسبت فرمایا کہ

مذہب کی جڑ خدا شناسی ہے اور اس سے کمتر درجہ یہ کہ باہمی تعلق پاکیزگی کے ہوں سو یہ دونو باتیں گری ہوئی ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۸۴ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

دربارِ شام

طاعون کا حقیقی علاج

طاعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

---

[1] (البدر سے)۔ ”سب توفیق خدا تعالیٰ سے ہے جبتک وہ نہ توفیق دے ہم ایک جَو تک نہیں بڑھا سکتے۔“ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۴ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

اصل میں لوگ اس کے حقیقی علاج کی طرف سے تو بالکل غافل ہیں اور اَور طرف ہاتھ پاؤں مارتے پھرتے ہیں مگر جب تک وہ اس کے اصل علاج کی طرف رجوع نہ کریں گے تب تک نجات کہاں؟ کوئی طبیبوں یا ڈاکٹروں کی طرف بھاگتا ہے اور کوئی ٹیکہ کے واسطے بازو پھیلاتا ہے کوئی نئے تجربہ اور نئی ایجاد کے درپے ہے۔ ہماری شریعت نے اگرچہ اسباب سے منع نہیں کیا بلکہ فیہ شفاء للناس[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ دواؤں میں خدا تعالیٰ نے خواص شفاء مرض بھی رکھے ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ دواؤں میں تاثیرات ہوتی ہیں اور امراض کے معالجات ہوا کرتے ہیں مگر ان اسباب پر بھروسہ کرلینا اور یہ گمان کرنا کہ انہیں کے ذریعہ سے نجات اور کامیابی ہو جاوے گی یہ سخت شرک اور کفر ہے۔ بھروسہ اسباب پر ہرگز نہ چاہیئے بلکہ یوں چاہیئے کہ اسباب کو مہیا کرکے پھر بھروسہ خدا تعالیٰ پر کرنا چاہیئے اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کو مفید بنا دے اور اُسی سے پھر بھی دعا کرنی چاہیئے کیونکہ اسباب پر نتائج مرتب کرنا تو اُسی کا کام ہے اور یہی توکل ہے۔

نماز

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور نماز کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا

نماز ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم اسلام لائی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمیں نماز معاف فرما دی جائے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں۔ مویشی وغیرہ کے سبب سے کپڑوں کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہمیں فرصت ہوتی ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دیکھو جب نماز نہیں تو ہے ہی کیا؟ وہ دین ہی نہیں جس میں نماز نہیں۔ نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا۔ کبھی اس کی

[1] النحل : ۷۰

عظمت اور اس کے احکام کی بجاآوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ اس سے اپنی حاجات کا مانگنا، یہی نماز ہے۔ ایک سائل کی طرح کبھی اس مسئول کی تعریف کرنا کہ تُو ایسا ہے تو ایسا ہے۔ اس کی عظمت اور جلال کا اظہار کر کے اس کی رحمت کو جنبش دلانا پھر اس سے مانگنا۔ پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے۔ انسان ہر وقت محتاج ہے اس سے اس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اس کے فضل کا اسی سے خواستگار ہو کیونکہ اسی کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اے خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کاربند ہو کر تجھے راضی کر لیں۔ خُدا تعالےٰ کی محبت اسی کا خوف، اسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے اور یہی دین ہے۔

پھر جو شخص نماز ہی سے فراغت حاصل کرنی چاہتا ہے اس نے حیوانوں سے بڑھ کر کیا کیا؟ وہی کھانا پینا اور حیوانوں کی طرح سو رہنا۔ یہ تو دین ہرگز نہیں یہ سیرت کفار ہے بلکہ جو دم غافل وہ دم کافر والی بات بالکل راست اور صحیح ہے۔

ترکِ ذکرِ الٰہی کفر ہے

چنانچہ قرآن شریف میں ہے اذکرونی اذکرکم واشکروالی ولاتکفرون[1]۔ یعنی اے میرے بندو تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھوں گا اور میرا شکر کیا کرو اور میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے۔ پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔ یہ پانچ وقت تو خدا تعالیٰ نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں۔ ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہیئے۔ اور کبھی کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسی کی یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اس سے انسان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا حق رکھ سکتا ہے۔

[1] البقرۃ: ۱۵۳

نماز خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے

اصل میں قاعدہ ہے کہ اگر انسان نے کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے تو اس کے واسطے چلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جتنی لمبی وہ منزل ہوگی اتنا ہی زیادہ تیزی کوشش اور محنت اور دیر تک اسے چلنا ہوگا۔ سو خدا تعالیٰ تک پہنچنا بھی تو ایک منزل ہے اور اس کا بُعد اور دُوری بھی لمبی۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اور اس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے واسطے نماز ایک گاڑی ہے جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے۔ جس نے نماز ترک کر دی وہ کیا پہنچے گا۔

اصل میں مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا یا اُسے دل کی تسکین آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے۔ تب ہی سے اسلام کی حالت بھی معرض زوال میں آئی ہے۔ وہ زمانہ جس میں نمازیں سنوار کر پڑھی جاتی تھیں غور سے دیکھ لو۔ کہ اسلام کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا۔ جب سے اُسے ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے ہیں۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں کہ خدا نے اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوا ہوتا ہے۔

نماز میں کیا ہوتا ہے یہی کہ عرض کرتا ہے۔ التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے اور دوسرا اس کی عرض کو اچھی طرح سُنتا ہے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جو سُنتا تھا وہ بولتا ہے اور گذارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نمازی کا یہی حال ہے خدا کے آگے سربسجود رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے مصائب اور حوائج سُناتا ہے۔ پھر آخر سچی اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جلد آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے جواب کے واسطے بولتا اور اس کو جواب دے کر تسلّی دیتا ہے۔ بھلا یہ بجز حقیقی نماز کے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور پھر جن کا خدا ہی ایسا نہیں وہ بھی گئے گذرے ہیں۔ اُن کا کیا دین اور کیا ایمان ہے۔

وہ کس امید پر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں جو سوال پیش ہوا کہ کیا وجوہات ہیں جن سے اسلام کو زوال آیا اور پھر وہ کیا ذریعے ہیں جن سے اس کی ترقی کی راہ نکل سکتی ہے۔ اس کے مختلف قسم کے لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق جواب دیئے ہیں مگر سچا جواب یہی ہے کہ قرآن کو ترک کرنے سے تنزل آیا اور اسی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے ہی اس کی حالت سنور جاوے گی۔ موجودہ زمانہ میں جو اُن کو اپنے خونی مہدی اور مسیح کی آمد کی امید اور شوق ہے کہ وہ آتے ہی اُن کو سلطنت لے دیگا اور کفار تباہ ہوں گے یہ اُن کے خام خیال اور وسوسے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے جس طرح ابتدا میں دعا کے ذریعہ سے شیطان کو آدم کے زیر کیا تھا اسی طرح اب آخری زمانہ میں بھی دعا ہی کے ذریعہ سے غلبہ اور تسلط عطا کرے گا نہ تلوار سے۔ ہر ایک امر کے لئے کچھ آثار ہوتے ہیں اور اس سے پہلے تمہیدیں ہوتی ہیں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بھلا اگر ان کے خیال کے موافق یہ زمانہ اُن کے دن پلٹنے کا ہی تھا اور مسیح نے آکر ان کو سلطنت دلانی تھی تو چاہیئے تھا کہ ظاہری طاقت اُن میں جمع ہونے لگتی۔ ہتھیار ان کے پاس زیادہ رہتے۔ فتوحات کا سلسلہ اُن کے واسطے کھولا جاتا۔ مگر یہاں تو بالکل ہی برعکس نظر آتا ہے۔ ہتھیار ان کے ایجاد نہیں۔ ملک و دولت ہے تو اَوروں کے ہاتھ ہے۔ ہمت و مردانگی ہے تو اَوروں میں۔ یہ ہتھیاروں کے واسطے بھی دوسروں کے محتاج۔ دن بدن ذلّت اور ادبار ان کے گرد ہے۔ جہاں دیکھو۔ جس میدان میں سُنو انہیں کو شکست ہے۔ بھلا کیا یہی آثار ہوا کرتے ہیں اقبال کے؟ ہرگز نہیں۔ یہ بھولے ہوئے ہیں۔ زمینی تلوار اور ہتھیاروں سے ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ابھی تو اِن کی خود اپنی حالت ایسی ہے اور بیدینی اور لامذہبی کا رنگ ایسا آیا ہے۔ کہ قابلِ عذاب اور موردِ قہر ہیں۔ پھر ایسوں کو کبھی تلوار ملی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کی ترقی کی وہی سچی راہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن کی تعلیم کے مطابق بناویں اور دُعا میں لگ جاویں

اِن کو اب اگر مدد آوے گی تو آسمانی تلوار سے اور آسمانی حربہ سے نہ اپنی کوششوں سے اور دعا ہی سے ان کی فتح ہے نہ قوت بازو سے۔ یہ اس لئے ہے کہ جس طرح ابتدا تھی انتہا بھی اسی طرح ہو۔ آدم اوّل کو فتح دعا ہی سے ہوئی تھی۔ ربّنا ظلمنا انفُسَنا...[1] الخ اور آدم ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرنا ہے اسی طرح دُعا ہی کے ذریعہ فتح ہوگی۔ ※

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۲۵ر مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

کسرِ صلیب

حضرت اقدس نے جو حجرہ دعائیہ بنایا ہے۔ اس کی نسبت فرمایا کہ

ہمارا سب سے بڑا کام تو کسرِ صلیب ہے اگر یہ کام ہو جاوے تو ہزاروں شبہات اور اعتراضات کا جواب خود بخود ہی ہو جاتا ہے اور اسی کے ادھورا رہنے سے سینکڑوں اعتراضات ہم پر وارد ہو سکتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ چالیس یا پچاس کتابیں لکھی ہیں مگر اُن سے ابھی وہ کام نہیں نکلا جس کے لئے ہم آئے ہیں۔ اصل میں ان لوگوں نے جس طرح قدم جمائے اور اپنا دام فریب پھیلایا ہے وہ ایسا نہیں کہ کسی انسانی طاقت سے درہم برہم ہو سکے۔ دانا آدمی جانتا ہے کہ اس قوم کا تختہ کس طرح پلٹا جا سکتا ہے۔ یہ کام بجز خدائی

※ البدر میں ہے۔ ”گائے وغیرہ کی حلّت پر اور حُرمت پر ذکر ہوا۔ فرمایا کہ

”حرام کی تو تفصیل خدا نے دی ہے اور حلال کی کوئی تفصیل نہیں دی جس سے پتہ لگے کہ فلاں شئے ضرور کھاؤ سو اس لئے گائے کے ذبح وغیرہ کا ذکر کر کے ناحق موجب فساد ہونا مناسب نہیں ہوتا“ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۴ مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] الاعراف: ۲۴

ہاتھ کے انجام پذیر ہوتا نظر نہیں آتا اسی واسطے ہم نے ان ہتھیاروں یعنی قلم کو چھوڑ کر دعا کے واسطے یہ مکان (حجرہ) بنوایا ہے۔ کیونکہ دعا کا میدان خدا نے بڑا وسیع رکھا ہے اور اس کی قبولیت کا بھی اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ مِن کُلِّ حَدَبٍ یَنسِلُونَ[1] اس امر کے اظہار کے واسطے کافی ہے کہ یہ کُل دنیا کی زمینی طاقتوں کو زیرپا کریں گے ورنہ اس کے سوا اور کیا معنے ہیں؟ کیا یہ قومیں دیواروں اور ٹیلوں کو کودتی اور پھاندتی پھریں گی؟ نہیں بلکہ اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ دُنیا کی کُل ریاستوں اور سلطنتوں کو زیرپا کرلیں گی اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

دعا کے ذریعہ فتح ہوگی

واقعات جس امر کی تفسیر کریں وہی تفسیر ٹھیک ہوا کرتی ہے۔ اس آیت کے معنے خدا تعالیٰ نے واقعات سے بتا دیئے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اگر کسی قسم کی سیفی قوت کی ضرورت ہوتی تو اب جیسے کہ بظاہر اسلامی دنیا کی امیدوں کے آخری دن ہیں۔ چاہیئے تھا کہ اہل اسلام کی سیفی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی اور اسلامی سلطنتیں تمام دنیا پر غلبہ پاتیں اور کوئی ان کے مقابل پر ٹھہر نہ سکتا۔ مگر اب تو معاملہ اس کے برخلاف نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور تمہید یا عنوان کے یہ زمانہ ہے کہ ان کی فتح اور ان کا غلبہ دنیوی ہتھیاروں سے نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ اُن کے واسطے آسمانی طاقت کام کرے گی جس کا ذریعہ دُعا ہے۔ غرضکہ ہم نے اس لئے سوچا کہ عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ ساٹھ یا پینسٹھ سال عمر سے گذر چکے ہیں۔ موت کا وقت مقرر نہیں۔ خدا جانے کس وقت آجاوے اور کام ہمارا ابھی بہت باقی پڑا ہے۔ ادھر قلم کی طاقت کمزور ثابت ہوئی ہے۔ رہی سَیف اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا اذن اور منشاء نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور اسی سے قوت پانے کے واسطے ایک الگ حجرہ بنایا اور خدا سے دعا کی کہ اس مسجد البیت اور بیت الدعا کو امن اور سلامتی اور اعداء پر بذریعہ دلائل نیرہ اور براہین ساطعہ کے فتح کا گھر بنا۔

[1] الانبیاء: ۹۷

ہم نے دیکھا کہ اب ان مسلمانوں کی حالت تو خود موردِ عذاب اور شامتِ اعمال سے قہر الٰہی کے نزول کی محرک بنی ہوئی ہے اور خدا کی نصرت اور اُس کے فضل و کرم کی جاذب مطلق نہیں رہی۔ جب تک یہ خود نہ سنوریں تب تک خوشحالی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کا ان کو فکر نہیں ہے۔ خدا کے دین کے واسطے ذرا بھی سرگرمی نہیں۔ اس لئے خدا کے آگے دستِ دعا پھیلانے کا قصد کر لیا ہے کہ وہ اس قوم کی اصلاح کرے اور شیطان کو ہلاک کرے تاکہ خدا کا سچا نور دنیا پر دوبارہ چمک جاوے اور راستی کی عظمت پھیلے۔

بنی اسرائیل کی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ قوم فسق و فجور میں تباہ ہو جاتی اور اس کی توحید و جلال کو بالکل بھول جاتی تھی تو اُن کے انبیاء اسی طرح جنگلوں اور الگ مکانوں میں دستِ بدعا ہوتے تھے اور خدا کی رحمت کے تخت کو جنبش دیا کرتے تھے۔

دنیا کو علم نہیں ہے کہ آجکل عیسائی کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی کس قدر ذرّیت کو انہوں نے برباد کیا ہے۔ کس قدر خاندان اُن کے ہاتھوں نالاں ہیں گویا دنیا کا تختہ بالکل پلٹ گیا ہے۔ اب خدا کی غیرت نے نہ چاہا کہ اس کی توحید اور جلال کی ہتک ہو اور اس کے رسُول کی زیادہ بےعزتی کی جاوے۔ اس کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اپنے نُور کو اب روشن کرے اور سچائی اور حق کا غلبہ ہو سو اس نے مجھے بھیجا اور اب میرے دل میں تحریک پیدا کی کہ میں ایک حجرہ بیت الدعا صرف دعا کے واسطے مقرر کروں اور بذریعہ دعا کے اس فساد پر غالب آؤں تاکہ اوّل آخر سے مطابق ہو جاوے اور جس طرح سے پہلے آدم کو دعا ہی کے ذریعہ سے شیطان پر فتح نصیب ہوئی تھی اب آخری آدم کے مقابل پر آخری شیطان پر بھی بذریعہ دعا کے فتح ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۴-۸۵ مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۶ مارچ ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

رفع یدین

رفع یدین کے متعلق فرمایا کہ

اس میں چنداں حرج نہیں معلوم ہوتا خواہ کوئی کرے یا نہ کرے۔ احادیث میں بھی اس کا ذکر دونو طرح پر ہے۔ اور وہابیوں اور سنّیوں کے طریق عمل سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ ایک تو رفع یدین کرتے ہیں اور ایک نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت رفع یدین کیا اور بعد ازاں ترک کر دیا۔

وتر

فرمایا کہ

اکیلا ایک وتر کہیں سے ثابت نہیں ہوتا۔ وتر ہمیشہ تین ہی پڑھنے چاہئیں۔ خواہ تینوں اکٹھے ہی پڑھ لیں خواہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لیں پھر ایک رکعت الگ پڑھی جاوے۔

قبض وبسط

بابو نبی بخش صاحب احمدی کلرک لاہور نے عرض کی کہ بعض وقت تو دل میں خود بخود ایک ایسی تحریک پیدا ہوتی ہے کہ طبیعت عبادت کی طرف راغب ہوتی ہے اور قلب میں ایک عجیب فرحت اور سرور محسوس ہوتا ہے اور بعض وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ نفس پر جبر اور بوجھ ڈالنے سے بھی حلاوت پیدا نہیں ہوتی اور عبادت ایک بارگراں معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اسے قبض اور بسط کہتے ہیں۔ قبض اس حالت کا نام ہے جب کہ ایک غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ اور خدا کی طرف محبت کم ہوتی ہے اور طرح طرح کے

فکر اور رنج اور غم اور اسباب دنیوی میں مشغول ہو جاتا ہے اور بسط اس کا نام ہے کہ انسان دنیا سے دل برداشتہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور موت کو ہر وقت یاد رکھے۔ جب تک اس کو اپنی موت بخوبی یاد نہیں ہوتی وہ اس حالت تک نہیں پہنچ سکتا۔ موت تو ہر وقت قریب آتی جاتی ہے۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جس کے قریبی رشتہ دار فوت نہیں ہو چکے اور آجکل تو وبا سے گھر کے گھر صاف ہوتے جاتے ہیں اور موت کے لئے طبیعت پر زور دے کر سوچنے کی حاجت ہی نہیں رہی۔

یہ حالتیں قبض اور بسط کی اس شخص کو پیدا ہوتی ہیں جس کو موت یاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ انسان قبض کی حالت میں ہوتا ہے اور ایک ناگہانی حادثہ پیش آجانے سے وہ حالتِ قبض معاً دُور ہو جاتی ہے جیسے کوئی زلزلہ آجاوے یا موت کا حادثہ ہو جاوے تو ساتھ ہی اس کا انشراح ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبض اصل میں ایک عارضی شئے ہے جو کہ موت کو بہت یاد کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا پیوست ہو جانے سے دُور ہو جاتی ہے اور پھر بسط کی حالت دائمی ہو جاتی ہے۔ عارفوں کو قبض کی حالت بہت کم ہوتی ہے۔ نادان انسان سمجھتا ہے کہ دنیا بہت دیر رہنے کی جگہ ہے میں پھر نیکی کر لوں گا۔ اس واسطے غلطی کرتا ہے اور عارف سمجھتا ہے کہ آج کا دن جو ہے یہ غنیمت ہے۔ خدا معلوم کل زندگی ہے کہ نہیں۔

رؤیا

میں اس مکان کی طرف سے مسجد کی طرف چلا جا رہا ہوں۔ میں نے ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا جو کہ ایک سکھ کی طرح معلوم ہوتا تھا جس طرح سے اکالئے اور کوکہ سکھ ہوتے ہیں اس کے ہاتھ میں ایک تیز خوفناک بڑا اور چوڑا چھرا تھا اور اس چھرے کا دستہ چھوٹا سا تھا۔ وہ چھرا بڑا ہی تیز معلوم ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ لوگوں کو قتل کرتا پھرتا تھا جہاں اُس نے چھرا رکھا اور گردن اُڑ گئی۔ کچھ اس طرح معلوم ہوتا تھا جس طرح میں نے لیکھرام کے

وقت میں ایک آدمی خواب میں دیکھا تھا۔ اس کی صورت بڑی ڈراؤنی تھی اور بڑا ہی دہشتناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مجھے بھی اس سے خوف معلوم ہوا۔ اور میں نے اُس کی طرف جانا نہ چاہا لیکن میرے پاؤں بہت بوجھل ہو گئے اور میں بڑا ہی زور لگا کر ادھر سے نکلا لیکن اس نے میری مزاحمت نہ کی اور اگرچہ مجھ کو اس سے خوف معلوم ہوا لیکن اس نے مجھ کو کوئی تکلیف نہ دی اور پھر وہ خبر نہیں کہ کس طرف کو نکل گیا۔

رؤیا

ایک حنائی رنگ کا لکھا ہوا دو ورقہ کاغذ کچھ تھوڑے فاصلہ پر گر پڑا ہے۔ میں نے ایک ہندو کو کہا کہ اس کو پکڑو۔ جب وہ پکڑنے لگا تو وہ کاغذ کچھ دُور آگے جا پڑا۔ پھر وہ ہندو اُٹھانے لگا تو وہ وہاں سے اُڑ کر اور آگے جا پڑا لیکن وہ دوورقہ اس طرح کچھ ترتیب سے کُھل کر اُڑتا رہا ہے کہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کوئی جاندار چیز ہے۔ جب وہ کچھ فاصلہ تک چلا گیا تو وہ ہندو وہاں جا کر پھر اس کو پکڑنے لگا۔ تب وہ دو ورقہ اُڑ کر میرے پاس آگیا تو اس وقت میری زبان سے یہ کلمہ نکلا

جس کا تھا اس کے پاس آگیا

پھر میں نے اس کو مخاطب ہو کر کہا کہ ہم وہ قوم ہیں جو روح القدس کے بُلائے بولتے ہیں۔ ہم وہ قوم ہیں جن کے حق میں خدا نے فرمایا ہے۔

لنفخنا فیھم من صدقنا

اسلامی خدمات کسی دوسرے سے اللہ تعالیٰ لینا ہی نہیں چاہتا۔ شائد دوسرا اس میں کچھ غلطی بھی کرے۔ واللہ اعلم

جو شخص اسلام کے عقائد کا منافی ہے وہ اسلام کی تائید کیا کرے گا۔

سناتن دھرم میں اس طرح کے بھی آدمی ہوتے ہیں کہ وہ کسی فرقہ کے مکذب نہیں ہوتے

اور معمولی چیزوں کے آگے بھی ہاتھ جوڑتے پھرتے ہیں۔

خدا نہیں چاہتا کہ جو سلسلہ اُس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اس کا کوئی شریک ہو۔

یہاں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا کاغذ ہمارے پاس آگیا۔

(البدر جلد دوم نمبر ۱۱ صفحہ ۸۵ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

آیاتِ مُبین*

میرے نزدیک آیاتِ مُبین وہ ہوتی ہیں مخالف جس کے مقابلہ سے عاجز ہو جاوے خواہ وہ کچھ ہی ہو جس کا مخالف مقابلہ نہ کر سکے وہ اعجاز ٹھہر جائے گا جب کہ اس کی تحدی کی گئی ہو۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اقتراح کے نشانوں کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ نبی کبھی جرأت کر کے یہ نہیں کہیگا کہ تم جو نشان مجھ سے مانگو میں وہی دکھانے کو تیار ہوں۔ اس کے منہ سے جو نکلیگا یہی نکلے گا اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ[1]۔ اور یہی اس کی صداقت کا نشان ہوتا ہے۔ کم نصیب مخالف اس قسم کی آیتوں سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ معجزات سے انکار کیا گیا ہے مگر وہ آنکھوں کے اندھے ہیں اُن کو معجزات کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہوتی اس لئے وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں اور نہ ذات باری کی عزت اور جبروت کا ادب اُن کے دل پر ہوتا ہے۔ ہمارا خدا تعالیٰ پر کیا حق ہے کہ ہم جو کہیں وہی کر دے یہ سُوء ادب ہے۔ ایسا خدا خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو امید اور حوصلہ دلایا کہ ادْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[2] یہ نہیں کہا کہ تم جو مانگو گے وہی دیا جائے گا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جب بعض اقتراحی نشانات مانگے گئے تو آپ نے یہی خدا کی تعلیم سے جواب دیا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[3]۔

---

* الحکم میں یہ ملفوظات بلا تاریخ درج ہیں۔ (مرتب)

[1] الانعام: ۱۱۰ [2] المومن: ۶۱ [3] بنی اسرائیل: ۹۴

خدا کے رسُول کبھی اپنی بشریت کی حد سے نہیں بڑھتے اور وہ آداب الٰہی کو مدنظر رکھتے ہیں۔ یہ باتیں منحصر ہیں معرفت پر۔ جس قدر معرفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالےٰ کا خوف اور خشیّت دل پر مستولی ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر معرفت انبیاء علیہم السلام ہی کی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی ہر بات اور ہر ادا میں بشریت کا رنگ جدا نظر آتا ہے اور تائیدات الٰہیہ الگ نظر آتی ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالےٰ نشان دکھاتا ہے جب چاہتا ہے۔ وہ دنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایسا کھُلا ہوا ہو کہ جیسے سُورج تو پھر ایمان کیا رہا؟ اور اس کا ثواب کیا؟ ایسی صورت میں کون بدبخت ہوگا جو انکار کرے گا؟ نشان بیّن ہوتے ہیں مگر اُن کو باریک بین دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں اور یہ **دقّتِ نظر** اور **معرفت** سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقویٰ سے ملتی ہے۔ شکی اور فاسق اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اس وقت تک ایمان ہے جب تک اس میں کوئی پہلو اخفاء کا بھی ہو لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو اور کوئی بتا دے کہ اس میں یہ ہے تو اس کی فراست قابلِ تعریف ہو سکتی ہے لیکن جب مٹھی کھول کر دکھا دی اور پھر کسی نے کہا کہ میں بتا دیتا ہوں تو کیا ہوا؟ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے تو البتہ اُسے تیز نظر کہیں گے لیکن جب چودھویں کا چاند ہو گیا اس وقت کوئی کہے کہ میں نے چاند دیکھ لیا وہ چڑھا ہوا ہے تو لوگ اس کو پاگل کہیں گے۔

غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن کی حد بندی کرے کہ ایسا ہونا چاہیئے یا ویسا ہونا چاہیئے۔ اس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اخفا کے ہوں۔ کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اس میں ایک عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو۔ لیکن جب ایسی کھُلی بات ہو گی تو اس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آسکتا۔ چہ جائیکہ عرفانی

اور ذوقی رنگ ہو۔ پس اقتراحی نشانات سے اس لئے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سُوء ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں

اس سوال کا جواب حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام نے ایک بار اپنی ایک مختصر سی تقریر میں دیا ہے۔ فرمایا

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں جس کے اعمال بجائے خود خوارق کے درجہ تک پہنچ جائیں مثلاً ایک شخص خدا تعالےٰ کے ساتھ وفاداری کرتا ہے وہ ایسی وفاداری کرے کہ اس کی وفا خارق عادت ہو جاوے۔ اس کی محبت اس کی عبادت خارق عادت ہو۔ ہر شخص ایثار کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے لیکن اس کا ایثار خارق عادت ہو۔ غرض اس کے اخلاق، عبادت اور سب تعلقات جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے۔ اپنے اندر ایک خارق عادت نمونہ پیدا کریں تو چونکہ خارق عادت کا جواب خارق عادت ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ اس کے ہاتھ پر نشانات ظاہر کرنے لگتا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ اس سے نشانات کا صدور ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کو اس درجہ تک پہنچائے کہ اُن میں خارق عادت نتائج کے جذب کی قوت پیدا ہونے لگے۔ انبیاء علیہم السلام میں یہی ایک نرالی بات ہوتی ہے اور ان کا تعلق اندرونی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا شدید ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا ہرگز نہیں ہوتا۔ ان کی عبودیت ایسا رشتہ دکھاتی ہے کہ کسی اور کی عبودیت نہیں دکھا سکتی۔ پس اس کے مقابلہ میں ربوبیت اپنی تجلی اور اظہار بھی اسی حیثیت اور رنگ کا کرتی ہے۔ عبودیت کی مثال عورت کی سی ہوتی ہے۔ کہ جیسے وہ حیا شرم کے ساتھ رہتی ہے اور مرد بیاہنے جاتا ہے تو وہ اعلانیہ جاتا ہے اسی طرح

پر عبودیت پردہ اخفا میں ہوتی ہے لیکن الوہیت جب اپنی تجلی کرتی ہے تو پھر وہ ایک بیّن امر ہو جاتا ہے اور ان تعلقات کا جو ایک سچے مومن اور عبد اور اس کے ربّ میں ہوتے ہیں خارق عادت نشانات کے ذریعہ ظہور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا یہی راز ہے اور چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کُل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لئے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۴ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۲۸ مارچ ۱۹۰۳ء

انسان اور بہائم میں فرق

بچپن کی عمر کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ

انسان کی فطرت میں یہ بات ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ بچوں میں عادت ہوتی ہے کہ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپس میں گالی گلوچ ہوتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جُوں جُوں عمر میں وہ ترقی کرتے جاتے ہیں عقل اور فہم میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ انسان تزکیہ نفس کی طرف آتا ہے۔

انسان کی بچپن کی حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گائے بیل وغیرہ جانوروں ہی کی طرح انسان بھی پیدا ہوتا ہے۔ صرف انسان کی فطرت میں ایک نیک بات یہ ہوتی ہے کہ وہ بدی کو چھوڑ کر نیکی کو اختیار کرتا ہے اور یہ صفت انسان میں ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ بہائم میں تعلیم کا مادہ نہیں ہوتا۔ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک قصہ نظم میں لکھا ہے کہ ایک گدھے کو ایک بیوقوف تعلیم دیتا تھا۔ اور اس پر شب و روز محنت کرتا۔ ایک حکیم نے اُسے کہا کہ اے بیوقوف تو یہ کیا کرتا ہے؟ اور کیوں اپنا وقت اور مغز بے فائدہ گنواتا ہے؟ یعنی گدھا تو انسان نہ ہوگا تو بھی کہیں گدھا

نہ بن جاوے۔

درحقیقت انسان میں کوئی ایسی الگ شئے نہیں ہے جو کہ اور جانوروں میں نہ ہو۔ عموماً سب صفات درجہ وار تمام مخلوق میں پائے جاتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق میں ترقی کرتا ہے اور حیوان نہیں کرتا۔ دیکھو اَرنڈ کا تیل اور کھانڈ کیسے غلیظ ہوتے ہیں۔ لیکن جب خوب صاف کیا جاوے تو مصفّٰی ہو کر خوشنما ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اخلاق اور صفات کا ہے۔ اصل میں صفات کُل نیک ہوتے ہیں جب اُن کو بے موقعہ اور ناجائز طور پر استعمال کیا جاوے تو وہ بُرے ہو جاتے ہیں اور اُن کو گندہ کر دیا جاتا ہے لیکن جب ان ہی صفات کو افراط تفریط سے بچا کر محل اور موقعہ پر استعمال کیا جاوے تو ثواب کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے مِن شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ[1]۔ اور دوسری جگہ السّابقون الاولون[2] اب سبقت لے جانا بھی تو ایک قسم کا حسد ہی ہے۔ سبقت لے جانے والا کب چاہتا ہے کہ اس سے اَور کوئی آگے بڑھ جاوے۔ یہ صفت بچپن ہی سے انسان میں پائی جاتی ہے۔ اگر بچوں کو آگے بڑھنے کی خواہش نہ ہو تو وہ محنت نہیں کرتے اور کوشش کرنے والے کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ سابقون گویا حاسد ہی ہوتے ہیں لیکن اس جگہ حسد کا مادہ مصفّٰی ہو کر سابق ہو جاتا ہے اسی طرح حاسد ہی بہشت میں سبقت لے جاویں گے۔

اسی طرح سے غضب اگر موقعہ اور محل پر استعمال کیا جائے تو وہ ایک صفت محمودہ ہے۔ وہ انسان ہی کیا ہے جسے مستورات کی عصمت کی محافظت کے لئے بھی غضب نہ پیدا ہوتا ہو۔ حضرت عمرؓ میں غضب اور غصہ بہت تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کسی نے آپ سے پوچھا کہ اب وہ غضب اور غصہ کہاں گیا؟ فرمایا کہ غضب تو اسی طرح میرے میں ہے لیکن آگے بے محل اور بے موقعہ اور ظلم کے رنگ میں تھا اور اب محل اور موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اب انصاف کے رنگ میں ہے۔

صفات بدلتے نہیں ہیں ہاں ان میں اعتدال آجاتا ہے۔ اسی طرح گلہ کرنا ناجائز ہے

[1] الفلق : ۶   [2] التوبۃ : ۱۰۰

لیکن اُستاد یا ماں باپ اگر گلہ کریں تو وہ قابل مذمت نہیں کیونکہ مُرشد، اُستاد یا باپ اگر گلہ کرتے ہیں تو وہ اس کی ترقی کے لئے گلہ کرتے ہیں اور اس کے عیوب کو اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ عبرت ہو اور اس کے اعمال میں اصلاح ہو۔

ایسے ہی چوری بھی ایک بُری صفت ہے لیکن اگر اپنے دوستوں کی چیز بلا اجازت استعمال کرلی جاوے تو معیوب نہیں (بشرطیکہ دوست ہوں)

حقوق دوستی

دو شخصوں میں باہمی دوستی کمال درجہ کی تھی اور ایک دوسرے کا محسن تھا۔ اتفاقاً ایک شخص سفر پہ گیا۔ دوسرا اُس کے بعد اس کے گھر میں آیا اور اس کی کنیز سے دریافت کیا کہ میرا دوست کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ سفر کو گیا ہے۔ پھر اُس نے پُوچھا کہ اس کے روپیہ والے صندوق کی چابی تیرے پاس ہے؟ کنیز نے کہا کہ میرے پاس ہے۔ اُس نے کنیز سے وہ صندوق منگوا کر چابی لی اور خود کھول کر کچھ روپیہ اس میں سے لے گیا جب صاحب خانہ سفر سے واپس آیا تو کنیز نے کہا کہ آپ کا دوست گھر میں آیا تھا۔ یہ سُن کر صاحب خانہ کا رنگ زرد ہو گیا اور اس نے پوچھا کہ کیا کہتا تھا؟ کنیز نے کہا کہ اُس نے مجھ سے صندوق اور چابی منگوا کر خود آپ کا روپیہ والا صندوق کھولا اور اس میں سے روپیہ نکال کر لے گیا۔ پھر تو وہ صاحب خانہ اس کنیز پہ اس قدر خوش ہوا کہ بہت ہی پھُولا اور صرف اس صلہ میں کہ اس نے اُس کے دوست کا کہا مان لیا اُس کو ناراض نہیں کیا۔ اس کنیز کو اُس نے آزاد کر دیا اور کہا کہ اس نیک کام کے اجر میں جو کہ تجھ سے ہوا ہے میں آج ہی تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔

غرض جس قدر یہ جرائم ہیں جن کی نواہی کی شریعت میں تاکید ہے مثلاً گلہ نہ کرو چوری نہ کرو وغیرہ وغیرہ یہ سب صفات بد استعمال کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں ورنہ حقیقتاً ان کا موقعہ اور محل پہ استعمال درست اور انسان کی فطرت کے مطابق ہے۔ عفو

ایک موقعہ پر تو قابل استعمال ہوتا ہے اور بعض موقعہ پر قابل ترک۔ کیونکہ اگر کسی مجرم کو بار بار عفو ہی کر دیا جاوے تو وہ اور زیادہ بیباک ہو کر جرم کرے گا۔ ایسے موقعہ پر اس سے انتقام لینا ہی عفو ہوتا ہے۔

انجیل کی تعلیم میں جو کہ بعض جگہ زیادہ نرمی کی ہدایت ہے اس کا بھی یہی مقصود ہوگا کیونکہ وہ تو صرف یہود کے لئے ہے جو کہ سخت سرکش اور ظالم طبع لوگ تھے۔ اس مسئلہ کو آج کل لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہے۔ برہمو لوگوں نے بھی اس پر اعتراض کئے ہیں۔ میں نے ایک برہمو کی کتاب میں دیکھا۔ وہ لکھتا ہے کہ تمام عمر مار ہی کھاتے جانا اور ہمیشہ طمانچے کھانا بلکہ ایک گال زخمی کرا کر دوسری گال بھی پھیر دینا یہ کہاں کا انصاف ہے؟ دوم انسان اس پر عمل کب کر سکتا ہے اور نہ کسی سے آج تک اس طرح کے عفو پر عمل ہو سکا انجیل کی اس تعلیم کے متبع عیسائی لوگ کبھی بھی اس مسئلہ پر عمل نہ کر سکے۔ آج کسی عیسائی کو ایک بات کہو جو کہ اس کی مرضی کے برخلاف ہو پھر دیکھو وہ کتنی سُناتا ہے اور عدالت کی طرف دوڑتا ہے کہ نہیں۔ بعض نادان عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی اس تعلیم سے یہ مقصود ہے کہ مار اور طمانچہ کھا کر عرضی ڈال دو اور عدالت سے چارہ جوئی کرو۔ لیکن اتنا نہیں سوچتے کہ اگر کسی نے ایک عیسائی کو طمانچہ مار کر اس کے دانت نکال دیئے پھر اس نے حسب حکم شریعت دوسری گال آگے کی اور اس نے ادھر کے بھی دانت نکال دیئے کیونکہ دشمن کا طمانچہ کوئی پیار کا طمانچہ تو نہ ہوگا وہ تو تمام قوت سے طمانچہ مارے گا اور جب دونو طرف کے دانت نکل گئے تو پھر عدالت میں جانے سے وہ دانت کیا واپس لگ جاویں گے؟ اگر مجرم کو سزا بھی ہو گئی تو اس کو کیا ملے گا؟ جو ساری عمر کے لئے ایک نعمت سے محروم ہو کر عمدہ کھانے پینے بولنے کی لذات سے جاتا رہا۔

ایسے ہی اگر ایک بدکار کسی عیسائی کی عورت پر ناجائز حملہ کرنا چاہے تو وہ عیسائی اس وقت تو اس کا مزاحم نہ ہو مگر بعد میں عدالت کے ذریعہ چارہ جوئی کرے اور گواہ اور ثبوت دیتا

پھرے عجیب تعلیم ہے

پھر ذکر ہوا کہ بلاد یورپ اور امریکہ اور جرمن وغیرہ میں آج کل ایک عجیب تحریک پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ لوگ خود بخود ہی ان خیالات فاسدہ سے دستکش ہوتے جاتے ہیں اور اُن کی تجویز ہے کہ ان تثلیث اور کفارہ کے لئے بے دلیل خیالات کو مہذب دنیا سے اُڑا کر بادلیل اور آزادی پسند خیالات نوجوانوں کے آگے پیش کئے جاویں۔ فرمایا کہ

اب خدا چاہتا ہے کہ اس کی توحید دنیا میں قائم ہو اور اسی کا تصرف تمام دنیا پر اور لوگوں کے دلوں پر رہے۔ اور کوئی کام نہیں ہو سکتا جبتک کہ خدا تعالےٰ نہ چاہے۔ اس زمانہ میں ان تمام پُرانی جہالت کے زمانہ کی غلطیوں کا اس طرح خود بخود ظاہر ہو جانا یہ بھی ایک مسیح موعود کے زمانہ کی نشانی ہے تاکہ زمانہ کی حالت بھی ایسی ہو کہ وہ مسیح موعود کی تائید کرے جب خدا تعالیٰ کسی بات کو چاہتا ہے کہ وہ ہو جاوے تو وہ تمام زمانہ کو اس کی طرف پھیر دیتا ہے۔ پھر ہر طرف سے اس کی تائید ہی تائید ظاہر ہوتی ہے کیا زمین کیا آسمان گویا سب ہی اس کی خدمت میں لگ جاتے ہیں۔ اگر زمین کسی اَور طرف رجُوع کرے اور آسمان کسی اور طرف تو پھر حالت ٹھیک نہیں رہتی۔ اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ ہماری تائید کرے اور چاہتا ہے کہ ہر قسم کے شرک، کُفر اور بطلان کو ذلیل کرے۔ توحید کی سچائی کو دنیا میں قائم کرے اسی لئے اس نے تمام زمانہ میں ایک عجیب تحریک پیدا کر دی ہے اور ہر ایک طرف سے ہماری ہی تائید نظر آتی ہے۔ مثلاً ایک ذراسی آگ تمام جہان کے جلانے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح زمانہ میں یہ آگ لگ گئی ہے اور اب تو یہ ہوا چل رہی ہے کہ ان کے دلوں میں پھونک دیا گیا ہے کہ وہ ان تمام پرانے اور بے معنے بلکہ غیر معقول خیالات سے خود بخود بیزار ہو کر حقیقت اور راستی کے جویاں ہو جاویں۔ جیسے کہ اب جرمن کے بادشاہ کے مذہب میں سخت انقلاب ہوا ہے۔ یہی ایک کافی مثال ہے۔ جب سلاطین کے دل میں اللہ کریم نے ایسے ایسے خیالات

ڈال دیتے ہیں تو رعیت کا تو بہت سا حصہ ایسا بھی ہوتا ہے جو کہ بادشاہ کے مذہب کے ہوتے ہیں اور اپنے بادشاہ کے اشاروں پر چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ایک زمانہ میں تو حضرت مسیحؑ کی حد سے زیادہ اور مبالغہ سے بڑھ کر تعریف کی گئی تھی اور اب اس کا ردّ در و دیوار سے خود بخود عیاں ہوتا جاتا ہے۔

مجلس قبل از عشاء

حضرت ابوطالب کا ذکر

بعض لوگ جو کہ غیر مذاہب میں برائے نام ہوتے ہیں مگر خلوص دل سے وہ اسلام کے مداح ہوتے ہیں۔ ان کے ذکر پر فرمایا کہ

ابوطالب کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ ایک خبیث اور شریر کو ایک ادب اور لحاظ کرنے والے کے برابر کر دیوے۔ اگر اس نے بظاہر تو مذہب قبول نہیں کیا مگر بزرگ سالی کی رعونت اس میں نہ تھی۔ احادیث میں بھی اس قدر تحقیقات کہیں نہیں ہوئی ہے ممکن ہے کہ اس نے کبھی کلمہ پڑھ دیا ہو۔ بجز اعتقاد کے محبت نہیں ہوا کرتی۔ اول عظمت دل میں بیٹھتی ہے پھر محبت ہوتی ہے۔

اہل اللہ کی لذات دنیوی

ایک ذکر پر فرمایا کہ

ایک سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ میں نے گوشت کا منہ نہیں دیکھا ہے۔ اکثر مسّی روٹی (بیسنی) یا اچار اور دال کے ساتھ کھا لیتا ہوں۔ آج بھی اچار کے ساتھ روٹی کھائی ہے۔

نسخ

فرمایا کہ

ایک سالک کی عمر میں نسخ ہوتا رہتا ہے۔ انبیاء کی زندگی میں بھی نسخ ہوتا ہے۔ اسی لئے اول حالت آخر حالت کے ساتھ مطابق نہیں ہوا کرتی۔ جسمانی حالتوں میں بھی نسخ دیکھا جاتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۸۹-۹۰ مورخہ ۱۰ را پریل ۱۹۰۳ء)

۲۹ر مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

قتل انبیاء

فرمایا:۔

صلیب چونکہ جرائم پیشہ کے واسطے ہے اس واسطے نبی کی شان سے بعید ہے کہ اسے بھی صلیب دی جاوے۔ اس لئے توریت میں لکھا تھا کہ جو کاٹھ پر لٹکایا جاوے وہ ملعون ہے۔ آتشک وغیرہ جو خبیث امراض خبیث لوگوں کو ہوتے ہیں اس سے بھی انبیاء محفوظ رہتے ہیں۔ نفس قتل انبیاء کے لئے معیوب نہیں ہے مگر کسی نبی کا قتل ہونا ثابت نہیں ہے۔ جس آلہ سے خبیث قتل ہو۔ اس آلہ سے نبی قتل نہیں ہوتا۔

خوش خطی

خوشخطی پر فرمایا کہ

حُسن تناسب اعضاء کا نام ہے۔ جبتک یہ نہ ہو ملاحت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اپنی صفت فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ[1] فرمائی ہے۔ عَدَلَكَ کے معنے تناسب

---

[1] الانفطار: ۸

کے ہیں کہ نسبتی اعتدال ہر جگہ ملحوظ رہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۰-۹۱ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۳۰ مارچ ۱۹۰۳ء

بعد ادائے نماز مغرب ایک صاحب نے کسی شخص غیر حاضر کی طرف سے مسئلہ دریافت کیا کہ اس نے غصہ میں اپنی عورت کو طلاق دی ہے اور لکھ بھی دی ہے مگر ایک ہفتہ کے قریب گذرنے پر وہ رجوع کرنا چاہتا ہے اس میں کیا ارشاد ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

جب تک وہ شخص خود حاضر ہو کر بیان نہ کرے ہم نہیں فتویٰ دے سکتے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

صدقات اور دُعا اور اُن کی تاثیر

لوگ اس نعمت سے بیخبر ہیں کہ صدقات۔ دُعا اور خیرات سے ردّ بلا ہوتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو انسان زندہ ہی مر جاتا۔ مصائب اور مشکلات کے وقت کوئی امید اس کے لئے تسلی بخش نہ ہوتی۔ مگر نہیں اسی نے لا یخلف المیعاد[1] فرمایا ہے۔ لا یخلف الوعید نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے وعید معلق ہوتے ہیں جو دعا اور صدقات سے بدل جاتے ہیں۔ اس کی بے انتہا نظیریں موجود ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کی فطرت میں مصیبت اور بلا کے وقت دُعا اور صدقات کی طرف رجوع کرنے کا جوش ہی نہ ہوتا۔

---

[1] آل عمران ۱۰

جس قدر راستباز اور نبی دنیا میں آئے ہیں خواہ وہ کسی ملک اور قوم میں آئے ہوں مگر یہ بات ان سب کی تعلیم میں یکساں ملتی ہے کہ انہوں نے صدقات اور خیرات کی تعلیم دی۔ اگر خدا تعالیٰ تقدیر کے محو اور اثبات پر قادر نہیں تو پھر یہ ساری تعلیم فضول ٹھہر جاتی ہے اور پھر ماننا پڑے گا کہ دُعا کچھ نہیں اور ایسا کہنا ایک عظیم الشان صداقت کا خون کرنا ہے۔

اسلام کی صداقت اور حقیقت دعا ہی کے نکتہ کے نیچے مخفی ہے کیونکہ اگر دعا نہیں تو نماز بیفائدہ زکوٰۃ بیسود اور اسی طرح سب اعمال معاذاللہ لغو ٹھہرتے ہیں۔

ہمارے مخالف ہر طرف سے کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ ہر قسم کی تدبیریں اور منصوبے کرتے ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ خدا تعالےٰ پہلے ہی ہم کو تسلی دے چکا ہے مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین[1]۔ خدا کے ساتھ لڑکر کبھی کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان کا بھروسہ اپنی تدابیر اور حیل پر ہے اور ہمارا خدا پر۔

کوئی مشکل اور کوئی مصیبت مصیبت رہ سکتی ہی نہیں اگر کوئی شخص استقامت اور صبر اپنا شیوہ کرلے اور خدا تعالےٰ پر توکل اور بھروسہ کرے۔

خدا داری چہ غم داری

نشانات جو ظاہر ہوتے ہیں یہ اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں جیسے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک رات تک تو ماں خیال کرتی ہے کہ میں مرجاؤں گی اور وہ دردزِہ کی تکلیف سے قریب المرگ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر نبیوں کے نشان بھی مصیبت کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔

[1] آل عمران: ۵۵

نشان کی جڑ دُعا ہی ہے یہ اسم اعظم ہے اور دنیا کا تختہ پلٹ سکتی ہے۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور ضرور ہے کہ پہلے ابتہال اور اضطراب کی حالت پیدا ہو

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۲ اپریل ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی کے معنے

فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ہمارے ساتھ بھی عجیب معاملہ ہے۔ ہمارا یہ الہام کہ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی ایک نئی طرز کا الہام ہے۔ ہم نے اب سے پہلے کسی الہامی عبارت میں اس قسم کے الفاظ نہیں دیکھے۔ اس کے معنے جو ہمارے خیال میں آتے ہیں۔ یہ ہیں کہ ایسا شخص بمنزلہ توحید ہی ہوتا ہے جو ایسے وقت میں مامور ہو کہ جب دنیا میں توحید الٰہی کی نہایت ہتک کی گئی ہو اور اُسے نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو[۱]۔ ایسے وقت میں آنے والا توحید مجسم ہوتا ہے[۲]۔ ہر شخص اپنا ایک مقصد اور غائت مقرر کرتا ہے۔ مگر اس شخص کا مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی

---

[۱] البدر میں مزید یہ فقرہ ہے۔ "اور شرک کی عظمت اور قدر کی جاتی ہو"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

[۲] البدر میں یہ مضمون یوں ہے۔ "اس مامور شدہ شخص کو توحید کی پیاس ایسی لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام اغراض و مقاصد کو ایک طرف رکھ کر توحید کے قائم کرنے میں خود ایک مجسم توحید ہو جاتا ہے۔ اس کے اُٹھنے بیٹھنے اور حرکت اور سکون اور ہر ایک قول اور فعل میں توحید کی لَو اُسے لگی ہوئی ہوتی ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

توحید ہی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنے طبعی جذبات اور مقاصد سے بھی مقدم کر لیتا ہے۔ اپنی ساری ضرورتوں کو پیچھے ڈال دیتا ہے۔

اسی طرح پر ہر ایک شخص کا اپنے مقاصد کا ایک بُت ہوتا ہے اور وہ اس تک پہنچنا چاہتا ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے کہ اس تک پہنچا دے یا اس کی عمر کا پہلے ہی خاتمہ کر دے۔ وہ اپنے مال یا عزت و آبرو بال بچوں یا دوسری حوائج کے لئے تڑپتا ہے۔ اور بیخود ہوتا ہے اور بسا اوقات لوگ انہیں مشکلات میں پڑ کر خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے اس کا یہی جوش خدا تعالیٰ کی توحید کے لئے ہو جاتا ہے اور اپنی نفسانی خواہشوں کی بجائے خدا تعالیٰ کی توحید کے لئے مضطرب اور بیخود ہوتا ہے[۱]۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے وقت میں یہ الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں کہ انت منّی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی توحید بہت ہی پیاری ہے

یہ توحید تھی جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے کبھی وبا کبھی قحط اور کبھی اپنے پیارے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ کی تلوار سے اس کے قیام کے واسطے ہزاروں مشرک جانوں کو تباہ کر دیا۔ مکّہ اور مدینہ منورہ کے حالات بھی صرف اسی کی خاطر پیچیدہ ہوئے تھے۔ موسےٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی توحید کے لئے تھا[۲]۔

عقیدہ ہی سے اعمال میں قوت آتی ہے۔ جیسا قوی اور کامل عقیدہ ہو ویسے ہی اس کے مطابق اعمال صادر ہوں گے۔ اگر عقیدہ ہی زنگ آلودہ اور کمزور اور مُردہ ہوگا تو پھر اعمال

---

[۱] (البدر سے)۔ "کہ خدا کی خواہشات اس کی توحید اور عظمت اور جلال غالب آ دیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

[۲] (البدر سے)۔ "طاعون وغیرہ قحط اور دیگر بلاؤں سے ملک کے ملک ہلاک ہوئے تو آخر توحید پیاری تھی تو ہوا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

اگرچہ ظاہر اعمال نماز روزہ میں تو مسلمان باہم مشترک ہیں اور اکثر بجا لاتے ہیں مگر پھر اُن کے نتائج میں برکات کے اختلاف کا باعث جو ہے تو صرف یہی عقیدہ ہے جن کے عقائد عمدہ اور کامل ہوتے ہیں اُن کے لئے نتائج عمدہ اور برکات کثرت سے نازل ہوتے ہیں۔ مگر کمزور ایمان والے اپنے اعمال کی قوت پر تو نگاہ نہیں کرتے برکات کے نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں

عداوت کی وجہ

فرمایا:-

محبت اور عقیدت کی توجہ تو ایک جُدا امر ہے مگر عداوت کی توجہ بھی بے فائدہ نہیں ہوتی بلکہ مفید ہوتی ہے۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے زمانہ میں آپ کے مقابل میں محبت اور عقیدت کی توجہ تو نہایت ہی کم بلکہ کچھ بھی نہ تھی مگر عداوت کی توجہ کامل طور سے تھی اور آخر یہی عداوت کی توجہ آپ کی عام لوگوں اور عرب کے کناروں تک شہرت پہنچانے کا باعث ہو گئی۔ ورنہ آپ کے پاس اس وقت اور کیا ذریعہ تھا جو اپنی دعوت کو اس طرح شائع کرتے۔ آپ کے واسطے اس وقت تبلیغ کا پہنچانا نہایت مشکل تھا مگر خدا تعالیٰ نے یہ کام کیا کہ دشمنوں ہی کے ہاتھوں سے ایسا کرا دیا۔[1] اب موجودہ زمانے میں ہمارے دشمن بھی ایسا ہی کرتے ہیں اگرچہ اس وقت کی فوری حالت ایسی ہوتی ہے کہ ہماری جماعت کو ان لوگوں کی کارروائیوں سے رنج اور صدمہ ہوتا ہے مگر ان کی کارروائیوں کا انجام ہمارے مفید مطلب اور بخیر ہوتا ہے۔ اصل میں ان لوگوں کی گالیاں تو ایسی ہیں جیسے عورتیں شادی کے موقعہ پر لڑکے والوں کو دیتے ہیں۔ اُن سے اس وقت کون ناراض ہوتا ہے؟ یہی حال ان مخالفوں

---

[1] - (البدر سے) "آپ کے بعد مسیلمہ کذاب وغیرہ بھی مدعی ہوئے مگر اُن کو کسی نے پوچھا بھی نہ" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

کی گالیوں کا ہے۔ یہ گالیاں ہمارے مفید مطلب ہیں۔ یہ ہماری تبلیغ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اور سعید اور شریف ان کی گالیوں ہی سے اندازہ کر لیتے ہیں کہ حق کس کے پاس ہے۔ اسی طرح پر ہماری جماعت ان میں سے ہی نکل کر آئی ہے اور دن بدن نکلتی آتی ہے۔

طاعون[1] کے ذکر پر فرمایا کہ

آج کل تو لوگ فرعون کی خصلت رکھتے ہیں کہ چاروں طرف سے خوف آیا تو ایمان لے آئے اور مان لیا۔ جب خوف جاتا رہا تو پھر مخالفت شروع کر دی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ را پریل ۱۹۰۳ء)

۱۳ر اپریل ۱۹۰۳ء

نو مبائعین کو نصیحت

نماز جمعہ کے بعد گرد و نواح کے لوگوں اور چند ایک دیگر احباب نے بیعت کی۔ بعد بیعت حضرت احمد مرسل مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذیل کی تقریر کھڑے ہو کر فرمائی:-

اس وقت تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بیعت کا اقرار کیا ہے اور تمام گناہوں سے توبہ کی ہے اور خدا تعالیٰ سے اقرار کیا ہے کہ کسی قسم کا گناہ نہ کریں گے۔ اس اقرار کی دو تاثیریں ہوتی ہیں۔ اقرار بیعت یا تو رحمت ہے یا باعث عذاب۔ یا تو اس کے ذریعہ انسان

[1] (البدر سے)۔ ”فرمایا کہ دابۃ الارض کے معنے قرآن شریف سے ہی معلوم کرنے چاہئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں یہ لفظ آیا ہے وہاں کیڑے ہی کے معنے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہاتھی وغیرہ جانور ہرگز نہیں ہے۔“ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

خدا تعالیٰ کے بڑے فضل کا وارث ہو جاتا ہے کہ اگر اس پر قائم رہے تو اس سے خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔ اور وعدہ کے موافق رحمت نازل کرے گا اور یا اس کے ذریعہ سے سخت مجرم بنے گا کیونکہ اگر اقرار کو توڑے گا تو گویا اس نے خدا تعالےٰ کی توہین کی۔ جس طرح سے ایک انسان سے اقرار کیا جاتا ہے اور اُسے بجا نہ لایا جاوے تو توڑنے والا مجرم ہوتا ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ کے سامنے گناہ نہ کرنے کا اقرار کر کے پھر توڑنا خدا تعالیٰ کے روبرو سخت مجرم بنا دیتا ہے۔ آج کے اقرار اور بیعت سے یا تو رحمت کی ترقی کی بنیاد پڑگئی اور یا عذاب کی ترقی کی۔ اگر تم نے تمام باتوں میں خدا تعالےٰ کی رضامندی کو مقدم رکھا اور مدت دراز کی تمام عادتوں کو بدل دیا تو یاد رکھو کہ بڑے ثواب کے مستحق ہو۔ عادت کو چھوڑنا آسان بات نہیں۔ دیکھتے ہو کہ ایک افیونی یا جھوٹ بولنے والے کو جو عادت پڑگئی ہوئی ہوتی ہے اُس کا بدلنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے جو اپنی عادت کو خدا تعالےٰ کے واسطے چھوڑتا ہے تو وہ بڑی بات کرتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ عادت چھوٹی ہو یا بڑی ایک عرصہ تک انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قویٰ کو ایک عادت اس کے کرنے کی ہو جاتی ہے۔ تو کیا تمہارے نزدیک اسے چھوڑ دینا کوئی چھوٹی بات ہے؟ جب تک کہ انسان کے اندر بہت استقلال نہ ہو تب تک یہ دور نہیں ہو سکتی ماسوا اس کے ان عادتوں کے بدلنے میں ایک اور مشکل ہے کہ عادتوں کا پابند آدمی عیالداری کے حقوق کی بجاآوری میں سُست ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ایک افیونی ہے تو وہ نشہ میں مبتلا ہو کر عیالداری کے لئے کیا کچھ کرے گا؟ اور اسی طرح بعض عادتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ کنبہ اور اہل وعیال کے آدمی اس کے حامی ہوتے ہیں اور اس کا چھوڑنا اور بھی دشوار تر ہوتا ہے مثلاً ایک شخص بذریعہ رشوت روپیہ حاصل کرتا ہے۔ عورتوں کو اکثر علم نہیں ہوتا وہ تو اس کو اچھا جانیں گی کہ میرا خاوند خوب روپیہ کماتا ہے۔ وہ کب کوشش کرے گی کہ خاوند سے یہ عادت چھوڑا وے تو ان عادتوں کو چھوڑانے والا بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے کوئی نہیں ہوتا۔ باقی سب اس کے حامی ہوتے ہیں۔ بلکہ ایک شخص جو نماز روزہ کو وقت پر ادا کرتا ہے اسے یہ لوگ سُست کہتے ہیں کہ کام میں حرج کرتا

ہے اور جو نماز روزہ سے غافل نہ کر زمینداری کے کاموں میں مصروف رہے اُسے ہوشیار کہتے ہیں اس لئے میں کہتا ہوں کہ توبہ کرنی بہت مشکل کام ہے۔ ان ایام میں تو بہت سے مقابلے آکر پڑے ہیں۔ ایک طرف عادتوں کو چھوڑنا دوسری طرف طاعون ایک بلا کی طرح سر پر ہے۔ اس سے بچنا۔ اب دیکھو کونسی مشکل کو تم قبول کر سکتے ہو۔ رزق سے ڈر کر انسان کو کسی عادت کا پابند نہ ہونا چاہیئے۔ اگر اُس کا خدا تعالےٰ پر ایمان ہے تو خدا تعالیٰ رزّاق ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کا ذمہ دار میں ہوں۔ من یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا ویرزقہ من حیث لا یحتسب[۱]۔ یعنی باریک سے باریک گناہ جو ہے اسے خدا تعالےٰ سے ڈر کر جو چھوڑے گا خدا تعالےٰ ہر ایک مشکل سے اُسے نجات دے گا۔ یہ اس لئے کہا ہے کہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں ہم تو چھوڑنا چاہتے ہیں مگر ایسی مشکلات آپڑتی ہیں کہ پھر کرنا پڑ جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ اُسے ہر مشکل سے بچالے گا۔ پھر آگے ہے یرزقہ من حیث لا یحتسب[۲]۔ یعنی ایسی راہ سے اسے روزی دے گا کہ اس کے گمان میں بھی وہ نہ ہوگی۔ ایسے ہی دوسرے مقام پر ہے۔ وھو یتولی الصالحین[۳]۔ جیسے ماں اپنی اولاد کی والی ہوتی ہے ویسے ہی وہ نیکوں کا والی ہوتا ہے پھر فرماتا ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون[۴] (پ ۲۶ ع ۱) یعنی جو کچھ تم کو وعدہ دیا گیا ہے اور تمہارا رزق آسمان پر ہے۔

جب انسان خدا پر سے بھروسہ چھوڑتا ہے تو دہریت کی رگ اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا تعالےٰ پر بھروسہ اور ایمان اس کا ہوتا ہے جو اُسے ہر بات پر قادر جانتا ہے اب ایسا زمانہ ہے کہ جو توبہ کرنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ان باتوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے اُن کی مدد کر رہا ہے۔ اس کی ذات رحمت سے بھری ہوئی ہے۔ طاعون کے حملے بہت خوفناک ہوتے ہیں مگر اصل میں یہ رحمت ہے سختی نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ ہوں گے جو کہ عبادت سے غافل ہوں گے۔ اگر اتنی چشم نمائی خدا تعالےٰ نہ کرے تو پھر تو لوگ بالکل ہی منکر ہو جاویں

[۱] الطلاق: ۳،۲ [۲] الطلاق: ۴ [۳] الاعراف: ۱۹۷ [۴] الذاریات: ۲۳

یہ تو اس کا فضل ہے کہ سوئے ہوؤں کو ایک تازیانہ سے جگا رہا ہے ورنہ اُسے کیا پڑی ہے کہ کسی کو عذاب دیوے جیسا کہ وہ فرماتا ہے ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم[1] (پ۵ ع ۱۸) کہ اگر تم میری راہ اختیار کرو تو تم کو کیوں عذاب ہو۔

اس کی رحمت بہت وسیع ہے جیسے بچہ جب پڑھتا نہیں ہے تو اُسے مار پڑتی ہے اس کا ستر یہی ہے کہ اس کی آئندہ زندگی خراب نہ ہو اور وہ سُدھر جاوے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ عذاب اس لئے دیتا ہے کہ لوگ سدھر جاویں اور یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

سچی توبہ کرو۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر بازار سے کوئی دوا مثل شربت بنفشہ کے تم لاؤ اور اصل دوا تم کو نہ ملے بلکہ سڑا ہوا پُرانا شیرا تم کو دیا جاوے تو کیا وہ بنفشہ کے شربت کا کام دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح سڑے ہوئے الفاظ جو زبان تک ہوں اور دل قبول نہ کرے وہ خدا تعالےٰ تک نہیں پہنچتے۔ بیعت کرانے والے کو تو ثواب ہو جاتا ہے مگر کرنے والے کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حقیقت بیعت

بیعت کے معنے ہیں بیچ دینا۔ جیسے ایک چیز بیچ دی جاتی ہے تو اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ خریدار کا اختیار ہوتا ہے جو چاہے سو کرے۔ تم لوگ جب اپنا بیل دوسرے کے پاس بیچ دیتے ہو تو کیا اُسے کہہ سکتے ہو کہ اسے اس طرح استعمال کرنا؟ ہرگز نہیں۔ اسے اختیار ہے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ اسی طرح جس سے تم بیعت کرتے ہو۔ اگر اس کے احکام پر ٹھیک ٹھیک نہ چلو تو پھر کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ ہر ایک دوا یا غذا جبتک بقدر شربت نہ پی جاوے فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ اسی طرح اگر بیعت پورے معنوں میں نہ ہو تو وہ بیعت نہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ کسی کے دھوکہ میں نہیں آسکتا۔ اس کے ہاں نمبر اور درجے مقرر ہیں۔ اس نمبر اور درجہ تک توبہ ہوگی تو وہ قبول کرے گا۔ جہانتک طاقت ہے وہاں تک کوشش کرو۔ پورے صالح بنو۔ عورتوں کو نصیحت کرو۔ نماز روزہ کی تاکید

[1] النساء: ۱۴۸

کرو سوائے آٹھ سات دن کے جو عورتوں کے ہوتے ہیں اور جس میں نماز معاف ہے۔ تمام نمازیں پوری پڑھیں اور روزے معاف نہیں ہیں ان کو پھر ادا کریں۔ انہی کمیوں کیوجہ سے کہا کہ عورتوں کا دین ناقص ہے۔ اپنے ہمسایہ اور محلہ والوں کو بھی نیکی کی تاکید کرو۔ غافل نہ ہو۔ اگر علم نہ ہو تو واقف سے پوچھو کہ خدا تعالیٰ کیا چاہتا ہے۔

مسلمانوں کی دینی حالت، آنحضرتؐ اور مسیحؑ کا مقابلہ

اس وقت مسلمانوں نے اپنے دین کو بدل دیا ہے۔ جو خدا تعالیٰ چاہتا تھا اُسے بدل کر اَور کا اَور بنا دیا ہے۔ اس وقت ایک شور برپا ہے۔ اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے ہیں اور عیسیٰؑ زندہ ہے تو سب خوش ہوتے ہیں۔ مگر جب کہا جاوے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندہ اور خاتم النبیین اور آپ کے بعد کوئی غیر نبی نہیں آنے والا تو سب ناراض ہو جاتے ہیں۔

ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جیسے خدا تعالیٰ نے سب سے آخر پیدا کیا ویسے ہی آخری درجے کے سب کمال آپ کو دیئے کہ کوئی بھی خوبی کسی دوسرے نبی میں ایسی نہیں جو کہ آپ کو نہ دی گئی ہو۔ ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کیا تم یہ قبول کرتے ہو کہ ایک کے ہاں بہت سے مہمان ہوں تو ان میں سے ایک کو وہ مکلف کھانا پلاؤ وغیرہ دیوے اور دوسرے کو معمولی کھانا شوربہ یا روٹی وغیرہ تو باقی مہمان کہیں گے کہ کاش ہم اس گھر میں مہمان نہ ہوتے۔ اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو گذرے ہیں انہوں نے کیا گناہ کیا کہ جو فضیلت اور رتبہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیا جاتا ہے ان میں سے ایک کو بھی وہ نہ ملا۔ ان سب کو فوت مانتے ہو اور ایک عیسیٰؑ کو زندہ اور وہ بھی آسمان پر۔

قرآن فرماتا ہے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا[1] اور حضرتؐ تو اس دعا کو برابر مانگتے رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس کی ہوئی۔ دوسرے تمام پیغمبروں کو گھٹانا اور مسیحؑ کو سب سے

[1] طٰہٰ : ۱۱۵

بڑھ کر فضیلت دینا ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ کونسی فضیلت مسیح کو دوسروں پر ہے؟ انہوں نے نہ ساری دنیا کی اصلاح کا دعویٰ کیا۔ نہ کوئی دُکھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح اُن کو پہنچا نہ مقابلہ کی نوبت آئی۔ نہ کوئی شکست اُٹھانی پڑی۔ چند آدمی صرف ایمان لائے۔ وہ بھی پکڑے گئے۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ آپ کا دعویٰ کُل جہان کے لئے اور سخت سے سخت دُکھ اور تکالیف آپ کو پہنچے۔ جنگیں بھی آپ نے کیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہؓ آپ کی زندگی میں موجود تھے۔ پھر ان باتوں کے ہوتے ہوئے جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ایسا کلمہ زبان پر لائے گا۔ جس سے آپ کی ہتک ہو وہ حرامی نہیں تو اَور کیا ہے؟ ان کم بختوں سے کوئی پوچھے کہ پھر تم محمد رسول اللہ کیوں کہتے ہو عیسٰی رسول اللہ ہی کہو۔

اب تم کو چاہیئے کہ جہانتک ہو سکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عزت دو۔ اگر تم یہ کہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آسمان پر زندہ ہیں تو ہم آج مانتے ہیں۔ مگر جس سے تم کو فیض اور فائدہ کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اُس کو جھوٹی فضیلت دینے سے تم کو کیا حاصل؟

تمام فیضوں کا سرچشمہ قرآن ہے نہ انجیل نہ تورات۔ جو قرآن کو چھوڑ کر ان کی طرف جھکتا ہے وہ مرتد ہے اور کافر مگر جو قرآن کی طرف جُھکتا ہے وہ مسلمان ہے۔ کیا ان کو شرم نہیں آتی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب حفاظت پیش آئی تو خدا تعالیٰ نے آپ کو غار میں جگہ دی اور عیسٰیؑ کو جب وہ موقعہ پیش آیا تو آسمان پر جا بٹھایا۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس کی کہتے ہیں اور عیسٰیؑ کو اب تک زندہ مانتے ہیں۔ ان تمام باتوں کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کا دین غالب ہے۔ آج مسلمان کم ہیں اور عیسائی زیادہ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہی دلائل بیان کر کے پادریوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنایا ہے۔

خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے کہ عیسٰیؑ مر گیا فلمّا توفّیتنی کی آیت موجود ہے۔ اگر تمہارا مذہب قرآن ہے تو اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے

خدا تعالیٰ نے ہرگز نہ چاہا کہ باہر سے لوگ آویں۔ سورہ نور میں بھی وعدہ ہے کہ تمام خلیفے اور امام تیری امت میں سے آویں گے۔ سو خدا تعالیٰ نے وہ پورا کیا اور اسی طرح اب ہمیں مامور کیا۔ جیسے چودہ سو برس کے بعد موسیٰؑ کی امت میں سے مسیحؑ آیا تھا۔ ویسے ہی چودہ سَو برس گذرنے کے بعد ہمیں بھیجا۔ وہ مسیحؑ بھی صاحب شریعت نہ تھے۔ توریت پر ان کا عمل تھا ایسے ہی ہم ہیں تاکہ مماثلت پوری ہو اور کوئی کمی نہ رہ جاوے۔ جیسی محبت خدا تعالیٰ ہم سے کرتا ہے ویسی کسی اَور سے نہیں کرتا۔ اگر یہ خیال ہو کہ عیسیٰؑ کو خدا تعالےٰ آسمان پر لے گیا۔ اس کو آج تک زندہ رکھا اور اس کو پھر لاوے گا تو پھر ساری محبت خدا کی عیسیٰ کے ساتھ چاہیئے جو ان تمام باتوں کو غور سے دیکھے گا تو سمجھے گا کہ جو آپ کی شان ہے وہ اور کسی نبی کی نہیں ہے۔ جب تک تم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر خوبی میں افضل نہ جانو گے۔ مسلمان نہ ہو گے بلکہ کرانی (یعنی عیسائی۔ مرتب) ہو گے۔ یہ تو عقیدہ چاہیئے اور نمازوں میں دعا کرو۔ کہ اے خدا طاعون سے ہمیں بچا۔ جو لوگ ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں بڑے آدمی کیوں نہیں مرتے وہ نادان ہیں۔ خدا تعالےٰ کا کام ہے آہستہ آہستہ پکڑنا۔ اس لئے غافل نہ ہو۔ تہجدوں میں دعا کرو۔ پانچوں وقت کی نمازوں میں دعا کرو۔ جب تمہارا گھر دعا سے بھر جاوے گا تو پھر ہرگز وبا نہ آوے گی اور اگر کوئی روک رکھو گے تو دعا کام نہ دے گی۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف رکھو گے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ تم کو ضرور محفوظ رکھے گا۔[۱]

در بار شام

حضرت عیسےٰؑ کی محبت میں غلو اور آنحضرتؐ کی توہین

بار ہا ہمیں یہ تعجب آتا ہے کہ کیوں یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ سے بیجا محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے ان کا کیا دیکھا تھا جو اُن پر ایسے شیدا ہیں کہ اُن کو خدا ہی بنا دیا ہے۔ ایسے اُن کی

---

[۱] البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱۔ ۹۳ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء

محبت میں اندھے ہوئے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جن کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کی توہین اپنی زبان سے کرتے ہیں۔ توہین کیا ہوتی ہے یہی کہ ایک شخص جس میں اعلیٰ درجہ کے اوصاف ہوں اس کو نظر انداز کر کے ایک ایسے شخص کو اس سے بڑھ چڑھ کر متصف باوصاف کیا جاوے جس میں وہ اوصاف نہیں ہیں۔ تعزیرات میں توہین کی مثال کے نیچے یہ مثال لکھی ہے کہ زید اور بکر نے (جو درحقیقت چور تھے) چوری کی ہے مگر عمرو جو ایک شریف آدمی ہے اور درحقیقت اس کی کوئی سازش اس چوری میں نہیں، نے چوری نہیں کی۔ اور نہ ہی اس کا اس میں کچھ تعلق ہے تو قانوناً ایسا کہنے والا شخص عمرو کی توہین کرتا ہے اور وہ مجرم قرار دیا جاوے گا اور مستحق سزا کا ہوگا۔

غرض توہین کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی اتنی تعریف کی جاتی ہے کہ گویا اُن پر جب مصیبت آئی تو خدا تعالےٰ کو زمین پر اُن کے بچاؤ کی کوئی راہ نظر نہ آئی اور اُن کو آسمان پر اور پھر دوسرے آسمان پر جا چھپایا۔ بالمقابل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جب سخت مصائب اور شدائد آئے تو اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ بقول مولویوں کے آپ کو بالکل بے مدد اور کس مپرس چھوڑ دیا اور آپ کو ایک غار میں جو آسمان کے مقابل میں جس طرح وہ بلند ہے اسفل میں واقع تھی، پناہ دی۔ غار کی تعریف بھی کیا کہ بچھوؤں، سانپوں اور ہر قسم کے موذی حشرات الارض کا گھر تھا۔ بھلا اب سوچو یہ توہین نہیں تو کیا ہے ؟

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سرور کائنات فخر الاولین والآخرین اشرف الخلق تو امیدوار ہیں کہ ہم لمبی عمر پاویں مگر اُن کو تو صرف تریسٹھ برس کی عمر دی جاتی ہے اور اُن کے مقابل میں حضرت عیسیٰؑ گویا ابتک زندہ ہیں اور دو ہزار برس اُن کی عمر ہو چکی ہے اور اُن کی حالت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ آپ رہتے تو دنیا کی اصلاح کرتے جیسا کہ پہلا تجربہ بتا چکا ہے۔ کہ ضرور ہزاروں کی اصلاح کرتے اگر اَور عمر پاتے۔ مگر بالمقابل حضرت عیسیٰؑ اتنی عمر میں نہ کوئی نیکی کرتے ہیں نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ اور نہ کسی کی اصلاح ہے۔ اُن سے نہ کسی کو نفع ہے اور نہ وہ کسی سے کسی قسم کے ضرر کو دُور کر سکتے ہیں۔ نیز پُرانا تجربہ بھی اس امر

کا کافی شاہد تھا کہ صرف بارہ آدمی مدت کی کوشش سے تیار کئے۔ آخر وہ بھی یوں الگ ہوئے کہ کسی نے لعنت کی اور کسی نے تیس روپے کے عوض دشمن کے ہاتھ میں دے دیا۔

پھر مرنے کے بعد جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوح آسمان پر گئی تو پھر وہ حریف موجود تھے کہ وہ تو آسمان میں مع جسم عنصری تشریف رکھتے ہیں اور جنابؐ کا جسم ہزاروں من مٹی کے نیچے پڑا ہے اور پھر اسی پر ختم نہیں۔ آخرکار آپ کی اُمّت میں وہ پھر آویں گے اور چالیس سال تک ان پر حکومت کریں گے اور ان سے بیعت لیں گے۔ بھلا غور تو کرو کہ یہ توہین نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر ایک بات اُور ہے کہ اللہ تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن شریف میں یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تیری امت میں سے تیری امت کی اصلاح کے واسطے خلیفے بھیجتا رہوں گا۔ مگر آخر اس وعدہ کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور ایک قوم میں سے جس کے متعلق اس نے وعدہ کر لیا ہوا تھا کہ اس قوم پر میرا غضب نازل ہو چکا ہے میں اُن پر کبھی کوئی رُوحانی اور جسمانی فضل و نعمت ہرگز نازل نہ کروں گا مگر آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی وعدہ خلافی فرما کر اُسے بھیجا اور اپنے قانون کو بھی توڑا۔ کیا یہ کوئی گوارا کر سکتا ہے کہ خدا پر وعدہ خلافی عائد ہو۔ ہرگز نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ[1]

ہماری تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ اس عیسٰیؑ کو آتا کر کرینگے کیا؟ آخر اُن کے قویٰ تو وہی ہوں گے جو پہلے تھے۔ پہلے کیا کیا تھا جو اَب کریں گے۔ ایک ذلیل سی معدودے چند ایک قوم تھی ان کی اصلاح بھی نہ ہوئی۔ لکھا ہے ایک دفعہ اُن میں سے پانسو آدمی مُرتد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اگر حضرت موسیٰؑ کے دوبارہ آنے کی امید رکھتے تو کچھ موزوں بھی تھا۔ کیونکہ وہ صاحب عظمت اور جبروت تو تھے ان میں شجاعت بھی تھی۔ اب یہ عیسٰیؑ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

پھر مشکل یہ ہے کہ عادت کا جانا محال ہے اُن کو مار کھانے اور بُزدلی کی عادت ہو

[1] آل عمران : ۱۰

گئی تھی۔ وہ اگر دجّال سے جنگ کریں گے تو کس طرح ؟ ادھران مسلمانوں کی بھی یہ عادت ہو گئی ہے کہ حضرت عیسٰی ہی آویں گے۔ لکیر کے فقیر ہیں۔ باپ دادا اور مولوی جو اس بات کی تعلیم دیتے ہوئے گذر گئے۔ وہ خواہ قرآن شریف کے مخالف ہی ہو وہ اسی ہندوؤں کی گنگا کی طرح اس اعتقاد کو ترک نہ کریں گے خواہ کوئی دلیل ہو یا نہ ہو۔

ان لوگوں کو تو اپنے گھر کا بھی حال معلوم نہیں کہ ان کے اس اعتقاد نے اسلام کو کیسا ضعف پہنچایا ہے۔ عیسائی جب کسی کو مُرتد کرنے پر آتے ہیں تو یہی حجت پکڑتے ہیں کہ تمہارا نبی مُردہ اور ہمارا زندہ آسمان پر موجود ہے۔ اب بتاؤ کہ ان دونو میں سے کون اچھا اور خدا تعالےٰ کا پیارا ہے اور وہ مسلمانوں کی کتابوں سے ہی نکال کر دکھا دیتے ہیں۔ اب قریباً ہر ایک فرقہ میں سے الگ الگ ملا جلا کر ۲۹ لاکھ کے قریب آدمی مرتد ہو چکے ہیں۔ کیا سید کیا پٹھان کیا قریش اور کیا مغل۔ ہر قوم اس وبا میں ہلاک ہوئی ہے۔ ایسے ایسے لوگ جو فخر اسلام کہنے کے مستحق بن جانے کے قابل تھے وہ اب بیدین ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں اور پھر اسی پر ابھی تمام نہیں بلکہ وہ جان سے مال سے عزت دجاہ سے عورتوں سے لڑکیوں سے اس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ کسی طرح دُنیا سے اسلام کا نشان مٹا دیں۔ بھلا اگر یہی وہ فتّان لوگ نہیں تو اَور کون ہوگا ؟ اس قوم کا فتنہ تو مسلمانوں کے بناوٹی دجّال کے فتنہ سے بھی کہیں بڑھ گیا۔ بھلا یہ بتا دیں تو سہی اس قوم کی جس کا فتنہ دجّال سے بھی زیادہ ہے خبر کہاں دی گئی ہے۔ قرآن شریف نے تو اسی واسطے دجّال کا نام نہیں لیا بلکہ ولا الضالین جس سے مراد یہی قوم نصاریٰ ہے۔ ولا الدجال کیوں نہ کہا۔ اصل امر یہی ہے کہ وہ ایک قوم ہے جس سے تمام انبیاء اپنی امت کو ڈراتے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے خیالات کی بنا احادیث موضوعہ پر ہے جو قرآن شریف کی مُہر سے خالی ہے۔ مگر ہم قرآن شریف کو ان احادیث کی خاطر چھوڑ نہیں سکتے۔ قرآن شریف بہر حال مقدم ہے۔ بھلا قرآن کو تو

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود جمع کیا۔ لکھوایا اور پھر نمازوں میں بار بار پڑھ کر سُنایا۔ کیا اگر احادیث بھی ویسی ہی ضروری ہیں تو اُن میں سے بھی کسی کو اسی طرح جمع کیا اور بار بار سُنایا اور دَور کیا؟ ہرگز نہیں۔ جب نہیں کیا تو کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ صحیح امر یہی ہے کہ قرآن شریف ہی آپ لائے تھے اور اسی کے جمع کرنے کا آپ کو حکم تھا سو آپ نے کر دیا۔ اب احادیث میں سے وہ قابل عمل اور اعتقاد ہے۔ جس پر قرآن شریف کی مہر ہو کہ وہ اس کے خلاف نہیں۔

پھر اسی پر بس نہیں۔ قرآن شریف کہتا ہے کہ عیسٰیؑ مر گئے اور پھر دوبارہ قیامت تک وہ اس دنیا میں نہیں آئیں گے بلکہ آنے والا اُس کا مثیل اس کی خُو بُو لے کر آوے گا۔ جیسا کہ آیت قرآن شریف فلما توفیتنی[1] میں صاف بیان ہے۔

اعتراض توہین عیسٰیؑ کا جواب

پھر کہتے ہیں کہ سیدنا المسیح کی توہین کرتے ہیں۔ بھلا سوچو تو کہ ہم اگر اپنے پیغمبر سے اُن جھوٹے اعتراضات جو نافہمی اور کور چشمی سے کر کے مسیح کو آسمان پر زندہ بٹھا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کئے جاتے ہیں اُن کے دُور کرنے کے واسطے مسیح کی اصلی حقیقت کا اظہار نہ کریں تو کیا کریں؟ ہم اگر کہتے ہیں کہ وہ زندہ نہیں بلکہ مر گئے جیسے دوسرے انبیاء بھی مر گئے ہیں تو ان لوگوں کے نزدیک تو یہ بھی ایک قسم کی توہین ہوئی۔ ہم خدا تعالیٰ کے بلائے بولتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو فرشتے آسمان پر کہتے ہیں۔ افترار کرنا تو ہمیں آتا نہیں اور نہ ہی افترار خدا کو پیارا ہے۔ اب اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسرشان اور ہتک کی گئی۔ ضرور ہے کہ اس کا بدلہ لیا جاوے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نُور اور جلال کو دوبارہ از سرنو تازہ و شاداب کر کے دکھایا جاوے۔ اور یہ اس مسیح کے بُت کے ٹوٹنے اور اس کی موت کے ثابت ہونے میں ہے پس ہم خدا تعالیٰ کے منشاء اور ارادے کے مطابق کرتے ہیں۔ اب اُن کی لڑائی ہم سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہے۔

[1] المائدۃ : ۱۱۸

ان لوگوں نے تو حضرت مسیح کو خاصہ خدا بنایا ہوا ہے اور موحّد کہلاتے ہیں۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ وہ زندہ ہے قائم علی السماء ہے۔ خالق۔ رازق۔ غیب دان۔ محی۔ ممیت ہے۔ بھلا اب بتلاؤ کہ اگر یہ صفات خدا کی نہیں تو کس کی ہیں؟ بشریّت تو ان صفات کی حامل ہو سکتی نہیں۔ پھر خدائی میں فرق ہی کیا رہا؟ یہ تو عیسائیوں کو مدد دے رہے ہیں۔ پُورے نہیں نیم عیسائی تو ضرور ہیں۔ اگر ہم اُن کے عقائد ردّیہ کی تردید نہ کریں تو کیا کریں؟ پھر ہمیں ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ اسلام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے پاک نبی اور قرآن شریف خدا کا کلام برحق نہیں۔ حضرت مسیحؑ زندہ نہیں بلکہ مَر کر کشمیر سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہیں۔ یہی سچا عقیدہ ہے۔ ۲-۴-۱۹۰۳

مسئلہ طلاق و حلالہ

ایک صاحب نے سوال[1] کیا کہ جو لوگ ایک ہی دفعہ تین طلاق لکھ دیتے ہیں ان کی وہ طلاق جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں فرمایا کہ

قرآن شریف کے فرمودہ کی رُو سے تین طلاق دی گئی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے درمیان اتنا ہی وقفہ رکھا گیا جو قرآن شریف نے بتایا ہے تو ان تینوں کی عدت گذرنے کے بعد اس خاوند کا کوئی تعلق اس بیوی سے نہیں رہتا۔ ہاں اگر کوئی شخص اس عورت سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کرے اور پھر اتفاقاً وہ اس کو طلاق دیدے تو اس خاوند اول

---

[1] طلاق کا یہ مضمون الحکم نے ۲ر اپریل کی شام کی ڈائری میں لکھا ہے اور طلاق کا قریباً یہی مضمون البدر نے ۴ر اپریل کی صبح کی سیر میں بیان کیا ہے۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ مضمون دونو وقت بیان ہوا ہے اور یا الحکم اور البدر کے ڈائری نویس صاحبان میں سے کسی ایک کو ۲ر اپریل کی شام کی ڈائری کو ۴ر اپریل کی ڈائری میں یا ۴ر اپریل کی صبح کی ڈائری کو ۲ر اپریل کی شام کی ڈائری لکھنے میں سہو ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

کو جائز ہے کہ اس بیوی سے نکاح کرلے لیکن اگر دوسرا خاوند خاوند اوّل کی خاطر سے یا لحاظ سے اس بیوی کو طلاق دے کہ تا وہ پہلا خاوند اس سے نکاح کرلے تو یہ حلالہ ہوتا ہے اور یہ حرام ہے۔

لیکن اگر تین طلاق ایک ہی وقت میں دی گئی ہوں تو اس خاوند کو یہ فائدہ دیا گیا ہے کہ وہ عدت گذرنے کے بعد بھی اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ یہ طلاق ناجائز طلاق تھی۔ دراصل قرآن شریف میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ امر نہایت ہی ناگوار ہے کہ پُرانے تعلقات والے خاوند اور بیوی آپس کے تعلقات کو چھوڑ کر الگ الگ ہو جاویں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے طلاق کے واسطے بڑی بڑی شرائط لگائی ہیں وقفہ کے بعد تین طلاق کا دینا اور ان کا ایک ہی جگہ رہنا وغیرہ یہ امور سب اس واسطے ہیں کہ شاید کسی وقت اُن کے دلی رنج دُور ہو کر آپس میں صُلح ہو جاوے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کوئی قریبی رشتہ دار وغیرہ آپس میں لڑائی کرتے ہیں اور تازہ جوش کے وقت میں حکام کے پاس عرضی پرچے لے کر آتے ہیں تو آخر دانا حکام اس وقت ان کو کہدیتے ہیں کہ ایک ہفتہ کے بعد آنا۔ اصل غرض ان کی صرف یہی ہوتی ہے کہ یہ آپس میں صلح کرلیں گے اور ان کے جوش فرو ہوں گے تو پھر ان کی مخالفت باقی نہ رہے گی۔ اسیواسطے وہ اس وقت اُن کی وہ درخواست لینا مصلحت کے خلاف جانتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی مرد اور عورت کے الگ ہونے کے واسطے کافی موقعہ رکھ دیا ہے یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ طرفین کو اپنی بھلائی بُرائی کے سوچنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ[1] یعنی دو دفعہ کی طلاق ہونے کے بعد یا اُسے اچھی طرح سے رکھ لیا جاوے یا احسان سے جُدا کر دیا جاوے۔ اگر اتنے لمبے عرصہ میں بھی ان کی آپس میں صلح نہیں تو پھر ممکن نہیں کہ وہ اصلاح پذیر ہوں۔

---

[1] البقرۃ : ۲۳۰

وتر کیسے پڑھے جائیں

ایک صاحب نے سوال کیا کہ وتر کس طرح پڑھنے چاہئیں۔ اکیلا بھی جائز ہے

یا نہیں؟ فرمایا :-

اکیلا وتر تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ وتر تین ہیں۔ خواہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر تیسری رکعت پڑھ لو۔ خواہ تینوں ایک ہی سلام سے آخر میں التحیات بیٹھ کر پڑھ لو۔ ایک وتر تو ٹھیک نہیں۔

مخالفوں کو سلام کہنا

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور مخالفوں سے جو ہمیں اور حضور کو

گالی گلوچ نکالتے ہیں اور سخت سست کہتے ہیں السلام علیکم جائز ہے

یا نہیں۔ فرمایا :

مومن بڑا غیرت مند ہوتا ہے کیا غیرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ تو گالیاں دیں اور تم اُن سے السلام علیکم کرو؟ ہاں البتہ خرید و فروخت جائز ہے۔ اس میں حرج نہیں۔ کیونکہ قیمت دینی اور مال لینا کسی کا اس میں احسان نہیں۔

من کلّ حدب ینسلون کی تفسیر

ہمیں کئی بار اس آیت کی طرف توجہ ہوئی ہے اور اس میں سوچتے ہیں کہ من کل حدب ینسلون۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ساری سلطنتیں۔ ریاستیں اور حکومتیں ان سب کو اپنے زیر کرینگے اور کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہ ہوگی۔

الانبیاء: ۹۷

دوسرے معنے یہ ہیں کہ حدب کے معنے بلندی۔ نسل کے معنے ہیں دوڑنا۔ یعنی ہر بلندی پر سے دوڑ جاویں گے۔ کل عمومیت کے معنے رکھتا ہے یعنی ہر قسم کی بلندی کو کُود جاویں گے۔ بلندی پر چڑھنا قوت اور جرأت کو چاہتا ہے۔ نہایت بڑی بھاری اور آخری بلندی مذہب کی بلندی ہوتی ہے۔ ساری زنجیروں کو انسان توڑ سکتا ہے مگر رسم اور مذہب کی ایک ایسی زنجیر ہوتی ہے کہ اس کو کوئی ہمت والا ہی توڑ سکتا ہے۔

سو ہمیں اس ربط سے ایک یہ بھی بشارت معلوم ہوتی ہے کہ وہ آخرکار اس مذہب اور رسم کی بلندی کو اپنی آزادی اور جرأت سے پھلانگ جاویں گے اور آخرکار اسلام میں داخل ہوتے جاویں گے اور یہی ضال کے لفظ سے بھی ٹپکتا ہے۔ اور اس امر کی بنیادی اینٹ قیصر جرمن نے چند دن ہوئے۔ اپنا عقیدہ عیسویت کے متعلق ظاہر کر کے رکھ دی ہے۔

دجّال کے "کانا" ہونے سے مراد

یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ دجّال کانا ہوگا۔ ایک آنکھ بالکل نہ ہوگی اور دوسری میں گُل ہوگا۔ یہ ایک نہائت باریک استعارہ ہے یعنی اس کی ایک آنکھ (قرآن کی آنکھ) تو بالکل نہ ہوگی۔ اس طرف سے تو وہ بالکل اندھا اور کالمیت ہوگا۔ اور دوسری تورات والی سو وہ بھی کانی ہوگی اس میں بھی گُل ہوگا یعنی اس کی تعلیم پر بھی پُورے طور سے کاربند نہ ہوں گے۔

چنانچہ واقعہ نے کیسا صاف بتا دیا ہے کہ یہ اسی طرح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کیسی صاف طور سے پوری ہوئی ہے۔

عیسویت کے ابطال کے واسطے تو ایک دانا آدمی کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کے اس عقیدہ پر نظر کرے کہ خدا مر گیا ہے۔ بھلا کوئی سوچے کہ خدا بھی مرا کرتا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ خدا کی رُوح نہیں۔ بلکہ جسم مرا تھا تو اُن کا کفّارہ باطل ہو جاتا ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

مسئلہ طلاق

ایک شخص کے سوال پر فرمایا کہ

طلاق ایک وقت میں کامل نہیں ہو سکتی۔ طلاق میں تین طہر ہونے ضروری ہیں۔ فقہاء نے ایک ہی مرتبہ تین طلاق دے دینی جائز رکھی ہے مگر ساتھ ہی اس میں یہ رعایت بھی ہے کہ عدت کے بعد اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو وہ عورت اسی خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور دوسرے شخص سے بھی کر سکتی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے جب تین طلاق دے دی جاویں تو پہلا خاوند اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ کسی اور کے نکاح میں آوے اور پھر وہ دوسرا خاوند بلا عمد اسے طلاق دے دے۔ اگر وہ عمداً اسی لئے طلاق دے گا کہ اپنے پہلے خاوند سے وہ پھر نکاح کر لیوے تو یہ حرام ہوگا کیونکہ اسی کا نام حلالہ ہے جو کہ حرام ہے۔ فقہاء نے جو ایک دم کی تین طلاقوں کو جائز رکھا ہے اور پھر عدت کے گذرنے کے بعد اسی خاوند سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اول اُسے شرعی طریق سے طلاق نہیں دی۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو طلاق بہت ناگوار ہے کیونکہ اس سے میاں بیوی دونو کی خانہ بربادی ہو جاتی ہے اس واسطے تین طلاق اور تین طہر کی مدت مقرر کی ہے کہ اس عرصہ میں دونو اپنا نیک و بد سمجھ کر اگر صلح چاہیں تو کر لیں۔

غیر مکذب کا جنازہ

فرمایا:۔

اگر متوفیٰ بالجہر مکفّر اور مکذّب نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں کیونکہ علام الغیوب خدا کی پاک ذات ہے۔

فرمایا۔ جو لوگ ہمارے مکفّر ہیں اور ہم کو صریحاً گالیاں دیتے ہیں۔ اُن سے السلام علیکم مت لو اور نہ اُن سے مِل کر کھانا کھاؤ۔ ہاں خرید و فروخت جائز ہے۔ اس میں کسی کا احسان نہیں۔

جو شخص ظاہر کرتا ہے کہ میں نہ اُدھر کا ہوں اور نہ ادھر کا ہوں اصل میں وہ بھی ہمارا مکذّب ہے اور جو ہمارا مصدّق نہیں اور کہتا ہے کہ میں ان کو اچھا جانتا ہوں وہ بھی مخالف ہے ایسے لوگ اصل میں منافق طبع ہوتے ہیں۔ اُن کا یہ اصول ہوتا ہے کہ

با مسلماں اللہ اللہ با ہندو رام رام

ان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں ہوتا۔ بظاہر کہتے ہیں کہ ہم کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتے مگر یاد رکھو کہ جو شخص ایک طرف کا ہوگا اس سے کسی نہ کسی کا دل ضرور دُکھے گا۔

مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[1]

فرمایا کہ

میں نے اس آیت پر بڑی غور کی ہے۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ ہر ایک بلندی سے دوڑیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ہر ایک سلطنت پر غالب آجاویں گے۔ دوم یہ کہ بلندی کی طرف انسان قوت اور جرأت کے بغیر دوڑ اور چڑھ نہیں سکتا۔ اور مذہب پر غالب آجانا بھی ایک بلندی ہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر وہ زمانہ بھی آوے گا کہ مذہب کے اوپر سے بھی گذر جاویں گے یعنی اپنے اس تثلیثی مذہب سے

[1] الانبیاء : ۹۷

بھی عبور کر جاویں گے اور اس کو پاؤں کے نیچے مَسل دیویں گے اور اسی سے ہمیں اُن کے اسلام میں داخل ہو جانے کی بُو آتی ہے۔ پہلی بات تو پوری ہو چکی ہے۔ اب انشاء اللہ دوسری بات پوری ہو گی۔ اور یہ باتیں خدا تعالےٰ کے ارادہ کے ساتھ ہوا کرتی ہیں جب خدا تعالےٰ کی مشیت ہو تو ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور دلوں کو حسب استعداد صاف کرتے ہیں۔ تب یہ کام ہوا کرتے ہیں

اخلاقِ نبوی

فرمایا:۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا نمونہ ایک صوفی لکھتا ہے کہ آپ کے پاس ایک نصرانی ملاقات کو آیا۔ آپ نے اس کو اپنا مہمان کیا۔ رات کو کھانا اور بستر دیا مگر وہ کمبخت بہت کھا گیا۔ رات کو بدہضمی ہوئی تو لحاف میں اس کا دست نکل گیا۔ اس لئے شرمندہ ہو کر صبح کو چوری چوری چل دیا۔ جب وہ دُور نکل گیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مہمان چلا گیا ہے۔ بستر دیکھا تو پاخانہ سے بھرا ہوا۔ آپ نے اُسے اپنے ہاتھ سے دھونا شروع کیا۔ صحابہؓ نے ہر چند اصرار کیا کہ ہم دھوئیں مگر آپ نے فرمایا کہ وہ میرا مہمان تھا۔ مجھے دھونے دو۔ ادھر راستے میں نصرانی کو یاد آیا کہ وہ اپنے سونے کی صلیب بستر پر بھُول آیا ہے۔ اُسے لینے کے واسطے وہ واپس آیا۔ دیکھا تو آپ وہی نجاست بھرا لحاف اپنے ہاتھ سے دھو رہے ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھ کر صلیبی ایمان پر اس نے لعنت کی اور مسلمان ہو گیا۔

مجلس قبل از عشاء

ایک عرب صاحب ملک مصر سے تشریف لائے ہوئے تھے اور قرآن شریف خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ حضرت اقدس نے ان کا قرآن شریف سُنکر

اُن کے لب و لہجہ کو بہت پسند کیا اور قرآن شریف کی عظمت کے خیال سے ان کی تکریم کی۔[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۵ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۵ اپریل ۱۹۰۳ء

ان مختلف امراض اور عوارض کے ذکر پر جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ چند ایک بیماریاں ہی انسان کو لاحق کر دیتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے امراض ہیں جن میں وہ مبتلا ہوتا ہے۔ اس قدر کثرت میں خدا تعالیٰ کی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے تاکہ ہر طرف سے انسان اپنے آپ کو عوارض اور امراض میں گھرا ہوا پا کر اللہ تعالیٰ سے ترساں اور لرزاں رہے اور اسے اپنی بے ثباتی کا ہر دم یقین رہے اور مغرور نہ ہو اور غافل ہو کر موت کو نہ بھول جاوے اور خدا سے بے پروانہ ہو جاوے۔

مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست

بعض مخالفین کے طاعون سے ہلاک ہونے کی خبر آئی۔ اس پر فرمایا کہ

دشمن کی موت سے خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ ہر ایک شخص کا خدا تعالیٰ سے الگ الگ حساب ہے۔ سو ہر ایک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور جانچ پڑتال کرنی چاہیئے۔ دوسروں کی موت تمہارے واسطے عبرت اور ٹھوکر سے بچنے کا باعث

---

[1] الحکم میں "دربارِ شام" کے زیرِ عنوان مندرجہ ذیل ڈائری درج ہے:-

"طاعون کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ ایک عرب صاحب نو وارد تھے۔ انہوں نے قرآن شریف سُنایا اس کی لذت اور رقت کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ دنیا میں ہزاروں لذتیں ہیں مگر رقت جیسی کوئی بھی لذت نہیں۔ یہی ہے جس سے نماز اور عبادت کا مزا آتا ہے اور پھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

ہونی چاہیئے نہ یہ کہ تم ہنسی ٹھٹھے میں بسر کرکے اور بھی خدا تعالیٰ سے غافل ہوجاؤ۔ میں نے ایک جگہ تورات میں دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ اس میں فرماتا ہے کہ ایک وقت ہوتا ہے کہ جب میں ایک قوم کو اپنی قوم بنانی چاہتا ہوں تو اسکے دشمنوں کو ہلاک کرکے اُسے خوش کرتا ہوں۔ مگر اُسی قوم کی بے اعتنائیوں سے ایک وقت پھر ایسا آجاتا ہے کہ اس کو تباہ کرکے اس کے دشمنوں کو خوش کرتا ہوں۔

اعمال کی دو قسمیں

فرمایا:۔

اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کی نظر میں نیک اور نمازی وغیرہ ہوتے ہیں مگر ان کا اندر بدبوؤں اور گناہوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے وہ عند اللہ تقویٰ پر قدم مارنے والے ہوتے ہیں۔ مگر ان دونو میں سے کامیاب ہونے والے وہی ہوتے ہیں جو عند اللہ متقی اور خدا کی نظر میں نیک ہوتے ہیں اور ان پر خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے صرف لاف زنی کام نہیں آسکتی۔

اس وقت دو قوموں کا آپس میں مقابلہ ہے۔ ایک تو ہمارے مخالف ہیں۔ اور دوسری ہماری جماعت۔ اب خدا تعالیٰ دونو کے دلوں کو دیکھتا اور ان کے اعمال سے آگاہ ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ہماری جماعت اس کی نگاہ میں کیسی ہے اور دشمن کیسے؟ اور وہ ان سے کہاں تک ناراض ہے۔ پس ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنا حساب خود ٹھیک کر لے۔ چاہیئے کہ دوسروں کا ذکر کرتے وقت تقویٰ سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ اپنے اعمال کا خیال ہو کہ کہاں تک ہم خدا تعالےٰ کے منشاء کو پورا کرنے والے ہیں یا صرف لافیں ہی لافیں ہیں۔ ابھی طاعون موقوف نہیں ہوگئی۔ خدا جانے کب تک اس کا دَورہ

ہے اور اس نے کیا کچھ دکھانا ہے۔ سات سال سے تو ہم برابر دیکھتے ہیں کہ یوماً فیوماً بڑھتی ہی جاتی ہے اور پیچھے قدم نہیں ہٹاتی۔ ہر سال پہلے کی نسبت سُنا جاتا ہے۔ کہ ترقی پر ہے۔

زمانہ ایسا آیا ہوا ہے کہ لوگ اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ ہزارہا انعامات اور خدا تعالےٰ کے فضل کے نشانات ہیں اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے سے تو نفس کو شرم نہ آئی کہ خدا تعالےٰ کا حق بھی ادا کرے۔ مگر شائد اس قہری نشان کو دیکھ کر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ افسوس لوگ انعامات اور احسانات الٰہیہ سے تو شرمندہ نہ ہوئے اب اس عذاب ہی سے ڈر کر سنور جاویں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں کہ مسلمان کہلا کر، مسلمانوں کی اولاد ہو کر اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح گالیاں دیتے ہیں جیسے چوڑھے چمار کسی کو نکالا کرتے ہیں۔ اللہ اور رسُول سے اُن کو بجُز گالیوں کے اور کوئی تعلق ہی نہیں۔ بڑے گندہ دہن اور پرلے درجہ کے عیاش۔ بدمعاش۔ بھنگی۔ چرسی قمار باز وغیرہ بن گئے ہیں۔

اب ایسے لوگوں کی زجر اور توبیخ کے واسطے خدا تعالیٰ جوش میں نہ آوے تو کیا کرے؟ خدا غیور بھی ہے وہ شدید العقاب بھی ہے۔ ایسے لوگوں کی اصلاح بھلا بجُز عذاب اور قہر الٰہی کے نازل ہونے کے ممکن ہے؟ ہر گز نہیں۔ چونکہ بعض طبائع عذاب ہی سے اصلاح پذیر ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اذا جآء اجلھم لا یستاخرون ساعۃً ولا یستقدمون[1]۔ جب عذاب الٰہی نازل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنا کام کر کے ہی جاتا ہے اور اس آیت سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ قبل از نزول عذاب توبہ و استغفار سے وہ عذاب ٹل بھی جایا کرتا ہے۔

[1] الاعراف: ۳۵

استغفار کی حقیقت

گناہ ایک ایسا کیڑا ہے جو انسان کے خون میں ملا ہوا ہے مگر اس کا علاج استغفار سے ہی ہو سکتا ہے۔ استغفار کیا ہے؟ یہی کہ جو گناہ صادر ہو چکے ہیں ان کے بد ثمرات سے خدا تعالیٰ محفوظ رکھے اور جو ابھی صادر نہیں ہوئے اور جو بالقوۃ انسان میں موجود ہیں ان کے صدور کا وقت ہی نہ آوے اور اندر ہی اندر وہ جل بھن کر راکھ ہو جاویں۔

یہ وقت بڑے خوف کا ہے۔ اس لئے توبہ و استغفار میں مصروف رہو اور اپنے نفس کا مطالعہ کرتے رہو۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اور اہل کتاب مانتے ہیں کہ صدقات و خیرات سے عذاب ٹل جاتا ہے مگر قبل از نزول عذاب۔ مگر جب نازل ہو جاتا ہے تو ہرگز نہیں ٹلتا۔ پس تم ابھی سے استغفار کرو اور توبہ میں لگ جاؤ تا تمہاری باری ہی نہ آوے اور اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۹ مورخہ ۲۴ را پریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۶ را پریل ۱۹۰۳ء

(مجلس قبل از عشاء)

حقیقت دُعا

فرمایا کہ

ہمارے دوستوں کو بعض وقت دُعا کے متعلق ابتلا پیش آجاتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اُن کو دعا کی حقیقت سے اطلاع دی جاوے اور اسی لئے میں نے حقیقت الدعا کے نام سے ایک رسالہ لکھنا شروع کیا ہے مگر چونکہ طبیعت علیل رہی ہے اس لئے ختم نہیں کر سکا۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تمام مدار دُعا پر ہی تھا اور ہر ایک مشکل میں آپ دُعا ہی

کرتے تھے۔ ایک روائت سے ثابت ہے کہ آپ کے گیارہ لڑکے فوت ہوگئے ہیں تو کیا آپ نے اُن کے حق میں دعا نہ کی ہوگی ؟ آج کل ایک غلط فہمی لوگوں کے دلوں میں پڑ گئی ہے اور یہ اس جہالت کے زمانہ کی نشانی ہے کہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ فلاں ولی کی ایک پھونک مارنے سے صاحب کمال ہوگیا اور فلاں کے ہاتھ سے مُردے زندہ ہوئے۔

بیعت اور توبہ

چند احباب نے بیعت کی۔ ان کو حضرت اقدس نے نصیحت فرمائی۔

بیعت میں انسان زبان کے ساتھ گناہ سے توبہ کا اقرار کرتا ہے مگر اس طرح سے اس کا اقرار جائز نہیں ہوتا جب تک دل سے وہ اقرار نہ کرے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ جب سچے دل سے توبہ کی جاتی ہے تو وہ اُسے قبول کر لیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان[1] یعنی میں توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ اس اقرار کو جائز قرار دیتا ہے۔ جو کہ سچے دل سے توبہ کرنے والا کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کا اقرار نہ ہوتا تو پھر توبہ کا منظور ہونا ایک مشکل امر تھا۔ سچے دل سے جو اقرار کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر خدا تعالیٰ بھی اپنے تمام وعدے پُورے کرتا ہے جو اُس نے توبہ کرنے والوں کے ساتھ کئے ہیں۔ اور اسی وقت سے ایک نور کی تجلی اس کے دل میں شروع ہوجاتی ہے جب انسان یہ اقرار کرتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے بچوں گا اور دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ اگرچہ مجھے اپنے بھائیوں، قریبی رشتہ داروں اور سب دوستوں سے قطع تعلق ہی کرنا پڑے مگر میں خدا تعالیٰ کو سب سے مقدم رکھوں گا اور اسی کے لئے اپنے تعلقات چھوڑتا ہوں۔ ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کیونکہ انہیں کی توبہ دلی توبہ ہوتی ہے۔

پھر جو لوگ دل سے دعا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن پر رحم کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ آسمان زمین اور سب اشیاء کا خالق ہے ویسے ہی وہ توبہ کا بھی خالق ہے اور اگر اس نے توبہ کو قبول کرنا

[1] البقرۃ : ۱۸۷

نہ ہوتا تو وہ اُسے پیدا ہی نہ کرتا۔ گناہ سے توبہ کرنا کوئی چھوٹی بات نہیں۔ سچی توبہ کرنے والا خدا تعالےٰ سے بڑے بڑے انعامات پاتا ہے۔ یہ اولیاء، قطب، غوث کے مراتب اسی واسطے لوگوں کو ملے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے تھے۔ اور خدا تعالیٰ سے ان کا پاک تعلق تھا۔ اس واسطے ہرگز نہیں ہے کہ وہ منطق، فلسفہ اور دیگر علوم طبعیہ وغیرہ میں ماہر تھے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ ان بندوں میں داخل ہو جاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے۔

اس شرط سے دین کو کبھی قبول نہ کرنا چاہیئے کہ میں مالدار ہو جاؤں گا۔ مجھے فلاں عہدہ مل جاوے گا۔ یاد رکھو کہ شرطی ایمان لانے والے سے خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ بعض وقت مصلحت الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات۔ بلائیں بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں مگر اُن سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ موت ہر ایک کے واسطے کھڑی ہے اگر بادشاہ ہو جاوے گا تو کیا موت سے بچ جاوے گا؟ غریبی میں بھی مرنا ہے۔ بادشاہی میں بھی مرنا ہے اس لئے سچی توبہ کرنے والے کو اپنے ارادوں میں دنیا کی خواہش نہ ملانی چاہیئے۔

خدا تعالےٰ کی یہ عادت ہرگز نہیں ہے کہ جو اس کے حضور عاجزی سے گر پڑے۔ وہ اُسے خائب و خاسر کرے اور ذلّت کی موت دیوے۔ جو اس کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ ایسی نظیر ایک بھی نہ ملیگی کہ فلاں شخص کا خدا تعالےٰ سے سچا تعلق تھا اور پھر وہ نامراد رہا۔ خدا تعالیٰ بندے سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہش اس کے حضور پیش نہ کرے اور خالص ہو کر اس کی طرف جُھک جاوے جو اس طرح جُھکتا ہے اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ہر ایک مشکل سے خود بخود اس کے واسطے راہ نکل آتی ہے۔ جیسے کہ وہ خود وعدہ فرماتا ہے من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب[1]۔ اس جگہ رزق سے مُراد روٹی وغیرہ نہیں بلکہ عزت۔ علم وغیرہ سب باتیں جن کی انسان کو ضرورت ہے اس میں داخل ہیں۔ خدا تعالیٰ سے جو ذرہ بھر بھی تعلق

[1] الطلاق : ۳، ۴

رکھتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہٗ[1] ہمارے ملک ہندوستان میں نظام الدین صاحب اور قطب الدین صاحب اولیاء اللہ کی جو عزت کی جاتی ہے۔ وہ اسی لئے ہے کہ خدا تعالیٰ سے اُن کا سچا تعلق تھا اور اگر یہ نہ ہوتا تو تمام انسانوں کی طرح وہ بھی زمینوں میں ہل چلاتے معمولی کام کرتے۔ مگر خدا تعالیٰ کے سچے تعلق کی وجہ سے لوگ اُن کی مٹی کی بھی عزت کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کا حامی ہو جاتا ہے۔ دشمن چاہتے ہیں کہ ان کو نیست و نابود کریں مگر وہ روز بروز ترقی پاتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر غالب آتے جاتے ہیں جیسا کہ اس کا وعدہ ہے کتب اللہ لاغلبنّ انا و رسلی[2]۔ یعنی خدا تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ اول اول جب انسان خدا تعالیٰ سے تعلق شروع کرتا ہے تو وہ سب کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہوتا ہے۔ مگر جوں جوں وہ تعلقات الٰہی میں ترقی کرتا ہے توں توں اس کی شہرت زیادہ ہوتی ہے حتّٰی کہ وہ ایک بڑا بزرگ بن جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ بڑا ہے اسی طرح جو کوئی اس کی طرف زیادہ قدم بڑھاتا ہے وہ بھی بڑا ہو جاتا ہے حتّٰی کہ آخرکار خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہو جاتا ہے۔

اس توبہ کو کھیل نہ خیال کرو اور یہ نہ کرو کہ اُسے یہیں چھوڑ جاؤ بلکہ اُسے ایک امانت اللہ تعالیٰ کی خیال کرو۔ توبہ کرنے والا خدا تعالیٰ کی اس کشتی میں سوار ہوتا ہے جو کہ اس طوفان کے وقت اس کے حکم سے بنائی گئی ہے۔ اُس نے مجھے فرمایا ہے واصنع الفلك[3] اور پھر یہ بھی فرمایا ہے انّ الذین یبایعونك انّما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم[4]۔ جس طرح بادشاہ اپنی رعایا میں اپنے نائب کو بھیجتا ہے اور پھر جو اس کا مطیع ہوتا ہے اُسے بادشاہ کا مطیع سمجھا جاتا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ بھی اپنے نائب دنیا میں بھیجتا ہے۔ آج کل تو یہ ایک بیج ہے جس کے ثمرات تمہارے تک ہی نہ ٹھہریں گے بلکہ اولاد تک بھی پہنچیں گے۔ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کے گھر رحمت سے بھر جاتے ہیں۔

[1] الزلزال: ۸ [2] المجادلہ: ۲۲ [3] ھود: ۳۸ [4] الفتح: ۱۱

دنیوی لوگ اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس بات کے لئے مجبور نہیں ہے کہ اسباب کا محتاج ہو۔ کبھی چاہتا ہے تو اپنے پیاروں کے لئے بلا اسباب بھی کام کر دیتا ہے۔ اور کبھی اسباب پیدا کر کے کرتا ہے اور کسی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ بنے بنائے اسباب کو بگاڑ دیتا ہے۔

غرض اپنے اعمال کو صاف کرو اور خدا تعالےٰ کا ہمیشہ ذکر کرو اور غفلت نہ کرو جس طرح بھاگنے والا شکار جب ذرا سُست ہو جاوے تو شکاری کے قابو میں آجاتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مُردہ نہ ہونے دو۔ کیونکہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے وہی کام دے سکتا ہے اور جس کو بیکار چھوڑ دیا جاوے پھر وہ ہمیشہ کے واسطے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ کو بھی متحرک رکھو تاکہ وہ بیکار نہ ہو جاوے۔ اگر تم نے سچی توبہ نہیں کی تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جاتا ہے اور اگر وہ سچی توبہ ہے تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو عمدہ زمین میں بویا گیا ہے اور اپنے وقت پر پھل لاتا ہے۔ آج کل اس توبہ میں بڑی بڑی مشکلات ہیں۔ اب یہاں سے جا کر تم کو بہت کچھ سُننا پڑے گا اور لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے۔ کہ تم نے ایک مجذوم۔ کافر۔ دجّال وغیرہ کی بیعت کی۔ ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ھرگز مت دکھانا۔ ہم تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ تم ان کے لئے دعا کرو کہ خدا تعالےٰ ان کو بھی ہدایت دے اور جیسے کہ تم کو امید ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ تم بھی اُن سے مُنہ پھیر لو۔

ہمارے غالب آنے کے ہتھیار استغفار۔ توبہ۔ دینی علوم کی واقفیت۔ خدا تعالےٰ کی عظمت کو مدّنظر رکھنا اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہیں۔ نماز دعا کی قبولیت کی کُنجی ہے۔ جب نماز پڑھو تو اس میں دعا کرو اور غفلت نہ کرو۔ اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوق الہٰی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو۔ بچو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۶-۱۰۷ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

۷ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

صحابہؓ کی فضیلت

فرمایا :-

لاتلھیھم تجارۃٌ و لابیعٌ عن ذکر اللہ۔[1] یہ ایک ہی آیت صحابہؓ کے حق میں کافی ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی تبدیلیاں کی تھیں اور انگریز بھی اس کے معترف ہیں کہ اُن کی کہیں نظیر ملنا مشکل ہے۔ بادیہ نشیں لوگ اور اتنی بہادری اور جرأت۔ تعجب آتا ہے۔

علاج طاعون

طاعون کے علاج کے متعلق ذکر آنے پر فرمایا :-

مجھے سمجھ نہیں آتا کہ طاعون کا کوئی قطعی علاج ہو۔ اس کے زور کے وقت اور اِس بیماری میں مبتلا شدید کو اگر کوئی دوائی فائدہ کرے۔ تب تو مان لیں۔ جب زہریلے مواد نہایت تیزی سے پیدا ہو رہے ہوں۔ اس وقت کسی دوائی کا عمل دکھلاؤ تو سہی۔ اس کا نسخہ تو محض اللہ تعالےٰ ہی ہے۔

نسیم توحید

اب خدا تعالےٰ کی طرف سے امید ہے کہ وہ دن قریب ہیں کہ ہمارا غلبہ ہو جاوے کیونکہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ لوگ توحید کی طرف رجوع کرتے جاتے ھیں۔ عیسائیوں نے مسیح کی خدائی پر اب اتنا زور دینا چھوڑ دیا ہے۔ ہنود میں آریہ توحید کی

[1] النور : ۳۸

طرف مائل ہو رہے ہیں۔ پس یہ ایک ہوا چل پڑی ہے۔ جب ان سب لوگوں نے اپنا اصول چھوڑ دیئے ہیں تو اُن کی تو خودکشی ہو رہی ہے۔

جیسے چھ مہینے کے بعد کھیتی کی حالت کچھ اور ہی ہو جاتی ہے اسی طرح ان لوگوں کے عقائد میں بیّن فرق نظر آتا جاتا ہے۔

ایک اکیلے آدمی کا کام ہرگز نہیں کہ کسرِ صلیب کر سکے مگر ہاں جب خدا تعالیٰ کا ارادہ ساتھ ہو تو پھر ملائک اس کی امداد میں کام کرتے ہیں۔

نزولِ مامور

جب مامور مامور ہو کر آتا ہے تو بے شمار فرشتے اس کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔ اور دلوں میں اسی طرح نیک اور پاک خیالات کو پیدا کرتے ہیں جیسے اس سے پہلے شیاطین بُرے خیالات پیدا کیا کرتے ہیں اور یہ سب مامور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ اسی کے آنے سے یہ تحریکیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح فرمایا۔ اِنَّا اَنزَلْنٰہُ فِی لَیلَةِ القَدرِ۔ وما ادرٰیكَ ما لیلةُ القدرِ[1] الآیہ۔ خدا تعالیٰ نے مقدر کیا ہوا ہوتا ہے کہ مامور کے زمانہ میں ملائک نازل ہوں۔ کیا یہ کام بغیر امداد الٰہی کہیں ہو سکتا ہے؟ کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ایک شخص خود بخود اُٹھے اور کسرِ صلیب کر ڈالے۔ نہیں۔ ہاں اگر خدا اُسے اٹھاوے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

یہ کسرِ صلیب اعزازاً اور اکراماً مسیح موعود کی طرف منسوب کی جاتی ہے ورنہ کرتا تو سب کچھ خدا ہے۔ یہ باتیں عین وقت پر واقع ہوئی ہیں۔ قرآن سے بہ تصریح معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ یہی ہے جس کا نام خدا تعالیٰ نے رکھا ہے ستة ایام۔ چھٹے دن کے آخری حصہ میں آدم کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ براہین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اردتُ ان استخلف فخلقتُ آدم۔ پھر فرمایا اِنَّ یوماً عند ربّك كالفِ سنة ممّا تعدّون[2]۔ آج سے پہلے جو ہزار برس گذرا ہے وہ باعتبار بداخلاقیوں اور بداعمالیوں

[1] القدر: ۲، ۳
[2] الحج: ۴۸

کے تاریکی کا زمانہ تھا کیونکہ وہ فسق و فجور کا زمانہ تھا۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون قرنی کہہ کر تین سو برس کو مستثنٰی کر دیا ہے۔ باقی ایک ہزار ہی رہ جاتا ہے ورنہ اس کے بغیر احادیث کی مطابقت ہو ہی نہیں سکتی اور اس طرح پر پہلی کتابوں سے بھی مطابقت ہو جاتی ہے اور وہ بات بھی پوری ہوتی ہے کہ ہزار سال تک شیطان کھلا رہے گا۔ یہ بات بھی کیسی پوری ہوتی ہے اور انگریز بھی اسی واسطے شور مچاتے ہیں کہ یہی زمانہ ہے جس میں ہمارے مسیح کو دوبارہ آنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ ایسا مطابق آیا ہے کہ کوئی مذہب اس سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک علمی نشان ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا

ایک خواب کا ذکر

ایک بھائی کے خواب بیان کرنے پر فرمایا کہ

یہ خواب ایک عجیب بات پر ختم ہوا ہے۔ شیطان انسان کو طرح طرح کے تمثلات سے دھوکہ دینا چاہتا ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ تمہارا نتیجہ بہت اچھا ہے کیونکہ اس رؤیا کا اختتام اچھی جگہ پر واقع ہوا ہے۔ ایسا اکثر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک ولی اللہ کا تذکرہ لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو اُن کا آخری کلمہ یہ تھا کہ ابھی نہیں ابھی نہیں۔ ایک اُن کا مرید یہ کلمہ سُنکر سخت متعجب ہوا۔ اور رات دن رو رو کر دعائیں مانگنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ایک دن خواب میں اُن سے ملاقات ہو گئی۔ دریافت کیا کہ یہ آخری لفظ کیا تھا اور آپ نے کیوں کہا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ شیطان چونکہ موت کے وقت ہر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے کہ اُس کا نُور ایمان اخیر وقت پر چھین لے۔ اس لئے وہ حسب معمول وہ میرے پاس بھی آیا اور مجھے مرتد کرنا چاہا اور میں نے جب اس کا کوئی وار چلنے نہیں دیا تو مجھے کہنے لگا کہ تو میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔ اس لئے میں نے کہا کہ ابھی نہیں ابھی نہیں۔ یعنی جب تک میں مَر نہ جاؤں مجھے تجھ سے اطمینان حاصل نہیں۔

پھر فرمایا۔

آج رات مجھے بھی خواب آیا ہے نہ معلوم اس کا اصل مفہوم کیا ہے۔ میں نے اس کے لفظوں سے اجتہادی معنے نکالے ہیں۔ جیسا کہ میں کسی راستہ پر چلا جاتا ہوں۔ گھر کے لوگ بھی ساتھ ہیں اور مبارک احمد کو میں نے گود میں لیا ہوا ہے۔ بعض جگہ نشیب و فراز بھی آجاتا ہے جیسے کہ دیوار کے برابر چڑھنا پڑتا ہے مگر آسانی سے اُتر چڑھ جاتا ہوں اور مبارک اسی طرح میری گود میں ہے۔ ارادہ ہے کہ ایک مسجد میں جانا ہے۔ جاتے جاتے ایک گھر میں جا داخل ہوئے ہیں۔ گویا وہ گھر ہی مسجد موعود ہے جس کی طرف ہم جا رہے ہیں۔ اندر جا کر دیکھا ہے کہ ایک عورت بعمر ۱۸ سال سفید رنگ وہاں بیٹھی ہے۔ اس کے کپڑے بھگوے رنگ کے ہیں مگر بہت صاف ہیں۔ جب اندر گئے ہیں تو گھر والوں نے کہا ہے کہ یہ احسن کی ہمشیرہ ہے۔ اور یہیں خواب ختم ہو گئی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

استفسار اور اُن کے جواب ※

اہل بیت سے مُراد

سوال - انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا[1] کس کی شان میں ہے؟

جواب۔ اگر قرآن شریف کو دیکھا جاوے تو جہاں یہ آیت ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

※ - اس عنوان سے الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۹ پر بعض سوال اور ان کے جوابات ایسے ہیں جو ۳ر اپریل ۱۹۰۳ء کی ڈائری میں الحکم میں اور ۱۴ر اپریل ۱۹۰۳ء کی ڈائری میں البدر میں چھپ چکے ہیں۔ لہٰذا اُن کو چھوڑ کر باقی استفسار اور اُن کے جواب یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ (مرتب)

[1] الاحزاب: ۳۴

کی بیویوں ہی کا ذکر ہے۔ سارے مفسر اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالےٰ امہات المومنین کی صفت اس جگہ بیان فرماتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ الطیبات للطیبین[1] یہ آیت چاہتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر والے طیبات ہوں۔ ہاں اس میں صرف بیبیاں ہی شامل نہیں بلکہ آپ کے گھر کی رہنے والی ساری عورتیں شامل ہیں اور اس لئے اس میں بنت بھی داخل ہوسکتی ہے بلکہ ہے اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں تو حسنینؓ بھی داخل ہوئے۔ پس اس سے زیادہ یہ آیت وسیع نہیں ہوسکتی جتنی وسیع ہوسکتی تھی۔ ہم نے کر دی۔ کیونکہ قرآن شریف ازواج کو مخاطب کرتا ہے اور بعض احادیث نے حضرت فاطمہ اور حسنین کو مطہرین میں داخل کیا ہے۔ پس ہم نے دونو کو یک جا جمع کرلیا۔

شیعہ نے ازواج مطہرات کو سب وشتم سے یاد کیا ہے اور چونکہ خدا تعالےٰ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ایسا کریں گے اس لئے قبل از وقت اُن کی براُت کر دی۔

مخالف اور طاعون

سوال ہوا کہ بعض مخالف کہتے ہیں کہ ہم پر کیوں طاعون نہیں آتی ؟

جواب میں فرمایا کہ

ایک تنگ دروازہ سے جب لاکھ آدمی گذرنے والا ہے تو کیا وہ سب کے سب ایک ہی دفعہ گذر جائیں گے ؟ یا کسی آدمی نے لاکھ آدمی کی دعوت کی ہے تو کیا سب کو ایک دم کھانا کھلا دے گا ؟ نہیں بلکہ نوبت بہ نوبت۔

طاعون کا دورہ بہت لمبا ہے۔ ابھی سے کیوں گھبراتے ہیں۔ دو چار موٹے موٹے مخالف اگر جلدی مر جاویں تو پھر خاتمہ ہی ہو جاوے۔ ان مخالفوں کی ہی وجہ سے **توالی وبرکات** اور خوارق کا نزول ہوتا ہے اور ہوگا۔ ابھی بعض کو ہدایت کو بھی ہوگی اور خدا تعالےٰ کا قانون اسی طرح پر چلا آتا ہے۔

[1] النور: ۲۷

کیف تحی الموتیٰ کی تفسیر

سوال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو پوچھا رب ارنی کیف تحی الموتیٰ[1]۔ اس سے کیا غرض ہے؟

جواب اس میں اللہ تعالےٰ کا مطلب جس کو سرّ الٰہی سمجھنا چاہیئے یہ ہے کہ ہر ایک چیز میری آواز سنتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مُردوں کے زندہ ہونے پر کوئی شک پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ ہم تو ہر روز دیکھتے ہیں کہ متعفن پانی اور اغذیہ میں سے جانور پیدا ہو جاتے ہیں۔ پیٹ میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے کیا وہ پہلے مُردہ نہیں ہوتا؟ پس واقعات سے انکار کرنے والا تو بڑا احمق ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اصل سرّ سے واقف ہونا چاہتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر ایک چیز میری آواز سنتی ہے جیسے پرندے تمہاری آواز سُنکر دوڑے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک چیز میری آواز سنتی اور میرے پاس دوڑی چلی آتی ہے۔ یہانتک کہ ادویہ اور اغذیہ جو انسان کے پیٹ میں جاتی ہیں اور ہر ذرہ ذرہ میری آواز سنتا ہے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ ایمان اور معرفت کا یقین دلانا چاہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق سے ایک باریک کشش ہوتی ہے۔ جیسے کسی کا شعر ہے۔ ؎

ہمہ را روئے در خدا دیدم
و آں خدا بر ہمہ ترا دیدم

خدا تعالیٰ نے جو ملائک کی تعریف کی ہے وہ ہر ایک ذرہ ذرہ پر صادق آسکتی ہے جیسے فرمایا ان من شیئٍ الّا یسبح بحمدہٖ[2] ویسے ملائکہ کی نسبت فرمایا یفعلون ما یؤمرون[3]۔ اس کی تشریح نسیم دعوت میں خوب کر دی ہے۔ ہر ایک ذرہ ملائکہ میں داخل ہے۔ اگر ان اعلیٰ کی سمجھ نہیں آتی تو پہلے ان چھوٹے چھوٹے ملائک پر نظر ڈال کر دیکھو۔ ملائکہ کا انکار

[1] البقرۃ: ۲۶۱ [2] بنی اسرائیل: ۴۵ [3] النحل: ۵۱

انسان کو دہریہ بنا دیتا ہے۔

غرض اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی تابع ہے۔ اگر اس سے انکار کیا جاوے تو پھر تو خدا تعالیٰ کا وجود بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز اور حکیم بیان کی ہے یعنی اس کا غلبہ قہری ایسا ہے کہ ہر ایک چیز اس کی طرف رجوع کر رہی ہے بلکہ جب خدا تعالیٰ کا قرب انسان حاصل کرتا ہے تو اس انسان کی طرف بھی ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے جس کا ثبوت العادیات میں ہے۔ عزیز حکیم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غلبہ حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ ناحق کا دُکھ نہیں ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۹ر اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

حق و باطل

فرمایا۔

حق اپنے زور اور قوت سے چلتا اور اس کے ساتھ باطل بھی ضرور چلتا ہے۔ لیکن باطل اپنی قوت اور طاقت سے نہیں چلتا بلکہ حق کے پرتو سے چلتا ہے کیونکہ حق چاہتا ہے کہ ساتھ ساتھ کچھ باطل بھی چلے تاکہ تمیز ہو۔ کاذبوں اور منکروں کے وجود سے بہت سی تحریکیں ہو جاتی ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دن ہی سارا مکہ آمنا و صدقنا کہہ کر ساتھ ہو لیتا تو پھر قرآن شریف کا نزول اسی دن بند ہو جاتا اور وہ اتنی بڑی کتاب نہ ہوتی۔ جس جس قدر زور سے باطل حق کی مخالفت کرتا ہے اسی قدر حق کی قوت اور طاقت تیز ہوتی ہے۔ زمینداروں میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ جتنا جیٹھ ہاڑ تپتا ہے اسی قدر ساون میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ایک قدرتی نظارہ ہے حق کی جس قدر زور سے

مخالفت ہو اسی قدر وہ چمکتا اور اپنی شوکت دکھاتا ہے۔

ہم نے خود آزما کر دیکھا ہے جہاں جہاں ہماری نسبت زیادہ شور وغل ہوا ہے وہاں ایک جماعت تیار ہو گئی اور جہاں لوگ اس بات کو سُنکر خاموش ہو جاتے ہیں وہاں زیادہ ترقی نہیں ہوتی۔ فتح کے لئے اوّل لڑائی کا ہونا ضروری ہے۔ اگر لڑائی نہ ہو تو فتح کا وجود کہاں سے آئے؟ پس اسی طرح اگر حق کی مخالفت نہ ہو تو اس کی صداقت کس طرح کھُلے؟

قصر نماز

نماز کے قصر کرنے کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو شخص یہاں آتے ہیں وہ قصر کریں یا نہ؟ فرمایا۔

جو شخص تین دن کے واسطے یہاں آوے اس کے واسطے قصر جائز ہے۔ میری دانست میں جس سفر میں عزم سفر ہو پھر خواہ وہ دو تین چار کوس کا ہی سفر کیوں نہ ہو اس میں قصر جائز ہے۔ یہ ہماری سیر سفر نہیں ہے۔ ہاں اگر امام مقیم ہو تو اس کے پیچھے پوری ہی نماز پڑھنی چاہیئے حکام کا دورہ سفر نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے باغ کی سیر کرتا ہے۔ خواہ نخواہ قصر کرنے کا تو کوئی وجود نہیں۔ اگر دَوروں کی وجہ سے انسان قصر کرنے لگے تو پھر یہ دائمی قصر ہو گا جس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ حکام کہاں مسافر کہلا سکتے ہیں۔ سعدی نے بھی کہا ہے۔ ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و خوابگاہ ساخت

باجا اور آتش بازی

نکاح پر باجا بجانے اور آتش بازی چلانے کے متعلق سوال ہوا۔ فرمایا کہ

ہمارے دین میں دین کی بنا یُسر پر ہے عُسر پر نہیں اور پھر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

ضروری چیز ہے۔ باجوں کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ اعلان نکاح جس میں فسق و فجور نہ ہو۔ جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں ضروری شئے ہے کیونکہ اکثر دفعہ نکاحوں کے متعلق مقدمات تک نوبت پہنچتی ہے۔ پھر وراثت پر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اعلان کرنا ضروری ہے مگر اس میں کوئی ایسا امر نہ ہو جو فسق و فجور کا موجب ہو۔ رنڈی کا تماشا یا آتش بازی فسق و فجور اور اسراف ہے۔ یہ جائز نہیں۔

باجے کے ساتھ اعلان پر پوچھا گیا کہ جب برات لڑکے والوں کے گھر سے چلتی ہے کیا اسی وقت سے باجا بجتا جاوے یا نکاح کے بعد؟ فرمایا

ایسے سوالات اور جزو در جزو نکالنا بے فائدہ ہے۔ اپنی نیت کو دیکھو کہ کیا ہے اگر اپنی شان و شوکت دکھانا مقصود ہے تو فضول ہے اور اگر یہ غرض ہے کہ نکاح کا صرف اعلان ہو تو اگر گھر سے بھی باجا بجتا جاوے تو کچھ حرج نہیں۔ اسلامی جنگوں میں بھی تو باجا بجتا ہے وہ بھی ایک اعلان ہی ہوتا ہے۔

سُنار اور کھوٹ

ایک زرگر کی طرف سے سوال ہوا کہ پہلے ہم زیوروں کے بنانے کی مزدوری کم لیتے تھے اور ملاوٹ ملا دیتے تھے۔ اب ملاوٹ چھوڑ دی ہے اور مزدوری زیادہ مانگتے ہیں تو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مزدوری وہی دیں گے جو پہلے دیتے تھے تم ملاوٹ ملاؤ۔ ایسا کام ہم ان کے کہنے سے کریں یا نہ کریں؟ فرمایا:-

کھوٹ والا کام ہرگز نہیں کرنا چاہیئے اور لوگوں کو کہہ دیا کرو کہ اب ہم نے توبہ کر لی ہے جو ایسے کہتے ہیں کہ کھوٹ ملا دو وہ گناہ کی رغبت دلاتے ہیں۔ پس ایسا کام اُن کے کہنے پر بھی ہرگز نہ کرو۔ برکت دینے والا خدا ہے اور جب آدمی نیک نیتی کے ساتھ ایک گناہ سے بچتا

ہے تو خدا ضرور برکت دیتا ہے۔

مُردے اور اسقاط

پھر سوال ہوا کہ ملّاں لوگ مُردوں کے پاس کھڑے ہو کر اسقاط کراتے ہیں کیا اس کا کوئی طریق جائز ہے؟ فرمایا:-

اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ مُلّاؤں نے ماتم اور شادی میں بہت سی رسمیں پیدا کر لی ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔

مصنوعی گواہ بنانا

ایک مختار کار عدالت نے سوال کیا کہ بعض مقدمات میں اگرچہ وہ سچا اور صداقت پر ہی مبنی ہو مصنوعی گواہ بنانا کیسا ہے؟ فرمایا

اوّل تو اس مقدمہ کے پیروکار بنو جو بالکل سچا ہو۔ یہ تفتیش کر لیا کرو کہ مقدمہ سچا ہے یا جھوٹا۔ پھر سچ آپ ہی فروغ حاصل کرے گا۔ دوّم گواہوں سے آپ کا کچھ واسطہ ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ موکل کا کام ہے کہ وہ گواہ پیش کرے۔ یہ بہت ہی بُری بات ہے کہ خود تعلیم دی جاوے کہ چند گواہ تلاش کر لاؤ اور ان کو یہ بات سکھا دو۔ تم خود کچھ بھی نہ کہو۔ موکل خود شہادت پیش کرے خواہ وہ کیسی ہی ہو۔

ہر صحیح بات کا اظہار ضروری نہیں

پھر سوال ہوا کہ بعض باتیں واقعہ میں صحیح ہوتی ہیں مگر مصلحت وقت اور قانون ان کے اظہار کا مانع ہوتا ہے تو کیا ہم لَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ[1] کے موافق ظاہر کر دیا کریں؟ فرمایا:-

[1] البقرۃ: ۲۸۴

یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب آدمی آزاد بالطبع ہو۔ دوسری جگہ یہ بھی تو فرمایا۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[1]۔ قانون کی پابندی ضروری شے ہے۔ جب قانون روکتا ہے تو رُکنا چاہیئے۔ جب کہ بعض جگہ اخفاء ایمان بھی کرنا پڑتا ہے تو جہاں قانون بھی مانع ہو وہاں کیوں اظہار کیا جاوے؟ جس راز کے اظہار سے خانہ بربادی اور تباہی آتی ہے وہ اظہار کرنا منع ہے۔

آتشبازی

مکرر آتشبازی کے متعلق فرمایا کہ

اس میں ایک جزو گندھک کا بھی ہوتا ہے اور گندھک وبائی ہوا صاف کرتی ہے۔ چنانچہ آج کل طاعون کے ایام میں مثلاً انار بہت جلد ہوا کو صاف کرتا ہے اور اگر کوئی شخص صحیح نیت اصلاح ہوا کے واسطے ایسی آتشبازی جس سے کوئی خطرہ نقصان کا نہ ہو چلادے تو ہم اس کو جائز سمجھتے ہیں مگر بہ شرط اصلاح نیت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ تمام نتائج نیت پر مترتب ہوتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے گھر بنوایا اور آپؐ کو مجبور کیا کہ آپؐ اس میں قدم ڈالیں۔ آپؐ نے اس مکان کو دیکھا۔ اس کے ایک طرف کھڑکی تھی۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ کس لئے بنائی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ٹھنڈی ہوا کے آنے کے واسطے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اذان سننے کے واسطے اس کی نیت رکھتا تو ہوا تو آہی جاتی اور تیری نیت کا ثواب بھی تجھے مل جاتا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۳ء)

مجلس قبل از عشاء

اول طاعون کے ٹیکہ کے متعلق بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد

[1] البقرۃ: ۱۹۶

توحید کا ذکر چل پڑا۔ فرمایا۔

توحید اور شرک فی الاسباب

توحید اس کا نام نہیں کہ صرف زبان سے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً رسول اللّٰہ کہہ لیا۔ بلکہ توحید کے یہ معنے ہیں کہ عظمت الٰہی بخوبی دل میں بیٹھ جاوے اور اس کے آگے کسی دوسری شئے کی عظمت دل میں جگہ نہ پکڑے۔ ہر ایک فعل اور حرکت اور سکون کا مرجع اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کو سمجھا جاوے اور ہر ایک امر میں اسی پر بھروسہ کیا جاوے کسی غیر اللہ پر کسی قسم کی نظر اور توکل ہرگز نہ رہے اور خدا تعالےٰ کی ذات میں اور صفات میں کسی قسم کا شرک جائز نہ رکھا جاوے۔

اس وقت مخلوق پرستی کے شرک کی حقیقت تو کھل گئی ہے اور لوگ اس سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں۔ اس لئے یورپ وغیرہ تمام بلاد میں عیسائی لوگ ہر روز اپنے مذہب سے متنفر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ روزمرہ کے اخباروں رسالوں اور اشتہاروں سے جو یہاں پڑھے جاتے ہیں اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

الغرض مخلوق پرستی کو اب کوئی نہیں مانتا۔ ہاں اسباب پرستی کا شرک اس قسم کا شرک ہے کہ اس کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ مثلاً کسان کہتا ہے کہ میں جب تک کھیتی نہ کرونگا اور وہ پھل نہ لاوے گی تب تک گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر ایک پیشہ والے کو اپنے پیشہ پر بھروسہ ہے اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر ہم یہ نہ کریں تو پھر زندگی محال ہے۔ اس کا نام اسباب پرستی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ خدا تعالےٰ کی قدرتوں پر ایمان نہیں ہے پیشہ وغیرہ تو درکنار پانی۔ ہوا۔ غذا وغیرہ جن اشیاء پر مدار زندگی ہے یہ بھی انسان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جب تک خدا تعالےٰ کا اذن نہ ہو۔ اسی لئے جب انسان پانی پیئے تو اُسے خیال کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا کیا ہے اور پانی نفع نہیں پہنچا سکتا جب تک خدا تعالےٰ کا ارادہ نہ ہو۔ خدا تعالےٰ کے ارادے سے پانی نفع دیتا ہے اور جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے

تو وہی پانی ضرر دیتا ہے۔

ایک شخص نے ایک دفعہ روزہ رکھا۔ جب افطار کیا تو پانی پیتے ہی لیٹ گیا۔ اُس کے لئے پانی ہی نے زہر کا کام کیا۔

جو کام ہے خواہ معاشرہ کا خواہ کوئی اور جبتک اس میں آسمان سے برکت نہ پڑے۔ تب تک مبارک نہیں ہوتا۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات پر کامل یقین چاہیئے۔ جس کا یہ ایمان نہیں ہے اس میں دہریت کی ایک رگ ہے۔ پہلے ایک امر آسمان پر ہو رہتا ہے تب زمین پر ہوتا ہے۔

لاف وگزاف کا نام توحید نہیں۔ مولویوں کی طرف دیکھو کہ دوسروں کو وعظ کرتے اور آپ کچھ عمل نہیں کرتے اسی لئے اب اُن کا کسی قسم کا اعتبار نہیں رہا ہے۔ ایک مولوی کا ذکر ہے کہ وہ وعظ کر رہا تھا۔ سامعین میں اس کی بیوی بھی موجود تھی۔ صدقہ وخیرات اور مغفرت کا وعظ اس نے کیا۔ اس سے متاثر ہو کر ایک عورت نے پاؤں سے ایک پازیب اُتار کر واعظ صاحب کو دیدی جس پر واعظ صاحب نے کہا تو چاہتی ہے کہ تیرا دوسرا پاؤں دوزخ میں جلے؟ یہ سُنکر اُس نے دوسری بھی دے دی۔ جب گھر میں آئے تو بیوی نے بھی اس وعظ پر عملدرآمد چاہا کہ محتاجوں کو کچھ دے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ باتیں سُنانے کی ہوتی ہیں کرنے کی نہیں ہوتیں اور کہا کہ اگر ایسا کام ہم نہ کریں تو گذارہ نہیں ہوتا۔ انہیں کے متعلق یہ ضرب المثل ہے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند
چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند

تعبیر رؤیا

مردہ کو کلمہ پڑھتے سُننا یعنی دین کا دوبارہ سرسبز ہونا۔

بڑھ۔ یعنی بوہڑ کے درخت سے مراد نصاریٰ کا دین ہے کہ جس کی عظمت اور سرکشی تو بہت ہے مگر پھل ندارد۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۸ مورخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۰ر اپریل ۱۹۰۳ء

بعد نماز جمعہ چند اشخاص نے بیعت کی جس پر حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی:۔

نومبائعین کو نصیحت

اس وقت جو تم بیعت کرتے ہو یہ بیعت توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ جو کوئی توبہ کرے گا اس کے گناہ بخش دوں گا۔ گناہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان دیدہ دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور ان احکام کے برخلاف کرے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور ان باتوں کو کرے جن کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ گناہ ایسی چیز ہے کہ جس کا نتیجہ اس دنیا میں بھی بد ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔

جب انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو فراموش کر دیتا ہے اور تائب کو بیگناہ سمجھتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ تائب اپنی توبہ پر قائم رہے۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ توبہ کر کے بھول جاتے ہیں۔ مثلاً حج کرنے والے حج کر کے آتے ہیں اور واپس آکر چند دنوں کے بعد پھر سابقہ بدیوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو ان کے اس حج سے کیا فائدہ؟ خدا تعالےٰ گناہوں سے ہمیشہ بیزار ہے اس لئے انسان کو گناہ سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ جو شخص اس بات پر قادر ہے کہ گناہ چھوڑ دے اور پھر نہ چھوڑے تو خدا تعالےٰ ایسے شخص کو ضرور پکڑے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اس توبہ کے درخت سے پھل کھاؤ اور تمہارے گھر وباؤں سے بچے رہیں تو چاہیئے کہ سچی توبہ کرو۔

خدا تعالیٰ اپنی سنّت کو نہیں بدلا کرتا۔ جیسے قرآن شریف میں ہے فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً[1] اور جو انسان ذرا سی بھی نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح جو ذرہ بھر بدی کرتا ہے اس پر بھی خدا تعالیٰ مواخذہ کرتا ہے۔ پس جب یہ حالت ہے تو گناہ سے بہت بچنا چاہیئے۔

بعض لوگ گناہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے گویا گناہ کو ایک شیریں شربت کی مثال خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا مگر یاد رکھیں کہ جیسے خدا تعالیٰ بڑا غفور اور رحیم ہے ویسے ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے۔ جب وہ غضب میں آتا ہے تو کسی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ فرماتا ہے۔

ولا یخاف عقبٰھا[2]

یعنی کسی کی اولاد کی بھی اسے پروا نہیں ہوتی کہ اگر فلاں شخص ہلاک ہوگا تو اس کے یتیم بچے کیا کریں گے۔ آج کل دیکھو یہی حالت ہو رہی ہے۔ آخر کار ایسے بچے پادریوں کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے گناہ کر کے کبھی بے پروا مت رہو اور ہمیشہ توبہ کرو۔

نماز اور دعا

یہ مت خیال کرو کہ جو نماز کا حق تھا ہم نے ادا کر لیا یا دُعا کا جو حق تھا وہ ہم نے پورا کیا۔ ہرگز نہیں۔ دعا اور نماز کے حق کا ادا کرنا چھوٹی بات نہیں۔ یہ تو ایک موت اپنے اُوپر وارد کرنی ہے۔ نماز اس بات کا نام ہے کہ جب انسان اسے ادا کرتا ہو۔ تو یہ محسوس کرے کہ اس جہان سے دوسرے جہان میں پہنچ گیا ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو بَری خیال کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے تو نماز بھی پڑھی اور دعا بھی کی ہے مگر قبول نہیں ہوتی۔ یہ ان لوگوں کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ نماز اور دعا جب تک انسان غفلت اور کسل سے خالی نہ ہو تو وہ قبولیت کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ اگر انسان ایک ایسا کھانا کھائے جو کہ بظاہر تو میٹھا ہے مگر اس کے اندر زہر ملی ہوئی ہے۔ تو مٹھاس سے وہ

[1] فاطر: ۴۴ [2] الشمس: ۱۶

زہر معلوم تو نہ ہوگا مگر پیشتر اس کے کہ مٹھاس اپنا اثر کرے زہر پہلے ہی اثر کر کے کام تمام کر دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ غفلت سے بھری ہوئی دعائیں قبول نہیں ہوتیں کیونکہ غفلت اپنا اثر پہلے کر جاتی ہے۔ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بالکل مطیع ہو اور پھر اس کی دعا قبول نہ ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے مقررہ شرائط کو کامل طور پر ادا کرے۔ جیسے ایک انسان اگر دوربین سے دُور کی شئے نزدیک دیکھنا چاہے تو جب تک وہ دُوربین کے آلہ کو ٹھیک ترتیب پر نہ رکھے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہی حال نماز اور دعا کا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کام کی شرط ہے جب وہ کامل طور پر ادا ہو تو اس سے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی کو پیاس لگی ہو اور پانی اس کے پاس بہت سا موجود ہے مگر وہ پئے نہ تو فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یا اگر اس میں سے ایک دو قطرہ پئے تو کیا ہوگا؟ پوری مقدار پینے سے ہی فائدہ ہوگا۔ غرضکہ ہر ایک کام کے واسطے خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کی ہے جب وہ اس حد پر پہنچتا ہے تو بابرکت ہوتا ہے اور جو کام اس حد تک نہ پہنچیں تو وہ اچھے نہیں کہلاتے اور نہ ان میں برکت ہوتی ہے۔

عاجزی اختیار کرنی چاہیئے۔ عاجزی کا سیکھنا مشکل نہیں ہے اس کا سیکھنا ہی کیا ہے انسان تو خود ہی عاجز ہے اور وہ عاجزی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ ما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون[1]۔

تکبّر وغیرہ سب بناوٹی چیزیں ہیں اگر وہ اس بناوٹ کو اُتار دے تو پھر اُس کی فطرت میں عاجزی ہی نظر آوے گی اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو اور تمہارے گھروں میں امن رہے تو مناسب ہے کہ دعائیں بہت کرو اور اپنے گھروں کو دعاؤں سے پُر کرو۔ جس گھر میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اسے برباد نہیں کیا کرتا۔ لیکن جو سُستی میں زندگی بسر کرتا ہے اُسے آخر فرشتے بیدار کرتے ہیں۔ اگر تم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہت پکا ہے وہ کبھی تم سے ایسا سلوک نہ کرے گا جیسا کہ فاسق فاجر سے کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ تم کو عذاب

[1] الذاریات: ۵۷

دیوے بشرطیکہ تم ایمان لاؤ اور شکر کرو۔ انسان کو عذاب ہمیشہ گناہ کے باعث ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ[1]۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے۔ جب تک انسان اپنے آپ کو صاف نہ کرے تب تک خدا تعالیٰ عذاب کو دور نہیں کرتا ہے۔

یہ دنیا خود بخود نہیں ہے اس کے لئے ایک خالق ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ اسی کی مرضی سے ہو رہا ہے بغیر اس کی رضا کے ایک ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ جو اللہ تعالیٰ سے ترساں رہے گا وہ خود محسوس کرے گا کہ اس میں ایک فرقان پیدا ہو گیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ شیطانی سیرت کا انسان نہ ہو۔ تکالیف نبیوں پر بھی آتی ہیں مگر وہ عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ اُن کے لئے وہ باعث برکت ہوتی ہیں۔

دغاباز آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی وہ اس کے منہ پر ماری جاتی ہے کیونکہ وہ دراصل نماز نہیں پڑھتا بلکہ خدا تعالیٰ کو رشوت دینا چاہتا ہے مگر خدا تعالیٰ کو اس سے نفرت ہوتی ہے کیونکہ وہ رشوت کو خود پسند نہیں کرتا۔

نماز کوئی ایسی ویسی شئے نہیں ہے بلکہ یہ وہ شئے ہے جس میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ[2] الخ جیسی دعا کی جاتی ہے اس دعا میں بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا چاہیئے جو کام ہوتا ہے اس کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ طاعون بھی اسی کے حکم سے آئی ہے یہ دنیا سے رخصت نہ ہو گی جب تک ایک تغیر عظیم پیدا نہ کرلے۔ جو اس سے نہیں ڈرتا وہ بڑا بدبخت ہے اور اس کے استیصال کے لئے ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ اپنے آپ کو پاک کرو کیونکہ اگر پاک ہو کر مر بھی جاوے گا تو وہ بہشت کو پہنچے گا۔ مرنا تو سب نے ہے مومن نے بھی اور کافر نے بھی مگر مومن اور کافر کی موت میں خدا تعالیٰ فرق کر دیتا ہے۔

دیکھو ان باتوں کو منتر جنتر نہ سمجھو اور یہ خیال نہ کرو کہ یونہی فائدہ ہو جاوے گا جیسے کہ

[1] الرعد : ۱۲ [2] الفاتحہ : ۶

بھوکے کے سامنے روٹیوں کا انبار فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ وہ نہ کھاوے۔ اسی طرح آج کے اقرار کے مطابق جب تک کوئی اپنے آپ کو گناہ سے نہ بچاوے گا اسے برکت نہ ہوگی۔ یاد رکھو کہ مَیں اس بات پر شاہد ہوں کہ میں نے تم کو سمجھا دیا ہے۔

اب تم کو چاہیئے کہ بُرائیوں سے بچنے کے واسطے خدا تعالیٰ سے دعا کرو تاکہ بچے رہو۔ جو شخص بہت دعا کرتا ہے اس کے واسطے آسمان سے توفیق نازل کی جاتی ہے کہ گناہ سے بچے اور دعا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی راہ اُسے مِل جاتی ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یجعل لہ مخرجا[1] یعنی جو امور اُسے کشاں کشاں گناہ کی طرف لے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان امور سے بچنے کی توفیق اسے عطا فرماتا ہے۔

قرآن کو بہت پڑھنا چاہیئے اور پڑھنے کی توفیق خدا تعالیٰ سے طلب کرنی چاہیئے کیونکہ محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا۔ کسان کو دیکھو کہ جب وہ زمین میں ہل چلاتا ہے۔ اور قسم قسم کی محنت اُٹھاتا ہے تب پھل حاصل کرتا ہے۔ مگر محنت کے لئے زمین کا اچھا ہونا شرط ہے۔ اسی طرح انسان کا دل بھی اچھا ہو سامان بھی عمدہ ہو سب کچھ کر بھی سکے۔ تب جا کر فائدہ پاوے گا۔ لیس للانسان الّا ما سعیٰ[2]۔ دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط باندھنا چاہیئے جب یہ ہوگا تو دل خود خدا سے ڈرتا رہے گا اور جب دل ڈرتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اپنے بندے پر خود رحم آجاتا ہے اور پھر تمام بلاؤں سے اُسے بچاتا ہے۔

گُناہ سے بچو۔ نماز ادا کرو۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھو۔ خدا تعالیٰ کا سچّا غلام وہی ہوتا ہے جو دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہے۔

لقاءِ الٰہی کا واسطہ قرآن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں

ہر ایک شخص کو خود بخود خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنے کی طاقت نہیں ہے اس کے واسطے واسطہ ضرور ہے اور وہ واسطہ قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس واسطے جو آپؐ کو چھوڑتا ہے وہ کبھی بامراد نہ ہوگا۔ انسان تو دراصل بندہ یعنی غلام ہے۔ غلام کا کام یہ ہوتا ہے

[1] الطلاق: ۳ [2] النجم: ۴۰

کہ مالک جو حکم کرے اُسے قبول کرے۔ اسی طرح اگر تم چاہتے ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض حاصل کرو تو ضرور ہے کہ اس کے غلام ہو جاؤ۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قل یٰعبادی الذین اسرفوا علےٰ انفسھم[1] اس جگہ بندوں سے مراد غلام ہی ہیں نہ کہ مخلوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بندہ ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ آپ پر درود پڑھو۔ اور آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرو۔ سب حکموں پر کاربند رہو جیسے کہ حکم ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[2] یعنی اگر تم خدا تعالیٰ سے پیار کرنا چاہتے ہو تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پورے فرماں بردار بن جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں فنا ہو جاؤ تب خدا تعالےٰ تم سے محبت کرے گا۔

جب لوگ بدعتوں پر عمل کرتے ہیں تو وہ کہدیتے ہیں کہ کیا کریں دنیا سے چھٹکارا نہیں ملتا یا کہتے ہیں کہ ناک کٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں گویا انسان خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو چھوڑتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ہے اور خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنا بے فائدہ ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۸-۱۰۹ مورخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۱ر اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

دلیل صداقت

فرمایا:-

جب ہمیں یہ الہام ہوا تھا واصنع الفلک باعیننا و وحینا۔ اس وقت تو ایک شخص بھی ہمارا مُرید نہ تھا۔ اگر یہ سلسلہ من عند غیر اللہ ہوتا تو آج تک الٰہی بخش کی طرح بیکار ہی پڑا رہتا۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں ؟

[1] الزمر: ۵۴ [2] آل عمران: ۳۲

الٰہی بخش تو میرے الہامات کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ ایسا کیوں کرتا ہے کہ الہام ہمارے سالہاسال سے شائع ہو چکے ہیں اُن کی اب نقل کرتا ہے۔ اصل میں جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح حق اپنے انوار سے شناخت کیا جاتا ہے۔

اسی طرح یامسیح الخلق عدوانا اس وقت سے چھپا ہوا اور شائع شدہ ہے جبکہ طاعون کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا اور اب آج طاعون کی وجہ سے لوگ آتے اور زبانِ حال سے کہتے ہیں یامسیح الخلق عدوانا اور اکثر اپنے خطوں میں لکھتے ہیں۔ اب یا تو یہ ثابت کرو کہ یہ الہام ہمارا من گھڑت ہے اور ہم نے اپنی کوشش سے چند لوگوں کو اس کے مکمل کرنے کے واسطے ملالیا ہے یا یہ قبول کرو کہ یہ جو دو دو اور چار چار سو آدمی یکدم بیعت کرتے ہیں یہ خدا تعالےٰ کی تائید ہے۔

جس زور کے ساتھ طاعون کی وجہ سے لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں اس طرح کسی کو یقین چھوڑ وہم بھی نہ تھا کیونکہ یہ الہام اس وقت کا ہے جب ان لوگوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس لئے ان تمام ناموں کو محفوظ رکھا جاوے اور اگر ان لوگوں کا الگ رجسٹر نہ ہو تو رجسٹر بیعت ہی میں سُرخی کے ساتھ ان کو درج کیا جاوے

کنچنی کی مسجد میں نماز درست نہیں

ایک شخص کے سوال پر فرمایا کہ

کنچنی کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز درست نہیں

قیامت

پھر ایک شخص نے پوچھا کہ قیامت کے دن بھی ہماری جماعت اسی طرح آپ کے آگے پیچھے ہوگی ؟ فرمایا:۔

یہ تفصیلیں نہیں ہو سکتی ہیں۔ ایسے سوال طریق ادب سے بعید ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

حق کی چارہ جوئی بذریعہ عدالت

سوال ہوا کہ مخالف ہم کو مسجد میں نماز پڑھنے نہیں دیتے حالانکہ مسجد میں ہمارا حق ہے۔ ہم ان سے بذریعہ عدالت فیصلہ کرلیں؟ فرمایا:۔

ہاں اگر کوئی حق ہے تو بذریعہ عدالت چارہ جوئی کرو۔ فساد کرنا منع ہے۔ کوئی دنگہ فساد نہ کرو۔

مخالف کے گھر کی چیز کھانا

سوال ہوا کہ کیا مخالفوں کے گھر کی چیز کھالیویں؟ فرمایا

نصاریٰ کی پاک چیزیں بھی کھالی جاتی ہیں۔ ہندوؤں کی مٹھائی وغیرہ بھی ہم کھا لیتے ہیں۔ پھر ان کی چیز کھالینا کیا منع ہے؟

مخالف کے پیچھے نماز نہ پڑھو

ہاں میں نماز سے منع کرتا ہوں کہ ان کے پیچھے نہ پڑھو۔ اس کے سوائے دنیاوی معاملات میں بیشک شریک ہو۔ احسان کرو۔ مروت کرو۔ اور ان کو قرض دو اور ان سے قرض لو اگر ضرورت پڑے تو صبر سے کام لو شائد کہ اس سے سمجھ بھی جاویں۔

توفیق نماز کے لئے درخواست دعا

ایک شخص نے عرض کی کہ میرے لئے دعا کریں کہ نماز کی توفیق اور استقامت ملے۔ فرمایا:۔

حقیقت میں جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ ایمان کو چھوڑتا ہے اس سے خدا کے ساتھ تعلقات میں فرق آجاتا ہے۔ اس طرف سے فرق آیا تو معاً اُس طرف سے بھی فرق آجاتا ہے۔

سر پہ ہاتھ رکھنا

پھر اسی شخص نے عرض کی کہ میرے سر پہ ہاتھ رکھیں۔ آپ نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا اور اس طرح پہ اخلاق فاضلہ کا ثبوت دیا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۱؍اپریل ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

تکمیل ایمان کا ذریعہ

اصل میں ایمان کے کمال تام کا ذریعہ الہامات صحیحہ اور پیشگوئی ہوتے ہیں ایمان کبھی قصوں کہانیوں سے ترقی نہیں پکڑتے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ انسان جس مذہب میں پیدا ہوتا ہے۔ جس راہ و رسم کا پابند اپنے آباء و اجداد کو پاتا ہے اکثر اسی کا پابند ہوا کرتا ہے۔ اگر ایک بت پرست کے گھر میں پیدا ہوا ہو تو بُت پرستی ہی اس کا شیوہ ہوگا۔ اور اگر ایک عیسائی کے ہاں اس نے تربیت پائی ہے تو وہی خوبو اس میں پائی جاوے گی۔ مگر اس کے مسائل اور اس کے بنیادی عقائد کا بہت سا حصہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کی عقل و فہم میں کچھ بھی نہیں آیا ہوتا۔ صرف لکیر کا فقیر ہوتا ہے۔ بچپن اور اوائل عمر میں تو کیا کوئی ان مذاہب کی حقیقت سے آگاہ ہوگا۔ عیسویت کے حامی تو اگر ان سے کوئی پوری تعلیم کا پورا جوان عاقل بالغ بھی ان کی تثلیث کے راز کو پوچھے تو کہدیتے ہیں کہ یہ راز ہے جو ایشیائی دماغ کی بناوٹ کے لوگوں کی سمجھ سے بالا تر ہے اور یہی حال بُت پرست کا ہے۔ ہاں البتہ اسلام ایک دنیا میں ایسا مذہب ہے کہ جس کے عقائد ایسے ہیں کہ انسان ان کو سمجھ سکتا ہے۔

اور وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام کے مسائل ایسے ہیں کہ کسی خاص دماغ یا عقل کے واسطے خاص نہیں بلکہ وہ تمام دنیا کے واسطے یکساں ہیں اور ہر ایک کی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مگر وہ زندہ ایمان کہ جس سے انسان خدا تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے۔ اور وہ نور جس سے انسان کی آنکھ کھُل کر اس کو ایقان تام حاصل ہو جاوے وہ صرف الہام ہی پر منحصر ہے۔ الہام سے انسان کو ایک نور ملتا ہے جس سے وہ ہر تاریکی سے مبرا ہو جاتا ہے اور ایک قسم کا اطمینان اور تسلّی اسے ملتی ہے۔ اس کا نفس اس دن سے خدا تعالیٰ میں آرام پانے لگتا ہے اور ہر گناہ فسق و فجور سے اس کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس کا دل امید اور بیم سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی حقیقی معرفت کی وجہ سے وہ ہر وقت ترساں و لرزاں رہتا ہے اور زندگی کو ناپائیدار جانتا اور سفلی لذات کی ہوس اور خواہش کو ترک کر کے خدا تعالےٰ کی رضا کے حصول میں لگ جاتا ہے اور در حقیقت وہ اسی وقت گناہ کی آلودگی سے علیحدہ ہوتا ہے۔

جب تک تازہ نور انسان کو آسمان پر سے نہ ملے اور خدا تعالیٰ کا مشاہدہ نہ ہو جاوے تب تک پورا ایمان نہیں ہوتا۔ جب تک ایمان کمال درجہ تک نہ پہنچا ہو تب تک گناہ کی قید سے رہائی ناممکن ہے۔ بجُز الہام کے ایمان کی تصویر لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ اس کی ماہیت سے لوگ بے بہرہ اور خالی محض ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ یورپ تو آجکل بہت سی ٹھوکریں کھا کر ان امور کو تسلیم کرتا جاتا ہے مگر ہمارے مولوی انکار و کفر میں غرق ہیں اگر الہام ہونے کا نام بھی لیا جاوے تو کفر کا فتویٰ تیار ہے۔ وحی کے نزول کا دعوےٰ کرنے والا تو اکفر اور ضال اور دجال ہے۔ افسوس آتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کے کلام سے کیسے دُور جا پڑے ہیں اور ان سے فہم قرآن چھین لیا گیا ہے۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ نے اس امت کو اس شرف سے محروم ہی رکھنا تھا تو یہ دعا ہی کیوں سکھائی۔ اِھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم[1]۔ اس دعا سے تو صاف نکلتا ہے

[1] الفاتحۃ : ۶،۷

کہ یا الٰہی ہمیں پہلے منعم علیہم لوگوں کی راہ پر چلا اور جو ان کو انعامات ملے ہمیں بھی وہ انعامات عطا فرما۔ انعمت علیہم کون تھے؟ خدا تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے۔ کہ نبی۔ صدیق۔ شہید۔ صالح لوگ تھے اور ان کا برابر انعام یہی الہام اور وحی کا نزول تھا بھلا اگر خدا تعالیٰ نے اس دعا کا سچا نتیجہ جو ہے اس سے محروم ہی رکھنا تھا تو پھر کیوں ایسی دعا سکھائی؟ ہمیں تعجب آتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا۔ یہی تو ایک چیز تھی۔ جو نہایت نازک اور رُوح کی غذا تھی۔ جو انسان اس کے حصول کا پیاسا نہیں۔ ممکن نہیں کہ اس کے اندر پاک تبدیلی آ سکے اور جب تک انسان اس طرح خدا تعالےٰ کا چہرہ نہ دیکھے اور اس کی سُریلی آواز سے بہرہ ور نہ ہو۔ تب تک ممکن نہیں کہ گناہ کے زہر سے بچ سکے۔ خیر خود تو محروم اور بے نصیب تھے ہی مگر دوسروں کو جو اس قسم کے خیال رکھیں کہ خدا تعالےٰ کسی سے ہمکلام ہو سکتا ہے کافر جانتے ہیں۔ وہ تو دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔ مگر ہمیں خود اُن کے ایمان کا خطرہ ہے کہ ان کا ایمان ہی کیا ہے جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا کے واسطے ہاتھ ہی کس طرح اُٹھا سکتے ہیں

دو ہی چیزیں ہیں کہ جو خدا تعالےٰ تک انسان کو پہنچا سکتی ہیں۔ دیدار۔ جس کی موسیٰؑ نے بھی درخواست کی تھی اور وہ بھی الہام ہی کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ جب انسان اس کی طرف ترقی پاتا ہے تو اَور اَور مدارج کی بھی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرنا چاہتا ہے۔

دوسری چیز خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی گفتار ہے اور یہ فضل خدا تعالیٰ کا تو ایسا ہوا ہے کہ عورتوں تک بھی گفتار سے مشرف ہوتی رہی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں کو بھی ہمکلامی کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو بھی یہ نعمت ملی ہوئی تھی۔ خضر کو بھی الہام ہوتا تھا تو کیا اسلام ہی ایسا گیا گذرا تھا؟ اور خدا تعالےٰ کی نظر میں گرا ہوا تھا؟ کہ اُسے بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی پیچھے پھینک دیا۔ ان وہابیوں کا تو یہ اعتقاد ہے کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ میں سے کسی کو اور نہ بعد میں آئمہ میں سے کسی کو اور نہ ہی بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے ولیوں مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ ان میں سے کسی کو بھی الہام نہیں ہوا۔ یہ سارے کے سارے ہی خشک مُلّاں تھے ان میں سے کسی کو بھی خدا تعالیٰ کے مکالمے مخاطبے کا شرف نہ ملا ہوا تھا۔ ان کے ہاتھ میں بھی صرف قصّے کہانیاں ہی تھے۔ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النّبیین[1] کے معنے ہی ان کے نزدیک یہی ہیں کہ الہام کا دروازہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا اور آپ کے بعد آپ کی امت سے یہ برکت کہ کسی کو مکالمات اور مخاطبات ہوں بالکل اُٹھ گئی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر صدی اس امر کی منتظر ہوتی ہے کہ اس امت میں سے چند افراد یا کوئی ایک فرد ضرور خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں گے۔ جو اسلام پر سے گرد وغبار کو دُور کر کے پھر اسلام کے روشن چہرے کو چمکا کر دکھایا کریں ان لوگوں سے اگر پوچھا جاوے کہ تمہارے پاس سچائی کی دلیل ہی کونسی ہے؟ کوئی معجزات یا خارق عادت تمہارے پاس نہیں تو دوسروں کا حوالہ دے دیں گے۔ خود خالی اور محروم ہیں۔ صحابہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر اور آپ کی صحبت کی برکت سے آنحضرت کے ہی رنگ میں رنگین ہو گئے تھے اور ان کے ایمانوں کے واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اور معجزات کثرت سے دیکھنے اور ہر وقت مشاہدہ کرنے سے اُن کے ایمانوں کا تزکیہ اور تربیت ہوتی گئی اور آخرکار ترقی کرتے کرتے وہ کمال تمام تک پہنچ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہو گئے مگر ان لوگوں کے ایمانوں کو مضبوط کرنے کے واسطے اگر اُن سے پوچھا جاوے تو کیا ہے؟ تیرہ سَو برس کا حوالہ دیں گے کہ اس وقت یہ معجزات اور خارق عادت ظاہر ہوا کرتے تھے پیشگوئیاں بھی تھیں مگر اب کچھ بھی نہیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ اگر خدا تعالیٰ نے اُسے شرالامم بنانا تھا تو اُس کا نام قرآن

[1] الاحزاب : ۴۱

شریف میں خیرامت کرکے کیوں پکارا؟ کیونکہ اس کی موجودہ حالت بقول مولویوں کے بدترین معلوم ہوتی ہے۔ اندرونی و بیرونی حملوں سے پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ دجّال نے آکر ہر طرف سے گھیر لیا ہے تو پھر ایسے مصیبت کے وقت میں اگر خبر گیری بھی کی تو ایک اور دجّال بھیجدیا جو دین کا حامی ہونے کی بجائے بیخ کُن ہے اور ان کے لوگ ہزاروں مجاہدے اور ریاضت زہد و تعبد کریں مگر خدا تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف کبھی نہیں نصیب ہوتا ہے اور ایسے گئے گذرے ہیں کہ دوسری امتوں کی عورتوں سے بھی درماندہ اور پس پا افتادہ ہیں۔ ان میں تو موسوی شریعت کے خادم ہزاروں نبی آئے۔ اور ایک ایک زمانہ میں چار چار سو نبی بھی ہوتے رہے۔ مگر اس امت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا خادم ایک بھی صاحب الہام نہ آیا۔ گویا کہ سارے کا سارا باغ ہی بے ثمر رہ گیا۔ پہلے لوگوں کے باغ تو مثمر ہوئے مگر ان کے اعتقاد کے بموجب نعوذ باللہ آپؐ کا باغ بے برگ و بار ہوا۔ اگر ان لوگوں کا یہی دین اور ایمان ہے۔ تو خدا تعالےٰ دنیا پر رحم کرے اور لوگوں کو ایسے ایمان سے نجات دیوے۔

ایمان کی نشانی ہی کیا ہے اور اس کے معنے کیا ہیں یہی کہ مان لینا اور پھر اس پر یقین آجانا۔ جب انسان ایک بات کو سچے دل سے مان لیتا ہے تو اس کا اس پر یقین ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اس سے اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ سنکھیا ایک زہر ہوتا ہے اور اس کے کھانے سے انسان مر جاتا ہے یا ایک سانپ جان کا دشمن ہوتا ہے جس کو کاٹتا ہے اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ تو اس ایمان کے بعد نہ تو وہ سنکھیا کھاتا اور نہ ہی سانپ کے سوراخ میں انگلی ڈالتا ہے۔

آج کل طاعون کے متعلق لوگوں کو ایمان ہے کہ اس کی لاگ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے جس مکان میں طاعون ہو اس سے کوسوں بھاگتے ہیں اور چھوڑ جاتے

ہیں۔ غرض جس چیز پر ایمان کامل ہوتا ہے اس کے مطابق اس سے عمل بھی صادر ہوا کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے موجود ہونے کا تو ایمان ہو اور حساب کتاب یاد ہو تو پھر گناہ باقی رہ جاوے۔ یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا خدا تعالےٰ کا ایمان سانپ کے خوف سے بھی گیا گذرا ہے؟ مومن ہونے کا دعویٰ ہے اور پھر بایں چوری۔ جھوٹ۔ زنا۔ بدنظری۔ شراب خوری۔ فسق و فجور میں فرق نہیں۔ نفاق اور ریاکاری کی تصدیق نہیں۔ زبانی ایمان کا دعوےٰ ہے ورنہ عملی طور پر ایمان اور دین کچھ بھی چیز نہیں۔

ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کو جس چیز کے مفید ہونے کا ایمان ہے اُسے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ کوئی امیر اور کوئی غریب ہم نے نہیں دیکھا جو اپنے گھر سے اپنی جائداد یا دولت کو جو اس کے پاس ہے باہر نکال پھینکتا ہو بلکہ ہم نے تو کسی کو ایک پیسہ بھی پھینکتے نہیں دیکھا۔ پیسہ تو کجا ایک سوئی بھی اگر کمائی ہوئی ٹوٹ جاوے تو اُسے رنج ہوتا ہے کہ میرے کارآمد چیز تھی۔ مگر ایمان باللہ کی قدر ان لوگوں کی نظر میں اُس سوئی کے برابر بھی نہیں اور نہ اس کا فائدہ ایک سوئی کے برابر لوگ جانتے ہیں۔ پس جب ایمان ایسا ہوتا ہے کہ ایک سوئی کے برابر بھی اس کی قدر ان میں نہیں ہوتی۔ تو اسی کے مطابق اُن کو اس سے نفع بھی نہیں پہنچتا اور نہ ان کو وہ کمال حاصل ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ ان پر الہامات کے دروازے کھول دے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۲ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

بیماریاں

بیماریوں کے ذکر پر فرمایا کہ

بیماری کی شدت سے موت اور موت سے خدا یاد آتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ خلق الانسان ضعیفاً[1]۔ انسان چند روز کے لئے زندہ ہے۔ ذرہ ذرہ کا وہی مالک ہے۔ جو حی وقیوم ہے۔ جب وقت موعود آجاتا ہے تو ہر ایک چیز السلام علیکم کہتی اور سارے قویٰ رخصت کر کے الگ ہو جاتے ہیں اور جہاں سے یہ آیا ہے وہیں چلا جاتا ہے۔

علاج طاعون

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

آسمانی علاج ابھی تک لوگوں نے غیر مفید سمجھا ہوا ہے۔ سچی توبہ اور تقویٰ کی طرف پورا رجوع نہیں کیا مگر یاد رکھیں کہ خدا رجوع کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

رکوع وسجود میں قرآنی دعا کرنا

مولوی عبدالقادر صاحب لدھانوی نے سوال کیا کہ رکوع وسجود میں قرآنی آیت یا دعا کا پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا:-

سجدہ اور رکوع فروتنی کا وقت ہے اور خدا تعالےٰ کا کلام عظمت چاہتا ہے۔ ماسوا اس کے حدیثوں سے کہیں ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی رکوع یا سجود میں کوئی قرآنی دعا پڑھی ہو۔

رہن

رہن کے متعلق سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ

موجودہ تجاویز رہن جائز ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں یہ قانون تھا کہ اگر فصل ہوگئی تو حکام زمینداروں سے معاملہ وصول کر لیا کرتے تھے اگر نہ ہوتی تو معاف ہو جاتا اور اب خواہ فصل

[1] النساء: ۲۹

ہو یا نہ ہو حکام اپنا مطالبہ وصول کر ہی لیتے ہیں۔ پس چونکہ حکام وقت اپنا مطالبہ کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تو اس طرح یہ رہن بھی جائز رہا کیونکہ کبھی فصل ہوتی اور کبھی نہیں ہوتی۔ تو دونو صورتوں میں مرتہن نفع و نقصان کا ذمہ دار ہے۔ پس رہن عدل کی صورت میں جائز ہے۔ آج کل گورنمنٹ کے معاملے زمینداروں سے ٹھیکہ کی صورت میں ہو گئے ہیں اور اس صورت میں زمینداروں کو کبھی فائدہ اور کبھی نقصان ہوتا ہے۔ ایسی صورت عدل میں رہن بیشک جائز ہے۔

جب دودھ والا جانور اور سواری کا گھوڑا رہن با قبضہ ہو سکتا ہے اور اس کے دودھ اور سواری سے مرتہن فائدہ اُٹھا سکتا ہے تو پھر زمین کا رہن تو آپ ہی جائز ہو گیا۔

پھر زیور کے رہن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا

زیور ہو کچھ ہو جب انتفاع جائز ہے تو خواہ مخواہ تکلفات کیوں بناتے جاویں۔ اگر کوئی شخص زیور کو استعمال کرنے سے اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ ہے۔ زیور کی زکوٰۃ بھی فرض ہے چنانچہ کل ہی ہمارے گھر میں زیور کی زکوٰۃ ڈیڑھ سو روپیہ دیا ہے۔ پس اگر زیور استعمال کرتا ہے تو اس کی زکوٰۃ دے۔ اگر بکری رہن رکھی ہے اور اس کا دودھ پیتا ہے تو اس کو گھاس بھی دے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴؍ اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۲؍ اپریل ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

تعبیر رؤیا

ایک خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ

خواب ہر ایک انسان کو عمر بھر میں کبھی مبشر اور کبھی وحشتناک ضرور آتے ہیں۔

مگر وہی قضا مبرم اور فیصلہ کن نہیں ہوا کرتی۔ خدا تعالےٰ کی معرفت کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ قضا کبھی ٹل بھی جایا کرتی ہے۔ خواب کے حالات خواہ مبشر ہوں یا منذر۔ دونوں صورتوں میں قضا معلق کے رنگ میں ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے نتائج کے بر لانے یا روکنے کے واسطے ضروری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرے کہ اگر یہ امر میرے واسطے مفید اور تیری رضا کے موجب ہے تو تُو اُسے جیسا مجھے خواب میں مبشر دکھایا ہے ایسا ہی بشارت آمیز صُورت میں پُورا کر۔ ورنہ منذر ہے تو اس کی خوفناک صورت سے اپنے آپ کو حفاظت میں رکھنے کے لئے بھی استغفار اور توبہ کرتا رہے۔

قضاءِ معلق و مبرم

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ قضا ٹل جایا کرتی ہے اس لئے انسان پوری تضرع خشوع خضوع اور حضور قلب سے اور سچی عاجزی۔ فروتنی اور درد دل سے اُس سے دُعا کرے۔ خواب میں دیکھے ہوئے حالات کے متعلق خواہ وہ کسی رنگ میں ہوں۔ دونوں صورتوں میں دعا کی ضرورت ہے۔

ہمیں بارہا خیال آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی کوئی ایک وحشت ناک ہی معاملہ معلوم ہوا ہوگا کہ انہوں نے ساری رات دعا میں صرف کی اور نہایت درجہ کے درد انگیز اور بلبلانے والے الفاظ سے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتے رہے۔ ممکن ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی تقدیر معلق کو مبرم ہی خیال کر بیٹھے ہوں اور اسی وجہ سے ان کا یہ سارا اضطراب اور گھبراہٹ بڑھ گئی ہو اور اس درجہ کا گداز اور رقت اُن میں اپنا آخری دم جان کر ہی پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ اکثر ایک تقدیر جو معلق ہوا کرتی ہے ایسی باریک رنگ میں ہوتی ہے کہ اس کو سرسری نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مبرم ہے۔ چنانچہ شیخ عبد القادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ میری دعا سے اکثر وہ قضا جو قضائے مبرم کے رنگ میں ہوتی ہے ٹل جاتی ہے اور ایسے بہت سے

واقعات ہو چکے ہیں مگر ان کے اس امر کا جواب ایک اَور بزرگ نے دیا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تقدیر معلق ایسے طور سے واقع ہوتی ہے کہ اس کا پہچاننا کہ آیا معلق ہے یا مبرم محال ہو جاتا ہے۔ اسے سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ مبرم ہے مگر درحقیقت ہوتی وہ تقدیر معلق ہے اور وہ ایسی ہی تقدیریں ہوں گی جو شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے ٹل گئی ہوں کیونکہ تقدیر معلق ٹل جایا کرتی ہے۔ غرض اہل اللہ نے اس امر کو خوب واضح طور سے لکھا ہے کہ قضا معلق ٹل جایا کرتی ہے۔

حضرت عیسٰیؑ پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑی بھاری صعوبت اور مشکل کا وقت تھا کیونکہ ان کی اپنی ہی کتاب کے الفاظ بھی ایسے ہی ہیں کہ آخر میں فرمایا۔ سُمِعَ لِتَقْوٰہُ یعنی تقدیر تو بڑی سخت تھی اور بڑی مصیبت کا وقت تھا مگر اس کے تقویٰ کی وجہ سے آخر کار اس کی دعا ضائع نہ گئی بلکہ سُنی گئی۔ یہ عیسائی بدنصیب اس امر کی طرف توخیال نہیں کرتے کہ اول تو خدا اور اس کا مرنا یہ دونو فقرے آپس میں کیسے متضاد پڑے معلوم ہوتے ہیں۔ جب ایک کان میں یہ آواز ہی پڑتی ہے تو وہ چونک پڑتا ہے کہ ایں یہ کیا لفظ ہیں؟ اور پھر ماسوا اس کے ایک ایسے شخص کو خدا بنائے بیٹھے ہیں کہ جس نے بخیال ان کے ساری رات یعنی چار پہر کا وقت ایک لغو اور بیہودہ کام میں جو اس کے آقا اور مولیٰ کی منشا اور رضا کے خلاف تھا خواہ نخواہ ضائع کیا اور پھر ساری رات رویا اور ایسے درد اور گداز کے الفاظ میں دعا کی کہ لوہا بھی موم ہو مگر ایک بھی نہ سُنی گئی۔ واہ اچھا خدا تھا!

پھر کہتے ہیں کہ اس وقت ان کی رُوح انسانی تھی نہ رُوح الوہیت۔ ہم پوچھتے ہیں کہ بھلا ان کی رُوح اگر انسانی تھی تو اس وقت اُن کی الوہیت کی روح کہاں تھی؟ کیا وہ آرام کرتی تھی اور خواب غفلت میں غرقِ نوم تھی۔ خود بیچارے نے بڑے درد اور رقت کے ساتھ چلا چلا کر دُعا کی۔ حواریوں سے دُعا کرائی مگر سب بے فائدہ تھی۔ وہاں ایک بھی نہ سُنی گئی۔ آخر کار خدا صاحب یہودیوں کے ہاتھ سے ملک عدم کو پہنچے کیسے قابل شرم

اور افسوس ہیں ایسے خیالات۔ ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسا ہی ایک وقت مصیبت اور صعوبت کا آیا تھا اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء پر ایک ایسا مشکل اور نہایت درجہ کی مصیبت کا ایک وقت ضرور آتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اُحد کا معاملہ کوئی تھوڑا معاملہ تھا؟ آخرکار وہاں شیطان بھی بول اُٹھا تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرتؐ مارے گئے اور ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے بھی اس افراتفری میں ایسا خیال کیا ہو اور بعض صحابہؓ تو تتر بتر بھی ہو گئے تھے۔ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے تھے۔ وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا[1] سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرور انبیاء اور صلحاء کو بھی دنیا میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ نہایت درجہ کی مصیبت کا وقت اور سخت جانکاہ مشکل ہوتی ہے اور اہل حق بھی ایک دفعہ اس صعوبت میں وارد ہوتے ہیں مگر خدا تعالےٰ جلد تر ان کی خبرگیری کرتا اور ان کو اس سے نکال لیتا ہے اور چونکہ وہ ایک تقدیر معلق ہوتی ہے۔ اس واسطے ان کی دعاؤں اور ابتہال سے ٹل جایا کرتی ہیں۔

شیخ رحمت اللہ صاحب کی دعا

شیخ رحمت اللہ صاحب کی دکان کو آگ لگنے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ننگے سر اور ننگے پاؤں سجدے میں گر کر دعا کی تو معاً دُعا کرتے کرتے خدا تعالیٰ نے ہوا کا رُخ بدل دیا اور امن امن کی آواز آگئی اور ہر طرح سے اطمینان ہو گیا۔

ملائکہ

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہوا۔ پانی۔ آگ وغیرہ بھی ایک طرح کے ملائکہ ہی ہیں۔ ہاں بڑے بڑے ملائکہ وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا مگر اس کے سوا باقی اشیاء مفید بھی ملائکہ ہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جہاں فرماتا ہے کہ وان من شیٔ

[1] مریم : ۷۲

الّا یسبح بحمدہٖ[1] الخ یعنی کل اشیاء خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں۔ تسبیح کے معنے یہی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ ان کو حکم کرتا ہے اور جس طرح اُس کا منشا ہوتا ہے وہ اسی طرح کرتے ہیں اور ہر ایک امر اس کے ارادے اور منشا سے واقع ہوتا ہے۔ اتفاقی طور سے دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا ذرہ ذرہ پر تصرف تام اور اقتدار نہ ہو تو وہ خدا ہی کیا ہوا۔ اور دعا کی قبولیت کی اس سے کیا امید ہو سکتی ہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ وہ ہوا کو جدھر چاہے اور جب چاہے چلا سکتا ہے اور جب ارادہ کرے بند کر سکتا ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں پانی اور پانیوں کے سمندر ہیں۔ جب چاہے جوش زن کر دے اور جب چاہے ساکن کر دے وہ ذرہ ذرہ پر قادر اور مقتدر خدا ہے۔ اس کے تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ جنہوں نے دعا سے انکار ہی کر دیا ہے۔ ان کو بھی یہی مشکلات پیش آئے ہیں کہ انہوں نے خدا کو ہر ذرہ پر قادر مطلق نہ جانا اور اکثر واقعات کو اتفاقی مانا۔ اتفاق کچھ بھی نہیں۔ بلکہ جو ہوتا ہے اور اگر پتہ بھی درخت سے گرتا ہے تو وہ بھی خدا تعالیٰ کے ارادے اور حکمت سے گرتا ہے اور یہ سب ملائکہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے اشارے سے کام کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں لگائے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے سچے فرماں بردار اور اسی کی رضا کے خواہاں ہوتے ہیں۔ جو خدا کا بن جاتا ہے اُسے خدا تعالیٰ سب کچھ عطا کرتا ہے ؎

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ۔ پھر ایسے مرتبے کے بعد انسان کو وہ رعیت ملتی ہے کہ باغی نہیں ہوتی۔ دنیوی بادشاہوں کی رعیت تو باغی بھی ہو جاتی ہے مگر ملائکہ کی رعیت ایک ایسی رعیت ہے کہ وہ باغی نہیں ہوتی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

[1] بنی اسرائیل: ۴۵

۱۳؍اپریل ۱۹۰۳ء

(دربارشام)

ایک خواب

حضرت اقدس نے مندرجہ ذیل خواب سنایا جو گذشتہ شب کو آیا تھا۔ فرمایا کہ

میں دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بحرِ ذخار کی طرح ایک دریا ہے جو سانپ کی طرح بل کھاتا مغرب سے مشرق کو جارہا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے سمت بدل کر مشرق سے مغرب کو اُلٹا بہنے لگا۔

طاعون کا ذکر

فرمایا کہ

اب تو وہ زمانہ طاعون نے دکھانا شروع کر دیا ہے جس طرح مدینہ منورہ میں یہودی قتل ہوئے تھے تو ایک بڑا شخص زندہ رکھا گیا تھا۔ اُس نے پوچھا فلاں شخص کا کیا حال ہؤا۔ فلاں کا کیا حال ہوا۔ غرض جس کے متعلق اس نے دریافت کیا اسی کے متعلق جواب ملا کہ وہ سب قتل کئے گئے تو پھر اس نے کہا کہ لوگوں کے مارے جانے کے بعد میں نے زندہ رہ کر کیا بنانا ہے۔ مجھے بھی زندگی کی ضرورت نہیں۔ سو آج کل طاعون وہ حال دکھا رہی ہے۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ انسان لمبی عمر کے بھی خواہشمند ہوتے ہیں مگر جب دوست اور تعلق دار ہی نہ رہے تو اس عمر کا ہونا بھی ایک وبال ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت دیکھ کر انسان ایسی لمبی عمر کی بھی آرزو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انسان دوستوں اور رشتہ داروں کے بغیر رہ سکتا ہی نہیں۔

ایک پرندہ کا ذکر

ایک جانور آج کل کے موسم میں شام کے بعد مسجد مبارک کے شہ نشین

احباب پر حملہ کیا کرتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ

کوئی ایسی تدبیر کی جاوے کہ ایک دفعہ یہ اس جگہ پکڑا جاوے پھر ہم اُسے چھوڑ ہی دیں گے مگر ایک دفعہ پکڑا جانے سے اتنا تو ضرور ہوگا کہ پھر وہ کبھی آئندہ اس جگہ اس طرح حملہ کرنے کا ارادہ نہ کرے گا۔

ہر جانور کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کے اندر ایک خاصیت ہے کہ جس جگہ سے اُسے ایک دفعہ ٹھوکر لگتی ہے اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اس جگہ کا پھر وہ کبھی قصد نہیں کرتا مگر صرف انسان ہی ایک ہے جو باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے ان پرندوں وغیرہ سے بھی گرا ہوا ہے کہ جہاں سے اُسے مصائب پہنچتے ہیں اور ضرر اور نقصان اُٹھاتا ہے اس کی طرف بھاگنے کا حریص ہوتا ہے ہوشیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس نافرمانی کو ترک کرتا ہے بلکہ جذبات نفس کا مطیع ہو کر پھر اسی کام کو کرنے لگتا ہے جس سے ایکبار ٹھوکر کھا چکا ہو

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

صادق کے ساتھ ایک کشش

فرمایا:۔

صادق کی بعثت کے ساتھ ہی آسمان سے اس کے واسطے ایک کشش نازل ہوا کرتی ہے جو دلوں کو ان کی استعدادوں کے مطابق کشش کرتی اور ایک قوم بنا دیتی ہے۔ اس سے تمام سعید روحیں صادق کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ دیکھو ایک شخص کو دوست بنا کر اس

کو اپنے منشاء کے موافق بنانا ہزار مشکل رکھتا ہے اور اگر ہزاروں روپے خرچ کر کے بھی کسی کو صادق وفادار دوست بنانے کی کوشش کی جاوے تو بھی معرض خطر میں ہی پڑتا ہے اور پھر آخر کار اس خیال کے برعکس نتیجہ نکلتا ہے مگر ادھر اب لاکھوں ہیں کہ غلاموں کی طرح سچے فرمانبردار۔ وفادار۔ صدق و وفا کے پُتلے خود بخود کھنچے چلے آتے ہیں[1]۔ اور پھر عجب بات یہ ہے کہ اس امر کی اطلاع آج سے بائیس برس پیشتر جب اس کی ایک بھی مثال قائم نہ ہوئی تھی دی گئی۔ چنانچہ الہام ہے کہ

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ

آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک کشش کا نزول ہے سعید تو دوستی کے رنگ میں چلے آتے ہیں مگر شقی بھی اس حصہ سے محروم نہیں۔ ان میں مخالفت کا جوش شعلے مار رہا ہے۔ جب کہیں ہمارا نام بھی اُن کے سامنے آجاتا ہے تو سانپ کی طرح بَل پیچ کھاتے اور بیخود ہو کر مجنونوں کی طرح گالی گلوچ تک آجاتے ہیں۔ ورنہ بھلا دنیا میں ہزاروں فقیر۔ لنگوٹی پوش بھنگی، چرسی، کنجر، بدمعاش، بدعتی وغیرہ پھرتے ہیں مگر ان کے لئے کسی کو جوش نہیں آتا اور کسی کے کان پر جُوں نہیں چلتی وہ چاہے بدمذہبیاں اور بے دینیاں کریں پھر بھی ان سے مست ہی ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ وہ چونکہ روحانیت سے خالی ہیں اس واسطے ان کے واسطے کسی کو کشش نہیں[2]۔

---

[1] (البدر سے) "جس طرح انسان کا جسم ایک ہیکل کی طرح بنا کر اس میں خدا تعالیٰ نے رُوح پھونکی ہے ویسے ہی ایک کشش بھی دلوں میں دی ہے جو کہ ان کو کھینچکر یہاں لا رہی ہے۔"
(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر میں مزید لکھا ہے) "مگر ہمارے لئے ہر ایک طرف سے کوشش ہے کہ یہ کاروبار رُکے مگر وہ بڑھتا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں کی فطرت اُلٹی ہے اس لئے اُن کو کشش بھی اُلٹی ہے" (البدر ایضاً ایضاً)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت میں ہزاروں ہزار لوگ اپنے کاروبار چھوڑ کر بھی آپ کی مخالفت کے لئے کمربستہ ہوئے۔ اپنے مالوں کا جانوں کا نقصان منظور کیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لئے دن رات تدبیروں منصوبوں میں کوشاں ہوئے مگر دوسری طرف مسیلمہ تھا ادھر کسی کو توجہ نہ تھی۔ اس کی مخالفت کے واسطے کسی کے کان بھی کھڑے نہ ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے جس طرح گھر گھر میں پھوٹ اور جدائی ہوتی تھی۔ مسیلمہ کے واسطے ہرگز نہ ہوئی۔ غرض صادق کے واسطے ہی ایک کشش ہوتی ہے جو دلوں کے ولولوں کو اُبھارتی اور جوش میں لاتی ہے۔ سعیدوں کے ولولے سعادت اور اشقیاء کے شقاوت کے رنگ میں پھل لاتے ہیں۔ شقی چونکہ اسی فطرت کے ہوتے ہیں۔ اس واسطے ان کے واسطے کشش بھی اُلٹے رنگ میں ثمرات لاتی ہے۔

(دربارِ شام)

ہندوؤں والی دھوتی پہننا۔ تشبّہ بالکفّار

ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ہندوؤں والی دھوتی باندھنی جائز ہے یا نہیں؟

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

تشبیہ بالکفار تو کسی رنگ میں بھی جائز نہیں۔ اب ہندو ماتھے پر ایک ٹیکہ سا لگاتے ہیں کوئی وہ بھی لگا لے۔ یا سر پر بال تو ہر ایک کے ہوتے ہیں مگر چند بال بودی کی شکل میں ہندو رکھتے ہیں اگر کوئی ویسے ہی رکھ لیوے تو یہ ہرگز جائز نہیں[1]۔ مسلمانوں کو اپنی ہر ایک چال میں وضع قطع

---

[1] (البدر میں ہے)۔ "مثلاً کوئی مسلمان ہندوؤں کی طرح بودی وغیرہ رکھ لیوے تو اگرچہ قرآن اور حدیث میں اس کا کہیں ذکر صریح نہیں ہے مگر چونکہ کفار سے اس میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس سے پرہیز چاہیئے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

میں غیرت مندانہ چال رکھنی چاہیئے۔ ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تہ بند بھی باندھا کرتے تھے اور سراویل بھی خریدنا آپ کا ثابت ہے جسے ہم پاجامہ یا تنبی کہتے ہیں۔ ان میں سے جو چاہے پہنے۔ علاوہ ازیں ٹوپی۔ کرتہ۔ چادر اور پگڑی بھی آپ کی عادت مبارک تھی۔ جو چاہے پہنے کوئی حرج نہیں۔ ہاں البتہ اگر کسی کو کوئی نئی ضرورت درپیش آئے تو اسے چاہیئے کہ ان میں سے ایسی چیز کو اختیار کرے جو کفار سے تشبیہ نہ رکھتی ہو اور اسلامی لباس سے نزدیک تر ہو۔[۱] جب ایک شخص اقرار کرتا ہے کہ میں ایمان لایا تو پھر اس کے بعد وہ ڈرتا کس چیز سے اور وہ کون سی چیز ہے جس کی خواہش اب اس کے دل میں باقی رہ گئی ہے کیا کفار کی رسوم اور عادات کی؟ اب اُسے ڈر چاہیئے تو خدا کا۔ اتباع چاہیئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کسی ادنیٰ سے گناہ کو خفیف نہ جاننا چاہیئے بلکہ صغیرہ ہی سے کبیرہ بن جاتے ہیں۔ اور صغیرہ ہی کا اصرار کبیرہ بن جاتے ہیں اور صغیرہ ہی کا اصرار کبیرہ ہے۔[۲]

ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی فطرت ہی نہیں دی کہ ان کے لباس یا پوشش سے فائدہ اُٹھائیں۔ سیالکوٹ سے ایک دو بار انگریزی جوتا آیا۔ ہمیں اس کا پہننا ہی مشکل ہوتا تھا۔ کبھی اِدھر کا اُدھر اور کبھی بائیں کا دائیں۔ آخر تنگ آ کر سیاہی کا نشان لگایا گیا کہ شناخت رہے مگر اس طرح بھی کام نہ چلا۔ آخر میں نے کہا کہ یہ میری فطرت ہی کے خلاف ہے کہ ایسا جوتا پہنوں

---

[۱] (البدر میں ہے)۔ "مسلمانوں کا پیرایہ اختیار کرنا عمدہ بات ہے۔ اس سے انسان مسلمان ثابت ہوتا ہے۔ حتی الوسع دوسرے کو اعتراض کا موقعہ نہ دینا چاہیئے جو لباس اسلام کا ہے اسی میں تقویٰ ہے" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹)

[۲] (البدر سے) "حتی الوسع اپنے آپ کو ایسے لباس سے بچانا چاہیئے کہ جس سے مشابہت کفار ہو جاتی ہے۔ جب لباس کفار کا ہے تو دوسرے انسان کو وہ کافر ہی نظر آوے گا۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ چھوٹی چھوٹی بات پر اصرار کرتا ہے تو آخر کار بڑی بڑی باتوں پر بھا جاتا ہے مگر جب مسلمان کہلاتا ہے تو اُسے کفار کے لباس کی کیا ضرورت ہے" (حوالہ مذکورہ بالا)

ظاہری دو راستوں سے کس کو اختیار کرے

اسی صاحب نے سوال کیا کہ اگر ایک شخص جاتا ہو اور ایک جگہ پر دو راہ جمع ہو جائیں۔ ایک دائیں اور دوسرا بائیں کو۔ تو کس راہ کی طرف جاوے؟ فرمایا کہ

اس سے اگر تمہاری مراد بھی جسمانی راہ ہے تو پھر اس راہ جاوے جس میں اس کی صحت نیت اور کوئی فساد نہیں۔ اور اگر جانتا ہے کہ ادھر بدبُو اور عفونت ہے یا کنجروں اور فاسقوں۔ خدا اور رسول کے دشمنوں کے گھر ہیں تو اس راہ کو چھوڑ دے۔ غرض صحت نیت کا خیال کرلے اور فساد کی راہ سے کلّی پرہیز کرے۔[1]

بے ایمانی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

ایک اور سوال کیا کہ بے ایمانی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ فرمایا کہ

بے ایمانی خدا کی معرفت نہ ہونے اور ایمان کے کامل درجہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ادھورا ایمان اس کی وجہ ہوتی ہے۔

ختمِ نبوت سے مُراد

ایک اور صاحب نے سوال کیا کہ حضور جب سلسلہ موسوی اور سلسلہ محمدی میں مماثلت ہے تو کیا وجہ ہے کہ اُس سلسلہ کے خادم تو نبی کہلائے مگر ادھر

---

[1] (البدر سے)۔ "فرمایا اگر سوال کا تعلق ظاہر راستوں سے ہے تو جو راستہ عافیت کا ہو اُدھر سے جاوے۔ مثلاً ایک راستہ میں مفسد لوگ کنجر وغیرہ آباد ہیں یا شراب خوری ہوتی ہے تو اس کو چھوڑ دیوے۔ اور اگر باطنی راستوں سے سوال کا تعلق ہے تو بھی وہی راستہ اختیار کرے جس میں صلاح اور تقویٰ ہو۔"

(البدر جلد نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

اس طرح کوئی بھی نبی نہ کہلایا؟ فرمایا کہ

مشابہت میں ضروری نہیں کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ بالکل آپس میں ایک دوسرے کے عین ہوں اور ان کا ذرہ بھی آپس میں خلاف نہ ہو۔ اب ہم جو کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو شیر ہے۔ تو اب اس میں کیا بھلا ضروری ہے کہ اس شخص کے جسم پر لمبے لمبے بال بھی ہوں۔ چار پاؤں بھی ہوں اور دُم بھی ہو اور وہ جنگلوں میں شکار بھی کرتا پھرے؟ بلکہ جس طرح من وجہ تشابہ ہوتا ہے ویسا ہی من وجہ مخالف بھی ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ[1] تو ہمیں ہی فرمایا ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کے خیر اور برکات تھے وہ اسی امت میں جمع ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ایسے وقت تک پہنچ گیا ہوا تھا کہ دماغی اور عقلی قوٰے پہلے کی نسبت بہت کچھ ترقی کر گئے تھے۔ اس زمانہ میں تو ایک گونہ جہالت تھی۔ اب کوئی کہے کہ اس طرح بھی تشابہ نہ ہوا تو یہ اس کا کہنا درست نہ ہوگا۔ نبوت جو اللہ تعالیٰ نے اب قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حرام کی ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اب اس امت کو کوئی خیر و برکت ملے گی ہی نہیں اور نہ اس کو شرف مکالمات اور مخاطبات ہوگا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مُہر کے سوائے اب کوئی نبوت نہیں چل سکے گی۔ اس اُمت کے لوگوں پر جو نبی کا لفظ نہیں بولا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد تو نبوت ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ ابھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے عالی جناب، اولو العزم صاحب شریعت کمال آنے والے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے واسطے یہ لفظ جاری رکھا گیا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ ہر ایک قسم کی نبوت بجزُ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بند ہو چکی تھی اس واسطے ضروری تھا کہ اس کی عظمت کی وجہ سے وہ لفظ نہ بولا جاتا۔ ما کان محمّد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین[2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جسمانی طور سے آپ کی اولاد کی نفی بھی کی ہے اور ساتھ ہی

[1] آل عمران : ۱۱۱ [2] الاحزاب : ۴۱

روحانی طور سے اثبات بھی کیا ہے کہ رُوحانی طور سے آپ باپ بھی ہیں اور رُوحانی نبوت اور فیض کا سلسلہ آپ کے بعد جاری رہے گا اور وہ آپ میں سے ہو کر جاری ہوگا۔ نہ الگ طور سے۔ وہ نبوت چل سکے گی جس پر آپ کی مُہر ہوگی۔ ورنہ اگر نبوت کا دروازہ بالکل بند سمجھا جاوے تو نعوذ باللہ اس سے تو انقطاع فیض لازم آتا ہے اور اس میں تو نحوست ہے اور نبی کی ہتک شان ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جو کہا کہ کنتم خیر امۃٍ[1] یہ جھوٹ تھا نعوذ باللہ۔ اگر یہ معنے کئے جاویں کہ آئندہ کیواسطے نبوت کا دروازہ ہر طرح سے بند ہے تو پھر خیر الامۃ کی بجائے شرالامم ہوئی یہ اُمّت۔ جب اس کو اللہ تعالیٰ سے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی نصیب نہ ہوا۔ تو یہ تو کالانعام بل ھم اضل ہوئی اور بہائم سیرت اسے کہنا چاہیئے نہ یہ کہ خیر الامم۔ اور پھر سورہ فاتحہ کی دعا بھی لغو جاتی ہے۔ اس میں جو لکھا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم[2]۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ ان پہلوں کے پلاؤ زردے مانگنے کی دعا سکھائی ہے؟ اور ان کی جسمانی لذات اور انعامات کے وارث ہونے کی خواہش کی گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر یہی معنے ہیں تو باقی رہ بھی کیا گیا جس سے اسلام کا علو ثابت ہووے۔ اس طرح تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کچھ بھی نہ تھی اور آپ حضرت موسیٰؑ سے مرتبے میں گرے ہوئے تھے کہ ان کے بعد تو ان کی امت میں سے سینکڑوں نبی آئے مگر آپ کی اُمت سے خدا تعالےٰ کو نفرت ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مکالمہ بھی نہ کیا کیونکہ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے آخر اس سے کلام تو کیا ہی جاتا ہے۔

نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سلسلہ جاری ہے مگر آپ میں سے ہو کر اور آپ کی مُہر سے۔ اور فیضان کا سلسلہ جاری ہے۔ ہزاروں اس امت میں سے مکالمات اور مخاطبات کے شرف سے مشرف ہوئے اور انبیاء کے خصائص اُن میں

[1] آل عمران: ۱۱۱ [2] الفاتحہ: ۶-۷

موجود ہوتے رہے ہیں سینکڑوں بڑے بڑے بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے ایسے دعوے کئے۔ چنانچہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک کتاب فتوح الغیب کو ہی دیکھ لو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی[1]
اگر خدا تعالیٰ نے خود ہی اس امت کو اعمٰی بنایا تھا تو عجب ہے خود ہی اسے اعمٰی بنایا اور خود ہی اعمٰی کے واسطے زجر اور توبیخ ہے کہ آخرت میں بھی اعمٰی ہوگی۔ اس امت بیچاری کے کیا اختیار۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ ایک شخص کسی کو کہے کہ اگر تو اس مکان سے گرجاوے گا تو تجھے قید کر دیا جاوے گا مگر پھر خود ہی اسے دھکا دیدے۔

گویا نبوت کا سلسلہ بند کر کے فرمایا کہ تجھے مکالمات اور مخاطبات سے بے بہرہ کیا گیا اور تو بہائم کی طرح زندگی بسر کرنے کے واسطے بنائی گئی اور دوسری طرف کہتا ہے کہ من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی۔[2] اب بتاؤ کہ اس تناقض کا کیا جواب ہے؟ ایک طرف تو کہا خیر امت اور دوسری جگہ کہہ دیا کہ تو اعمٰی ہے۔ آخرت میں بھی اعمٰی ہوگی۔ نعوذ باللہ۔ کیسے غلط عقیدے بنائے گئے ہیں۔

اور اگر کوئی باہر سے اس کی اصلاح کے واسطے آگیا تو بھی مشکل۔ اس امت کے نبی کی ہتک شان اور قوم کی بھی ناک کٹی ہوئی کہ اس میں گویا کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اصلاح کرنے کے قابل ہو سکے اور کسی کو یہ شرف مکالمہ عطا نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض آتا ہے کہ ایسے بڑے نبی ہو کر ان کی امت ایسی کمزور اور گئی گذری ہے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ بات یُوں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی امت میں نبوت ہے اور نبی ہیں مگر لفظ نبی کا بوجہ عظمت نبوت استعمال نہیں کیا جاتا لیکن برکات اور فیوض موجود ہیں۔

خدا کو پانے کی راہ

ایک شخص نے سوال کیا کہ وہ کیا راہ ہے جس سے انسان خدا کو پا سکے؟

[1،2] بنی اسرائیل: ۷۳

فرمایا:-

جو لوگ برکت پاتے ہیں ان کی زبان بند اور عمل ان کے وسیع اور صالح ہوتے ہیں پنجابی میں کہاوت ہے کہ کہنا ایک جانور ہوتا ہے اس کی بدبو سخت ہوتی ہے اور کرنا خوشبودار درخت ہوتا ہے سو ایسا ہی چاہیئے کہ انسان کہنے کی نسبت کر کے بہت کچھ دکھلائے۔ صرف زبان کام نہیں آتی۔ بہت سے ہوتے ہیں جو باتیں بہت بناتے ہیں اور کرنے میں نہایت سُست اور کمزور ہوتے ہیں۔ صرف باتیں جن کے ساتھ رُوح نہ ہو وہ نجاست ہوتی ہیں۔ بات وہی برکت والی ہوتی ہے جس کے ساتھ آسمانی نور ہو اور عمل کے پانی سے سرسبز کی گئی ہو۔ اس کے واسطے انسان خود بخود ہی نہیں کر سکتا۔ چاہیئے کہ ہر وقت دعا سے کام کرتا رہے اور درد و گداز سے اور سوز سے اس کے آستانہ پر گرا رہے اور اس سے توفیق مانگے ورنہ یاد رکھے کہ اندھا مریگا۔

دیکھو جب ایک شخص کو کوڑھ کا ایک داغ پیدا ہو جاوے تو وہ اس کے واسطے فکرمند ہوتا ہے اور دوسری باتیں اُسے بھول جاتی ہیں۔ اسی طرح جس کو رُوحانی کوڑھ کا پتہ لگ جاوے۔ اُسے بھی ساری باتیں بھول جاتی ہیں اور وہ سچے علاج کی طرف دوڑتا ہے مگر افسوس کہ اس سے آگاہ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ انسان کے واسطے یہ مشکل ہے کہ وہ سچی توبہ کرے ایک طرف سے توڑ کر دوسری طرف جوڑنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ ہاں مگر جسے خدا تعالیٰ توفیق دے۔ ہاں ادب سے حیا سے۔ شرم سے اُس سے دُعا اور التجا کرنی چاہیئے کہ وہ توفیق عطا کرے اور جو ایسا کرتے ہیں وہ پا بھی لیتے ہیں اور اُن کی سُنی بھی جاتی ہے صرف باتونی آدمی مفید نہیں ہوتا کپڑا جتنا سفید ہوتا ہے اور پہلے اس پر کوئی رنگ نہیں دیا جاتا۔ اتنا ہی عمدہ رنگ اس پر آتا ہے۔ پس تم اس طرح اپنے آپ کو پاک کرو تا تم پر خدائی رنگ عمدہ چڑھے۔ اہل بیت جو ایک پاک گروہ اور بڑا عظیم الشان گھرانا تھا۔ اس کے پاک کرنے کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔[1] یعنی میں ہی ناپاکی اور نجاست کو دُور کروں گا اور خود ہی ان کو پاک کیا تو بھلا اَور کون ہے جو خود بخود پاک صاف ہونے کی توفیق رکھتا ہو۔ پس لازمی ہے کہ اس سے دُعا کرتے رہو اور اسی کے آستانہ پر گرے رہو ساری توفیقیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۷ تا ۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۵ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

محمدی سلسلہ میں نبی کیوں نہ آئے؟

فرمایا:۔

رات کے سوال کا یہ حصہ کہ جب مماثلت ہے موسوی اور محمدی سلسلوں میں۔ تو محمدی سلسلے میں موسوی سلسلے کی طرح نبی کیوں نہ آئے؟ یہ حصہ ایسا ہے جس سے ایک انسان کو دھوکا لگ سکتا ہے۔ لہٰذا ہم اس کے متعلق زیادہ تشریح کر دیتے ہیں۔ اوّل تو وہی بات کہ مماثلت کے لئے ضروری نہیں کہ دوسرے کا وہ عین ہو۔ مشبّہ و مشبّہ بہ میں ضرور فرق ہوتا ہے۔ ایک خوبصورت انسان کو چاند سے مشابہت دے دیتے ہیں۔ مگر چاہیئے کہ ایسے انسان کا ناک نہ رہو۔ کان نہ ہوں۔ صرف ایک گول سفید چمکیلا سا ٹکڑا ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ مشابہت کے واسطے بعض حصہ میں مشابہت ضروری ہوتی ہے۔*

* البدر میں ہے۔ "مماثلت میں عین ہونا ضروری نہیں کیونکہ اگر بالکل وہی ہو گیا تو پھر وہی چیز ہوئی نہ مثال۔ اس لئے کچھ نہ کچھ فرق ہونا ضروری ہے۔ جیسے کسی کو اگر شیر کہا جاوے تو یہ ضرور نہیں کہ وہ کچا گوشت بھی کھاتا ہو اور اس کے دُم بھی ہو اور وہ جنگلوں میں رہتا ہو۔ وغیرہ صرف بعض صفات شجاعت وغیرہ میں اس کی مماثلت ہو گی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] الاحزاب: ۳۴

دیکھئے حضرت موسیٰؑ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مشابہت ہے اور اس میں صرف اعلیٰ جزو یہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک قوم کو جو فرعون کے ماتحت غلامی میں مبتلا تھی اور اُن کے حالات گندے ہو گئے تھے وہ خدا کو بھُول گئے تھے اور ان کے خیالات اور ہمتیں پست ہو گئی تھیں۔ موسیٰؑ نے اس قوم کو فرعون سے نجات دلائی اور ان کو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے قابل بنا دیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک قوم کو بتوں کی غلامی اور راہ و رسم کی قید سے نجات دلائی اور اپنے دشمن کو فرعون کی طرح ہلاک و برباد کیا۔ یہ مشابہت تھی۔[۱]

اگر غور سے دیکھا جاوے تو ہمارے نبی کریم کو آپ کے بعد کسی دوسرے کے نبی نہ کہلانے سے شوکت ہے اور حضرت موسیٰؑ کے بعد اور لوگوں کے بھی نبی کہلانے سے اُن کی کسرشان۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ بھی ایک نبی تھے اور ان کے بعد ہزاروں اور بھی نبی آئے تو اُن کی نبوت کی خصوصیت اور عظمت کوئی نہیں ثابت ہوتی۔ برعکس اس کے آنحضرت

[۱] البدر میں ہے۔ " مشابہت میں من وجہ مخالفت چاہیئے اور من وجہ مطابقت

حاشیہ: اور اس امت میں جو مراتب خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں وہ موسوی سلسلہ سے بہت زیادہ ہیں اگر اس کے برابر ہوتے تو پھر فضیلت کیا ہوئی۔ پھر جس قدر علوم کی کثرت اور وسعت اس وقت اس امت میں ہے کیا وہ موسوی امت میں تھی؟ چونکہ خدا تعالےٰ کا ارادہ تھا کہ اور کوئی شریعت اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ ہو گی اس لئے آپ کو وہ علوم اور الفاظ دیئے کہ کسی کو پھر نئی شریعت کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ خاتم النبیین کی آیت بتلا رہی ہے کہ جسمانی نسل کا انقطاع نہ کہ روحانی نسل کا۔ اس لئے جس ذریعہ سے وہ نبوت کی نفی کرتے ہیں اسی سے نبوت کا اثبات ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چونکہ کمال عظمت خدا تعالیٰ کو منظور تھی اس لئے لکھ دیا کہ آئندہ نبوت آپ کی اتباع کی مُہر سے ہو گی اور اگر یہ معنے ہوں کہ نبوت ختم ہے تو اس سے خدا تعالیٰ کے فیضان کے بُخل کی بُو آتی ہے۔ ہاں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک عظمت اور آپ کی نبوت کے لفظ کا پاس اور ادب کیا گیا ہے۔ کہ آپ کے بعد کسی دوسرے کو اس نام سے کسی طرح بھی شریک نہ کیا گیا۔

اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی ہزاروں بزرگ نبوت کے نور سے منور تھے اور ہزاروں کو نبوت کا حصہ عطا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے مگر چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم الانبیاء رکھا گیا تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ دوسرے کو بھی یہ نام دے کر آپ کی کسر شان کی جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہزارہا انسانوں کو نبوت کا درجہ ملا اور نبوت کے آثار اور برکات ان کے اندر موجزن تھے۔ مگر نبی کا نام۔ صرف شانِ نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور سدِ باب نبوت کی خاطر اُن کو اس نام سے ظاہراً ملقب نہ کیا گیا۔[1] مگر دوسری طرف چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض اور رُوحانی برکات کا دروازہ بند بھی نہ کیا گیا تھا اور نبوت کے انوار جاری بھی تھے۔ جیساکہ ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین[2] سے نکلتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- یہ معنے ہیں ہر ایک قسم کا کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا اور پھر آئندہ آپ کی مہر سے وہ کمال آپ کی امت کو ملا کریں گے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹)

[1] البدر سے:- "لیکن اگر اس امت میں کوئی بھی نبی نہ پکارا جاتا تو مماثلت موسوی کا پہلو بہت ناقص ٹھہرتا اور من وجہ امت موسوی کو ایک فضیلت ہو جاتی اس لئے یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے ایک شخص کو دیدیا جس نے مسیح ابن مریم ہو کر دنیا میں آنا تھا کیونکہ اس جگہ دو پہلو مدنظر تھے۔ ایک ختم نبوت کا، اُسے اس طرح نبھایا کہ جو نبی کے لفظ کی کثرت موسوی سلسلہ میں تھی اُسے اُڑا دیا۔ دوسری مشابہت، اُسے اس طرح سے پورا کیا کہ ایک کو نبی کا خطاب دیدیا۔ تکمیل مشابہت کے لئے اس لفظ کا ہونا ضروری تھا سو پُورا ہو گیا۔ اور جو مصلحت یہاں مدنظر تھی وہ موسوی سلسلہ میں نہیں تھی کیونکہ موسیٰ خاتم نبوت نہیں تھے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۰۲)

[2] احزاب : ۴۱

کی مُہر اور اذن سے اور آپ کے نُور سے نورِ نبوت جاری بھی ہے اور یہ سلسلہ بند بھی نہیں ہوا*۔ یہ بھی ضروری تھا کہ اسے ظاہراً بھی شائع کیا جاوے تاکہ موسوی سلسلہ کے نبیوں کے ساتھ آپ کی امت کے لوگ بھی مماثلت کے پُورا کرنے میں صاف طور سے نبی اللہ کا لفظ فرما دیا اور اس طرح سے دونو امور کا لحاظ نہائت حکمت اور کمال لطافت سے رکھ لیا گیا۔ ادھر یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسر شان بھی نہ ہو اور ادھر موسوی سلسلہ سے مماثلت بھی پوری ہو جاوے۔ تیرہ سو برس تک نبوت کے لفظ کا اطلاق تو آپ کی نبوت کی عظمت کے پاس سے نہ کیا اور اس کے بعد اب مدت دراز کے گذرنے سے لوگوں کے چونکہ اعتقاد اس امر پر پختہ ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی خاتم الانبیاء ہیں اور اب اگر کسی دوسرے کا نام نبی رکھا جاوے تو اس سے آنحضرت کی شان میں کوئی فرق بھی نہیں آتا اس واسطے اب نبوت کا لفظ مسیح کے لئے ظاہراً بھی بول دیا۔ یہ ٹھیک اسی طرح سے ہے جیسے آپ نے پہلے فرمایا تھا کہ قبروں کی زیارت نہ کیا کرو اور پھر فرما دیا کہ اچھا اب کر لیا کرو۔ پہلے منع کرنا بھی حکمت رکھتا تھا کہ لوگوں کے خیالات ابھی تازہ بتانہ

* البدر میں ہے۔ "نبوت کے معنے مکالمہ کے ہیں جو غیب کی خبر دیوے وہ نبی ہے۔ اگر آئندہ نبوت کو باطل قرار دوگے تو پھر یہ امت خیر امت نہ رہے گی۔ بلکہ کالانعام ہوگی اور سورہ فاتحہ کی تعلیم جس میں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم[1] ہے بیسود ٹھہرے گی کیونکہ انعام واکرام تو خدا کا اب کسی پر ہوتا نہیں تو پھر دعا کا فائدہ کیا ہوا؟ اور نعوذ باللہ یہ ماننا پڑا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں قدسی قوت ہی نہ تھی خدا تعالیٰ نے انسان کے نفس میں معرفت کی پیاس رکھ دی ہے اور خود ہی فرمایا ہے من کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ[2]۔ ادھر یہ کہا اور ادھر مکالمہ کا دروازہ بند ہوا تو پھر خدا نے دیدہ دانستہ اعمیٰ رکھا اور پھر والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[3] کے کیا معنے ہوئے؟ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۷ر اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] الفاتحہ: ۶-۷ [2] بنی اسرائیل: ۷۳ [3] العنکبوت: ۷۰

بُت پرستی سے ہٹے تھے تا وہ پھر اسی عادت کی طرف عود نہ کریں۔ پھر جب دیکھا کہ اب اُن کے ایمان کمال کو پہنچ گئے ہیں اور کسی قسم کے شرک و بدعت کو ان کے ایمان میں راہ نہیں تو اجازت دے دی۔ بالکل اسی طرح یہ امر ہے۔ پہلے تیرہ سو (۱۳۰۰) برس اُس عظمت کے واسطے نبوت کا لفظ نہ بولا اگرچہ صفتی رنگ میں صفت نبوت اور انوار نبوت موجود تھے اور حق تھا کہ اُن لوگوں کو نبی کہا جاوے مگر خاتم الانبیاء کی نبوت کی عظمت کے پاس کی وجہ سے وہ نام نہ دیا گیا۔ مگر اب وہ خوف نہ رہا تو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے واسطے نبی اللہ کا لفظ فرمایا۔ آپ کے جانشینوں اور آپ کی امت کے خادموں پر صاف صاف نبی اللہ بولنے کے واسطے دو امور مدنظر رکھنے ضروری تھے۔ اوّل عظمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دوم عظمت اسلام۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے پاس کی وجہ سے ان لوگوں پر ۱۳۰۰ برس تک نبی کا لفظ نہ بولا گیا تا کہ آپ کی ختم نبوت کی ہتک نہ ہو کیونکہ اگر آپ کے بعد ہی آپ کی امت کے خلیفوں اور صلحاء لوگوں پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا جیسے حضرت موسیٰؑ کے بعد لوگوں پر بولا جاتا رہا تو اُس میں آپ کی ختم نبوت کی ہتک تھی اور کوئی عظمت نہ تھی۔ سو خدا تعالیٰ نے ایسا کیا کہ اپنی حکمت اور لُطف سے آپ کے بعد ۱۳۰۰ برس تک اس لفظ کو آپ کی امت پر سے اُٹھا دیا تا آپ کی نبوت کی عظمت کا حق ادا ہو جاوے اور پھر چونکہ اسلام کی عظمت چاہتی تھی کہ اس میں بھی بعض ایسے افراد ہوں جن پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد لفظ نبی اللہ بولا جاوے اور تا پہلے سلسلہ سے اس کی مماثلت پوری ہو سو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے واسطے آپ کی زبان سے نبی اللہ کا لفظ نکلوا دیا۔ اور اس طرح پر نہایت حکمت اور بلاغت سے دو متضاد باتوں کو پورا کیا اور موسوی سلسلہ کی مماثلت بھی قائم رکھی اور عظمت اور نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی قائم رکھی[1]

[1] حاشیہ: البدر میں ہے :- محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عورت نبیہ نہیں ہوسکتی

سوال:- کیا کوئی عورت نبیہ ہوسکتی ہے؟ فرمایا:-

نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ الرجال قوامون علی النساء[1] اور وللرجال علیھن درجۃ[2]۔ عورتیں اصل میں مردوں کی ہی ذیل میں ہوا کرتی ہیں۔ جب صاحب درجہ اور صاحب مرتبہ کے واسطے ایک دروازہ بند کر دیا گیا تو یہ بیچاری ناقصات العقل کس حساب میں ہیں؟

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۹-۱۰ مورخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۶؍اپریل ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

بعد نماز مغرب حضرت اقدس نے اس تقریر کا اعادہ فرمایا جو کہ مورخہ ۱۵؍اپریل کی سیر میں درج ہو چکی ہے۔ اس کی تکمیل میں ایک نئی بات یہ فرمائی کہ

اس وقت میں امت موسوی کی طرح جو مامور اور مجددین آئے ان کا نام نبی نہ رکھا گیا تو اس میں یہ حکمت تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت میں فرق نہ آوے (جس کا مفصل ذکر قبل ازیں گذر چکا ہے) اور اگر کوئی نبی نہ آتا۔ تو پھر مماثلت میں فرق آتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم۔ ابراہیم۔ نوح اور موسیٰ وغیرہ میرے نام رکھے حتیٰ کہ آخر کار جری اللہ فی حلل الانبیاء کہا۔ گویا اس سے سب اعتراض رفع

البدر سے:- نبوت تشریعی جائز نہیں دوسری جائز ہے۔ مگر میرا اپنا مذہب یہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انعکاس سے جو نبوت ہو وہ جائز ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۰۲ مورخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] النساء: ۳۵ [2] البقرۃ: ۲۲۹

ہو گئے اور آپ کی امت میں ایک آخری خلیفہ ایسا آیا جو موسٰی کے تمام خلفاء کا جامع تھا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۱۷؍اپریل ۱۹۰۳ء

(دربارِ شام)

انجیل کی تعلیم ناقص ہے

کالجوں اور مدرسوں میں انجیل پڑھانے کے متعلق ذکر ہوتے ہوئے فرمایا کہ[1]

ہمیں تو تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ انجیل کو پیش کس خیال سے کرتے ہیں۔ اس کی تعلیم تو انسانی فطرت ہی کے خلاف پڑی ہوئی ہے۔ اور تو اور ایک درخت[2] کی طرح مثال خیال کرو اور اس کی مختلف شاخوں کو انسان کے مختلف قویٰ۔ انسان اس بات پر مجبور ہے کہ وہ مختلف اوقات پر مختلف قویٰ سے کام لیوے کیونکہ اس کی فطرت میں اس کی پیدائش کے

---

[1] البدر میں لکھا ہے۔ "دو گو بجوایٹ لاہور سے حضرت اقدس کی ملاقات کو تشریف لائے تھے۔ اُن کی آمد پر عیسویت کے متعلق ذکر چل پڑا۔ اس پر حضرت اقدس نے عیسویت کی تعلیم کے متعلق فرمایا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳)

[2] البدر میں ہے۔ "انسان کے قویٰ اور اخلاق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک درخت ہو اور اس کی بہت سی شاخیں ہوں اور سب اسی لئے ہوتی ہیں کہ پھل دیویں۔ ایسے ہی انسان کو جو اخلاق دیئے گئے ہیں اُن کے استعمال کے مختلف موقعے ہوتے ہیں۔ کبھی حلم کی قوت ہوتی ہے مگر وقت ان کے استعمال کا نہیں ہوتا۔ مصلحت اس سے کام لینے کا تقاضا نہیں کرتی۔ ایسے ہی غضب کا حال ہے۔ جس قدر قویٰ انسان لے کر آیا ہے حکمت الٰہی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ اپنے اپنے محل پر استعمال ہوں۔ ورنہ پھر خدا تعالیٰ کا فعل عبث ٹھہرتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

وقت سے ایسا ہی رکھا گیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کو ایک وقت ایک بجا اور برمحل غضب ہو تو اس کی جگہ حلم کرے اور ہمیشہ ایک قوت سے کام لے دوسرے قوے کے ظہور کا موقعہ ہی نہ آوے۔ اگر ایسا ہی خدا تعالیٰ نے کرنا تھا تو اتنے مختلف قویٰ کیوں انسان کو دیئے؟ صرف ایک عفو اور حلم ہی دیتا۔ باقی قویٰ سے جب کام لینا ہی گناہ تھا تو وہ عطا کیوں کئے؟ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ انسان کی انسانیت اور اخلاقِ فاضلہ ہی اسی میں ہیں کہ محل اور موقعہ کے مطابق اپنے قویٰ کا اظہار کرے۔ ورنہ اس میں اور حیوانوں میں مابہ الامتیاز کیا ہوا؟

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن سے ایک دو مرتبہ عفو اور درگذر کیا جاوے اور نیک سلوک کیا جاوے تو اطاعت میں ترقی کرتے اور اپنے فرائض کو پوری طرح سے ادا کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور بعض شرارت میں اور بھی زیادہ ترقی کرتے اور احکام کی پروا نہ کرکے ان کو توڑ دینے کی طرف دوڑتے ہیں۔ اب اگر ایک خدمت گار کو جو نہایت شریف الطبع آدمی ہے اور اتفاقاً اس سے ایک غلطی ہو گئی ہے اُسے اُٹھ کر مارنے اور پیٹنے لگ جائیں تو کیا وہ کام دے سکیگا؟ نہیں بلکہ اس سے تو عفو اور درگذر کرنا ہی اس کے واسطے مفید اور اس کی اصلاح کا موجب ہے مگر ایک شریر کو جس کا بارہا تجربہ ہو گیا ہے کہ وہ عفو سے نہیں سمجھتا بلکہ اور بھی شرارت میں قدم آگے رکھتا ہے تو اس کو تو ضرور سزا دینی پڑیگی اور اس کے واسطے مناسب یہی ہے کہ اُسے سزا دی جاوے۔

اس قانون کے سوا انجیلی تعلیم پر چل کر تو انسانی تمدن کا نظام چل سکتا ہی نہیں بھلا اگر ایسا ہی اُن کا مذہب تھا تو پھر عدالتوں کے قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ عدالتوں کے قوانین میں کیوں سزائیں مقرر ہیں؟ کسی مجرم کے واسطے کہیں قانون میں عفو کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ہر جُرم کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

انجیلی تعلیم نے صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا ہے۔ اگر ہمیں خدا تعالیٰ کی کتاب سے یہ امر نہ معلوم ہوتا کہ یہ مختص الزمان اور مختص المکان تعلیم ہے تو اس کے آسمانی اور الہامی ہونے میں تو انکار ہی کرنا پڑتا۔ کیونکہ بھاری بھاری ضرورتوں کے پورا کرنے کی اُس کے اندر وسعت نہیں۔ کیا اگر کسی شریر کو اس کی اصلاح کے لئے سزا دی جاوے تو وہ گناہ ہے اور کیا ایک شخص کو جو بدمعاش ہے اور چوری کر کے لوگوں کا مال مار چکا ہے اس کو عین محل پر سزا دی جاوے تو یہ بُرا ہے؟[1]

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہزاروں انسان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اصلاح ہی سزا اور چشم نمائی پر منحصر ہوتی ہے۔ لڑکے جو اُستادوں کے پاس تعلیم پاتے ہیں ان کو بھی کچھ نہ کچھ چشم نمائی کرنی پڑتی ہے۔ اگر وہ ہمیشہ اور ہر خطا پر عفو ہی کرتے رہیں تو لڑکا خراب ہو جاتا ہے۔ ایسی تعلیم اب یہ لوگ کرتے ہی کیوں ہیں؟ انہیں تو چاہیئے تھا اسے چھپاتے یہ تو زمانہ ہی ایسا تھا کہ اس کی تعلیم کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے۔ اگر کوئی انجیل پوچھتا بھی تو کہدیتے کہ انجیل فلاں الماری میں بھول گئی ہے اور آج وہاں رہ گئی ہے کل دیں گے اور اس طرح پر ہر روز ٹلاتے رہتے۔ کیونکہ انجیلی تعلیم موجودہ زمانہ میں اس قابل ہی نہیں کہ اس کی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھا جاوے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کبھی کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے اس تعلیم پر عمل کر کے دکھایا ہو۔ کسی پادری اور عیسائی کو جب یہ بات حاصل نہیں تو اور تو کوئی کیا کرے گا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مسیح نے بھی انجیل کی تعلیم کے موافق عمل کر کے نہیں دکھایا اور ان کا عمل ثابت نہیں ہے اور بیچارے کس شمار میں ہیں۔ اگر یہ تعلیم صحیح ہے تو چاہیئے تھا کہ عیسائی لوگ اب بھی کُرتہ مانگنے والے کو چادر دے دیتے اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دیتے مگر ہم کو افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ تکلف اور تصنع سے

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۶ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء

بھی برائے نام کسی نے اس پر عمل کر کے نہ دکھایا۔ کوئی تو انجیل کی عزت رکھنے والا ہوتا۔ برخلاف اس کے ایسا دیکھا گیا ہے کہ اگر ذرا سی بات بھی مشنریوں کے خلاف مزاج ہوئی تو عدالت تک پہنچاتے ہیں اور ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ سزا دلائی جاوے۔

مگر قرآن شریف اس کے مقابلے میں کیا تعلیم دیتا ہے۔ فرماتا ہے جزٰؤا سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفا و اصلح فاجرہٗ علی اللہ[1] (شوریٰ آیت ۴۱)۔ یعنی بدی کی سزا اسی قدر بدی ہے لیکن اگر کوئی معاف کر دے اور اس عفو میں اصلاح مدنظر ہو بگاڑ نہ ہو تو ایسے شخص کو خدا سے اجر ملے گا۔ دیکھو قرآن شریف نے انجیل کی طرح ایک پہلو پر زور نہیں دیا بلکہ محل اور موقعہ کے موافق عفو یا سزا کی کارروائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ عفو غیر محل نہ ہو۔ ایسا عفو نہ ہو کہ اس کی وجہ سے کسی مجرم کو زیادہ جرأت ہو اور دلیری بڑھ جاوے اور وہ اور بھی گناہ اور شرارت میں ترقی کرے۔ غرض دونو پہلوؤں کو مدنظر رکھا ہے۔ اگر عفو سے اس کی عادت بد جاتی رہے تو عفو کی تعلیم ہے اور اگر اصلاح سزا میں ہو تو سزا دینی چاہیئے۔※ اور پھر اگر قرآن شریف کی اور باقی تعلیموں کو بھی زمانہ کے ساتھ مطابق کرنا چاہیں تو اور کوئی تعلیم اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

دابۃ الارض

فرمایا:۔

قرآن شریف نے جو فرمایا اخرجنا لھم دابۃً من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بایٰتنا لا یوقنون[2] (نمل آیت ۸۳)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود جس کے

※ البدر سے۔ ”ایک ہی پہلو اختیار کرنا اور حلم اور عفو پر زور دینا اور وقت اور مصلحت کو نہ دیکھنا کس قدر خلاف عقل ہے۔ عقل ہمیں دکھلاتی ہے کہ ہزارہا انسان ہیں جو کہ سزا کے ذریعہ ہدایت یاب ہوتے ہیں“ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳)

[1] الشوریٰ: ۴۱ [2] النمل: ۸۳

وقت کے متعلق یہ پیشگوئی ہے اس کے دعاوی کا بہت بڑا انحصار اور دار و مدار نشانات پر ہوگا اور خدا تعالیٰ نے اسے بھی بہت سے نشانات عطا فرما رکھے ہوں گے کیونکہ یہ جو فرمایا کہ اِنَّ النَّاسَ كَانُوا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ[1] یعنی اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے نشانات کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور ان کو نہ مانا اس واسطے ان کو یہ سزا ملی۔ ان نشانات سے مراد صرف مسیح موعود کے نشانات ہیں ورنہ یہ امر تو ٹھیک نہیں کہ گناہ تو زید کرے اور اس کی سزا عمر کو ملے جو اس سے تیرہ سو سال بعد آیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر لوگوں نے نشانات دیکھے اور ان سے انکار کیا تو اس انکار کی سزا تو ان کو اسی وقت مل گئی اور وہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ اگر آیت سے وہی نشانات مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے تھے تو اب ہزاروں لاکھوں مسلمان ایسے ہیں کہ اگر اُن سے پوچھا بھی جاوے کہ بتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کون کون سے نشانات ظاہر ہوئے تو ہزاروں میں سے شاید کوئی ہی ایسا نکلے جس کو اس طرح پر آپ کے نشانات کا علم ہو ورنہ عام طور سے اب مسلمانوں کو خبر تک بھی نہیں کہ وہ نشانات کیا تھے اور کس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کی تائید میں ان کو ظاہر فرمایا مگر کیا اس لاعلمی سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ لوگ سارے کے سارے ان نشانات سے منکر ہیں اور ان کو وہ نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ مومن بھی ہیں۔ اگر ان کو علم ہو تو وہ ماننے بیٹھے ہیں اُن کو کوئی انکار نہیں۔ ان لوگوں کے متعلق تو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نشانات نہ ماننے کا لفظ لا سکتے ہی نہیں کیونکہ انہوں نے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی نبوت کی تفاصیل سمیت مان لیا ہوا ہے وہ انکار کیسے کر سکتے ہیں اور دیگر مذاہب کے لوگوں پر وہ نشانات اب حجت نہیں کیونکہ انہوں نے وہ دیکھے نہیں ہیں۔ جنہوں نے دیکھ کر انکار کیا تھا وہ ہلاک ہو چکے۔ موجودہ زمانہ کے لوگوں نے آپ کے نشانات دیکھے ہی نہیں تو وہ انکار کی وجہ سے ہلاک کیسے ہو سکتے ہیں؟

پس معلوم ہوا کہ ان نشانات سے مراد مسیح موعود ہی کے نشانات ہیں جن کا انکار

[1] النمل: ۸۳

کرنے کی وجہ سے عذاب کی تنبیہ ہے اور خدا تعالیٰ کا غضب ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مسیح موعود کے نشانات سے انکار کیا ہے۔ اور یہ خدائی فیصلہ ہے جس کو رد نہیں کیا جا سکتا یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ طاعون مسیح موعود کے انکار کی وجہ سے آئی ہے

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۸ر اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

دعوےٰ

نووارد مہمانوں میں سے ایک نے سوال کیا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ فرمایا

ہمارا دعویٰ مسیح موعود کا ہے جس کے کل عیسائی اور مسلمان منتظر ہیں۔ اور وُہ مَیں ہوں۔

پھر پوچھا کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ فرمایا

اب وقت تھوڑا ہے۔ سوال تو انسان چند منٹوں میں کر لیتا ہے مگر بعض اوقات جواب کے لئے چند گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ جب تک ہر ایک پہلو سے نہ سمجھایا جاوے تو بات سمجھ نہیں آیا کرتی اس لئے آپ کتابیں دیکھیں یا پھر کافی وقت ہو تو بیان کر دیئے جاویں گے۔

خاتم النبیین کی تشریح

دوسرے صاحب نے سوال کیا کہ خاتم النبیین کی شرح کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت اقدس نے اپنا وہی مذہب بیان کیا جو ۱۵ر اپریل کی ڈائری میں آچکا ہے۔ نیز فرمایا

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1]۔ جو جس سے پیار کرتا ہے تو اس سے کلام بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ جس سے پیار کرتا ہے تو اس سے بلا مکالمہ نہیں رہتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے جب انسان کو خدا پیار کرنے لگتا ہے تو اس سے کلام بھی کرتا ہے۔ غیب کی خبریں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ اسی کا نام نبوت ہے۔

مجلس قبل از عشاء

معرفت کی راہ

فرمایا:-

خدا تعالےٰ کی معرفت کی راہ بہت باریک اور تنگ ہے۔ اس لئے اس کا مشاہدہ انسان پر مشکل ہے۔ ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور اسی لئے انسان اس پر مائل ہو جاتا ہے مگر تاہم ایک حصہ امراض کا انسان کو ایسا لگا ہوا ہے کہ طبیب ہاتھ ملتے ہی رہ جاتے ہیں اور کچھ پیش نہیں جاتی۔

بعض دنیا دار اعتراض کرتے ہیں کہ دینداری اختیار کی تو مصیبت آئی مگر وہ بہت جھوٹے ہوتے ہیں۔ دیندار پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس کے ثواب اور معرفت کا موجب ہوتی ہے۔ اور دنیا دار پر جو مصیبت آتی ہے وہ اس کی لعنت کا موجب بن جاتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر مصیبت پڑی مگر کیا ہی پیاری مصیبت تھی کہ جیسی جیسی وہ بڑھتی جاتی ویسے ہی زور سے قرآن نازل ہوتا جاتا۔ وہ دَور گو جلدی ختم ہو گیا یعنی حضرت معاویہ تک ہی رہا۔ مگر نہ وہ رہے نہ یہ۔ ہاں سعید گروہ کے آثار قیامت تک رہے اور شقی کا نام بھی ندارد۔ کاش کہ ابوجہل کبھی زندہ ہو کر آتا تو دیکھتا کہ جس کو وہ حقیر اور ذلیل خیال کرتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی کیا شان بنائی ہے۔ مشرق اور مغرب تک کہاں کہاں بلادِ اسلامیہ پھیلے۔

[1] آل عمران : ۳۲

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو صحابہؓ فوت ہوئے انہوں نے تو وہ ترقیات نہ دیکھیں مگر جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا انہوں نے دیکھ لیں۔ اگر ابوجہل وغیرہ کو معلوم ہوتا کہ عروج ہوگا تو مثل غلاموں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جاتے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳-۱۱۴ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۲۰ر اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

حُبابِ ہستی

فرمایا

مجھے ہمیشہ تعجب آتا ہے کہ باوجود اس قدر بے بنیاد ہستی کے انسان دنیا میں بنیادیں قائم کرتا ہے۔ صرف ایک دم کی آمد و شد ہے اور کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ سلسلہ خدا تعالیٰ نے کیسا رکھا ہے کہ جو شخص یہاں سے رخصت ہو جاوے اس کو اجازت نہیں کہ واپس آکر وہاں کی خبر ہی بتلا جاوے۔ اس سے حکماء اور فلاسفر اور دانایانِ زمان سب عاجز ہیں ہاں اسی قدر پتہ ملتا ہے جو خدا کی کلام نے بتایا ہے۔

آدمی جو مرتا ہے اکثر اپنے بڑے بڑے تعلقات اور عزیز اور پیارے رشتہ دار چھوڑ جاتا ہے مگر معاً انتقال کے بعد ان سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ آج کل یورپ کو ہر ایک بات کی تلاش ہے چنانچہ امریکہ میں ایک شخص سے معاہدہ ہوا (جو واجب القتل تھا) کہ جب اس کا سر کاٹا جاوے تو اس کو بہت بلند آواز سے پکارا جاوے تو وہ آنکھ سے اشارہ کریگا۔ چنانچہ جب سر کاٹا گیا تو بڑے زور سے آوازیں دی گئیں مگر کچھ حرکت نہ ہوئی۔ سچ ہے ؎

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وہی سچ ہے ہاں موت اور نیند کو آپس میں مشابہت ہے۔

احیاءِ موتٰی

احیاءِ موتیٰ کے بارے میں سوال ہونے پر فرمایا کہ

اس میں ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ اعجازی طور پر بھی احیاءِ موتیٰ نہیں ہوتا بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ وہ شخص دوبارہ دنیا کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ مبارک احمد کی حیات اعجازی ہے۔ اس میں کوئی بحث نہیں کہ جس شخص کی باقاعدہ طور پر فرشتہ جان قبض کرلے اور زمین میں بھی دفن کیا جاوے وہ پھر کبھی زندہ نہیں ہوتا۔ شیخ سعدی نے خوب کہا ہے۔ ؎

واہ کہ گر مردہ باز گردیدے
درمیان قبیلہ و پیوند
ردِّ میراث سخت تر بُودے
وارثاں را زمرگ خویشاوند

خداتعالیٰ نے بھی فرمایا فیمسك التی قضٰی علیھا الموت[1] (زمر ۴۳)

حقیقتِ کشف

کشف کیا ہے اسی بیداری کے ساتھ کسی اور عالم کا تداخل ہو جاتا ہے۔ اس میں حواس کے معطل ہونے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کی بیداری بھی ہوتی ہے۔ اور ایک عالم غیبوبیت بھی ہوتا ہے یعنی حالت بیداری ہوتی ہے اور اسرارِ غیبی بھی نظر آتے ہیں۔

قتلِ انبیاء

قتل انبیاء پر سوال ہونے پر فرمایا۔

تورات میں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاوے گا۔ اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر قرآن کی نص صریح سے پایا جاوے یا حدیث کے تواتر سے ثابت ہو کہ نبی قتل ہوتے رہے ہیں تو

[1] الزمر: ۴۳

پھر ہم کو اس سے انکار نہیں کرنا پڑے گا۔ بہرحال یہ کچھ ایسی بات نہیں کہ نبی کی شان میں خلل انداز ہو کیونکہ قتل بھی شہادت ہوتی ہے۔ مگر ہاں ناکام قتل ہو جانا انبیاء کی علامات میں سے نہیں۔

یہ مصالح پر موقوف ہے کہ ایک شخص کے قتل سے فتنہ برپا ہوتا ہے تو مصلحتِ الٰہی نہیں چاہتی کہ اس کو قتل کرا کر فتنہ برپا کیا جاوے۔ جس کے قتل سے ایسا اندیشہ نہ ہو اس میں حرج نہیں۔

پھر فرمایا کہ

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے وہی کچھ حدیث میں ہے۔ ہاں بعض[1] باتوں کا استنباط ایسا اعلیٰ حدیثوں نے کیا ہے کہ دوسرے گو اس کو سمجھ نہیں سکتے ورنہ حدیث قرآن سے باہر نہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کا نام رکھا ہے مفصّلاً۔ اس پر ایمان ہونا چاہیئے بعض تفاسیر سوائے انبیاء کے اور کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ پھر اس طرح حدیث میں قرآن سے زائد کچھ نہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] البدر میں یہ عبارت یوں ہے۔ " ہاں یہ بات ہے کہ بعض لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات قرآن کے کس مقام سے استنباط کی ہے تو ان کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن میں نہیں ہے اور اصل بات یہ ہے کہ سب کچھ قرآن سے ہی لیا گیا ہے۔ مگر اس باریک در باریک استنباط کا لوگوں کا علم نہیں ہوتا خدا تعالیٰ نے قرآن کو کتاب مفصّل کہا ہے تو اس پر ایمان ہونا چاہیئے بعض استنباط سوائے انبیاء کے دوسرے کو سمجھ ہی نہیں آتے۔

اس پر مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ جیسے اب اس وقت مسیح موعودؑ اور اس زمانہ کے فتن کی خبر حضور نے سورہ فاتحہ سے استنباط کر کے بتلائی ہے آج تک کس کو خبر تھی کہ یہ سب کچھ قرآن میں ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۴ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

بلا تاریخ

ہر حالت حاملہ عورت کی طرح ہوتی ہے جیسے وہاں معلوم نہیں کہ کیا پیدا ہو۔ نہیں معلوم صبح کو کیا نتیجہ پیدا ہو۔ اس لئے متقی اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ ہر وقت تیار رہتا ہے یہ جان کر کہ معلوم نہیں کس وقت آواز پڑ جاوے۔

نبوّت

نبوّت کا لفظ ہمارے الہامات میں دو شرطیں رکھتا ہے اوّل یہ کہ اس کے ساتھ شریعت نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ بواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

ملائکہ

جو لوگ ملائک سے انکار کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان کو اتنا معلوم نہیں کہ دراصل جس قدر اشیاء دنیا میں موجود ہیں ذرہ ذرہ پر ملائکہ کا اطلاق ہوتا ہے اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ بغیر اس کے اذن کے کوئی چیز اپنا اثر نہیں کر سکتی یہانتک کہ پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہیں جا سکتا اور نہ وہ موثر ہو سکتا ہے وان من شیئ الا یسبح بحمدہٖ[1] کے یہی معنے ہیں اور ربّ کل شیئ خادمک کے بھی یہی معنے ہیں۔ یہی اسلام اور ایمان ہے اس کے سوا بدبودار چیز ہے۔

موت کی یاد

موت کا مضمون بہت ہی موثر مضمون ہے اگر یہ انسان کے اندر چلا جاوے تو انسان بدیوں سے بچنے کی بہت کوشش کرے۔ ابراہیم ادہم اور شاہ شجاع جیسے بادشاہوں پر اسی مضمون نے اثر کیا تھا جو سلطنتیں چھوڑ کر فقیر ہو گئے۔

[1] بنی اسرائیل: ۴۵

خلق اور امر میں فرق

جو چیز علل اور اسباب سے پیدا ہوتی ہے وہ خلق ہے اور جو محض کُن سے ہو وہ امر ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ[1]۔ عالم امر میں کبھی توقف نہیں ہوتا۔ خلق سلسلہ علل و معلول کا محتاج ہے جیسے انسان کا بچہ پیدا ہونے کے لئے نطفہ کا محتاج ہو پھر دوسرے مراتب طبعی اور طبابت کے قواعد کے نیچے ہوتا ہے مگر امر میں یہ نہیں ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۲ اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

وحی اور کشف میں فرق

فرمایا کہ

جب سماع* کے ذریعہ سے کوئی خبر دی جاتی ہے تو اسے وحی کہتے ہیں۔ اور جب

---

* الحکم میں اس سے پہلے ایک اور ذکر درج ہے۔ لکھا ہے:۔

"فرمایا۔ آج صبح جب میں نماز کے بعد ذرا لیٹ گیا تو الہام ہوا مگر افسوس ہے کہ ایک حصہ اس کا یاد نہیں رہا۔ ایک پہلے عربی کا فقرہ تھا اور اس کے بعد اس کا ترجمہ اردو میں تھا وہ اردو فقرہ یاد ہے۔ یہ بات آسمان پر قرار پا چکی ہے تبدیل ہونے والی نہیں۔ اور عربی فقرہ کچھ اس سے مشابہ تھا۔ تمہد و تمکّن فی السماء۔ مگر وہ اصل فقرہ بھول گیا۔ اور اس نسیان میں بھی کچھ منشاء الٰہی ہوتا ہے گویا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ اب تقدیر مبرم ہے اس میں اب تبدیلی نہیں ہوگی۔ غرض تغیرات قضاء و قدر کا ارادہ آسمان پر پختہ کیا گیا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] یٰسٓ: ۸۳

رؤیت کے ذریعہ سے کچھ بتلایا جاوے تو اسے کشف کہتے ہیں۔ اسی طرح میں نے دیکھا ہے کہ بعض وقت ایک ایسا امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق صرف قوت شامہ سے ہوتا ہے مگر اس کا نام نہیں رکھ سکتے جیسے یُوسف کی نسبت حضرت یعقوب کو خوشبو آئی تھی۔ انی لاجد ریح یوسف لو لا ان تفندون[1]۔ اور کبھی ایک امر ایسا ہوتا ہے کہ جسم اُسے محسوس کرتا ہے گویا کہ حواس خمسہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنی باتیں اظہار کرتا ہے۔*

* الحکم میں زیادہ تفصیل سے یُوں لکھا ہے:۔

"غرض تمام حواسِ خمسہ سے وحی ہوتی ہے اور ملہم کو قبل از وقت بذریعہ وحی ان باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ مثنوی رُومی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ چند قیدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پا بجولاں آئے۔ ان قیدیوں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ خیال تمہارا غلط ہے جس وقت تم لوگ گھوڑوں پر سوار اور ناز و نعمت میں بآرام چلتے تھے مَیں تو اس وقت تمہیں پابہ زنجیر دیکھ رہا تھا۔ اب مجھے تمہارے دیکھنے کی کیا خوشی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ الہام کے ساتھ عموماً کشوف بھی ہُوا کرتے ہیں۔

اشتہار تبلیغ میں مَیں نے اپنا ایک خواب درج کیا ہے کیا دیکھتا ہُوں کہ مَیں اپنے باغ میں سے سَیر کرکے نکلا ہُوں دیکھا کہ کچھ سوار گھوڑوں پر باغ میں داخل ہُوئے۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ اس کو پامال کر دیں گے۔ مَیں بھی ان کے عقب میں جا داخل ہوا ہُوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سب کہیں نظر نہیں آتے۔ جب وسط باغ میں گیا ہُوں تو دیکھا کہ سب کے سر اور ہاتھ اور پاؤں کٹے ہُوئے ہیں اور کھال اتاری ہُوئی ہے۔ مَیں نے رقّت میں آکر اور رو کر خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ یا اللہ یہ تیرا ہی کام تھا مَیں اکیلا ان کا مقابلہ کیا کر سکتا تھا۔ تو فوراً تعبیر تبلائی گئی کہ سر کا کٹنا غرور اور تکبّر کا ٹوٹنا ہے۔ ہاتھوں کا کٹنا یعنی انسان اپنے ہاتھوں سے اپنے بچاؤ اور دشمن کے قتل کی مدد لیتا ہے گویا ان کے اسباب امداد کٹ گئے۔ پاؤں سے انسان بھاگ سکتا ہے یعنی اب کوئی صورتِ مفر نہیں۔ کھال زینت اور پردہ ہوتا ہے یعنی ان تیرے مخالفوں کی زینت جاتی رہی اور پردہ دری ہوگئی۔ یہ اب پُورا ہو رہا ہے۔ پس ہر جگہ مارمیت اذ رمیت[2] سے ہی کام چلتا ہے انسان کی کیا طاقت ہے؟"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ بابت ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] یوسف: ۹۵ [2] الانفال: ۱۸

دہریّت

ہندوستان اور یورپ کی دہریّت میں فرق ہے۔ یورپ کے دہریہ اس خدا کے منکر ہیں جو مصنوعی ہے اور عیسائی لوگ وہاں اس کو دہریہ کہتے ہیں جو کہ مسیح کو خدا نہ مانے اور اب فسق و فجور نے بھی اثر ڈالا ہے۔ لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ سب اثر کفارہ پرستی کا ہے۔ تو اب وہ کیسے مانیں۔

قضاء عمری

ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ قضا عمری کیا شئے ہے جو کہ لوگ عیدالفطر سے پیشتر جمعہ کو ادا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ

میرے نزدیک یہ سب فضول باتیں ہیں۔ ان کی نسبت وہی جواب ٹھیک ہے۔ جو کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیا تھا جبکہ ایک شخص ایک ایسے وقت نماز ادا کر رہا تھا جس وقت میں نماز جائز نہیں۔ اس کی شکایت حضرت علیؓ کے پاس ہوئی تو آپ نے اسے جواب دیا کہ میں اس آیت کا مصداق نہیں بننا چاہتا۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی[1]۔ یعنی تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک نماز پڑھتے بندے کو منع کرتا ہے۔

نماز جو رہ جائے اس کا تدارک نہیں ہو سکتا ہاں روزہ کا ہو سکتا ہے۔

اور جو شخص عمداً سال بھر اس لئے نماز کو ترک کرتا ہے کہ قضا عمری والے دن ادا کر لونگا تو وہ گنہگار ہے اور جو شخص نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اور اس نیت سے پڑھتا ہے کہ آئندہ نماز ترک نہ کروں گا تو اس کے لئے حرج نہیں*۔ ہم تو اس معاملہ میں حضرت علیؓ ہی کا جواب دیتے ہیں۔

---

* (الحکم سے) "اگر ندامت کے طور پر تدارک مافات کرتا ہے تو پڑھنے دو کیوں منع کرتے ہو۔ آخر دعا ہی کرتا ہے ہاں اس میں پست ہمتی ضرور ہے۔ پھر دیکھو منع کرنے سے کہیں تم بھی اس آیت کے نیچے نہ آجاؤ۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ راپریل ۱۹۰۳ء)

[1] العلق: ۱۰، ۱۱

نماز کے بعد دُعا

سوال ہوا کہ نماز کے بعد دعا کرنا یہ سنت اسلام میں ہے یا نہیں؟ فرمایا

ہم انکار نہیں کرتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہوگی مگر ساری نماز دعا ہی ہے اور آج کل دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نماز کو جلدی جلدی ادا کر کے گلے سے اُتارتے ہیں۔ پھر دعاؤں میں اس کے بعد اس قدر خشوع خضوع کرتے ہیں کہ جس کی حد نہیں اور اتنی دیر تک دعا مانگتے رہتے ہیں کہ مسافر دو میل تک نکل جاوے۔ بعض لوگ اس سے تنگ بھی آجاتے ہیں تو یہ بات معیوب ہے۔ خشوع خضوع اصل جزو تو نماز کی ہے وہ اس میں نہیں کیا جاتا اور نہ اس میں دعا مانگتے ہیں۔ اس طرح سے وہ لوگ نماز کو منسوخ کرتے ہیں۔ انسان نماز کے اندر ہی ماثورہ دعاؤں کے بعد اپنی زبان میں دعا مانگ سکتا ہے۔

سُنّت معلوم کرنے کا طریق

جب اسلام کے فرقوں میں اختلاف ہے تو سنت صحیحہ کیسے معلوم ہو؟

اس کے جواب میں فرمایا کہ

قرآن شریف، احادیث اور ایک قوم کے تقویٰ طہارت اور سنت کو جب ملایا جاوے تو پھر پتہ لگ جاتا ہے کہ اصل سنت کیا ہے۔

نماز اور قرآن شریف کا ترجمہ جاننا ضروری ہے

مولانا محمد احسن صاحب نے فرمایا کہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون[1] سے ثابت ہے کہ انسان کو اپنے قول کا علم ضروری ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

جن لوگوں کو ساری عمر میں تعلموا نصیب نہ ہو ان کی نماز ہی کیا ہے۔

[1] النساء: ۴۴

ایک عورت کا ذکر کرتے ہیں کہ نماز پڑھا کرتی تھی. ایک دن اُس نے پوچھا کہ درود میں جو صل علیٰ محمد آتا ہے اس کے کیا معنے ہیں. خاوند نے کہا. محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول تھے اس پر اس نے تعجب کیا اور کہا کہ ہائے ہائے میں ساری عمر بیگانہ مرد کا نام لیتی رہی (یہ حالت آج کل اسلام اور مسلمانوں کی ہے اور پھر اس پر کہا جاتا ہے کہ ایک مزکّی انسان کی ضرورت نہیں ہے)

فرمایا. ہم ہرگز فتویٰ نہیں دیتے کہ قرآن کا صرف ترجمہ پڑھا جاوے. اس سے قرآن کا اعجاز باطل ہوتا ہے. جو شخص یہ کہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ قرآن دنیا میں نہ رہے بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں وہ بھی عربی میں پڑھی جاویں دوسرے جو اپنی حاجات وغیرہ ہیں ماثورہ دعا کے علاوہ وہ صرف اپنی زبان میں مانگی جاویں.

ایک شخص نے کہا کہ حضور حنفی مذہب میں صرف ترجمہ پڑھ لینا کافی سمجھا گیا ہے

فرمایا کہ

اگر یہ امام اعظم کا مذہب ہے تو پھر اُن کی خطا ہے.

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

صدقہ میں رد بلا ملحوظ ہوتی ہے اور یہ صدق سے نکلا ہے کیونکہ اس کے عملدرآمد میں انسان اللہ تعالیٰ کو صدق وصفا دکھلاتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہدیہ ہدایت سے نکلا ہے کہ آپس میں محبت بڑھے.

بعد وفات میّت کو کیا شئے پہنچتی ہے

فرمایا کہ

دعا کا اثر ثابت ہے ایک روایت میں ہے کہ اگر میت کی طرف سے حج کیا جاوے

توقبول ہوتا ہے اور روزہ کا ذکر بھی ہے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور یہ جو ہے لیس للانسان الآما سعیٰ[1]

فرمایا کہ

اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ بھائی کے حق میں دعا نہ قبول ہو تو پھر سورہ فاتحہ میں اھدنا کی بجائے اھدنی ہوتا۔

مجلس قبل از عشاء

ایک شخص کی موت کا ذکر ہوا۔ اس کا باعث بیان ہوا کہ فلاں مرض اور اسباب تھے۔ فرمایا کہ

جب انسان یہیں آکر ٹھہر جاوے کہ فلاں باعث موت کا ہے اور آگے نہ چلے تو ایسی باتیں معرفت کی روک ہیں اور اس سے نظر اسباب تک ہی رہتی ہے۔

لولا الاکرام لھلك المقام

فرمایا:۔

جب طاعون کی آگ بھڑک رہی ہے تو اب کوئی سوچے کہ ایک مفتری کہہ سکتا ہے لولا الاکرام لھلك المقام کیا ممکن نہ تھا کہ وہ خود ہی مر جاوے اور طاعون کا شکار ہو۔ اس وقت قادیان مثل مکہ ہے کہ اس کے اردگرد لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور یہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے بالکل امن ہے۔ مکہ کی نسبت بھی ہے یتخطف النّاس من حولھم[2] کہ لوگ اس کے گرد و نواح سے اچک لئے جاویں گے لولا الاکرام سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس سرزمین سے راضی نہیں ہے اور مجھے یہ بھی الہام ہوا ہے۔ ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم[3]۔

[1] النجم: ۴۰ [2] العنکبوت: ۶۸ [3] الانفال: ۳۴

آج کل چونکہ وبا کا زور ہے اس لئے نمازوں میں قنوت پڑھنی چاہیئے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۴ - ۱۱۵ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

---

۲۲ اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

گوشت خوری

آریوں کے مسئلہ گوشت خوری پر ذکر چلا۔ فرمایا کہ

انسانی زندگی کے واسطے دوسری اشیاء کی ہلاکت لازم پڑی ہوئی ہے مثلاً دیکھو ریشم جب ہی حاصل ہوتا ہے جب ریشم کے کیڑے مریں۔ پھر شہد کی مکھی کب چاہتی ہے کہ اس کا شہد لیا جاوے اکثر جونکیں خون پی کر مرجاتی ہیں۔ پھر ہوا میں کیڑے ہیں جو سانس سے مرتے ہیں جب یکجائی نظر سے خدائی کے کل دائرے کو دیکھا جاوے تو پھر سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا میں سلسلہ آکل اور ماکول کا برابر جاری ہے اور اس کے بغیر دنیا رہ ہی نہیں سکتی کہ بعض کی جان لی جاوے ورنہ اس طرح تو پھر کدو دانہ وغیرہ کیڑے جو پیٹ میں پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی نہ مارنا چاہیئے۔

ایک شخص نے کہا کہ حضور آریہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جو انسان کی طاقت سے باہر امر ہے اس میں اس پر الزام نہیں۔ فرمایا کہ

طاقت سے باہر تو وہ کہا جاوے گا جس کا تعلق انسانی زندگی سے نہ ہو اور جو اس کے اندر ہے وہ سب طاقت میں ہوگا۔ خدا تعالیٰ کا ہی یہ منشاء ہے کہ انسانی حفاظت کے واسطے بہت جانوں کو لیا جاوے۔ پھر فطرت انسانی میں بعض قوی ایسے ہیں کہ اگر گوشت نہ کھایا جاوے تو اُن کا نشوونما ہو ہی نہیں سکتا۔ شجاعت پیدا ہی نہیں ہوتی اس لئے سکھ وغیرہ اقوام جو گوشت خور ہیں وہ نسبتاً شجاعت بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ بنگالی گوشت خور ہیں مگر وہ ایسے بہادر نہیں ہوتے

فرمایا۔

ایسی حالتوں میں قوموں کی مجموعی حالت کو دیکھا کرتے ہیں کہ کس قدر اقوام گوشت خور ہیں اور کس قدر نہیں پھر مقابلتہً دیکھا جاوے کہ کونسی اقوام شجاعت میں بڑھ کر ہیں۔

مجلس قبل از عشاء

احمدیوں کی اقسام

فرمایا:۔

ہمارے مریدوں کے بھی کئی قسم کے طبقے ہیں۔ ایک تو طاعونی ہیں جو طاعون سے ڈر کر اس سے بچنے کی نیت سے اب آرہے ہیں[1]۔ دوسرے قمری اور شمسی ہیں جو کہ قمر اور شمس کا گرہن دیکھ کر داخل بیعت ہوئے۔

کچھ خوابی ہیں کہ بذریعہ خواب کے ان کی راہنمائی کی گئی[2]۔

بعض عقلی ہیں۔ انہوں نے عقل سے کام لے کر بیعت کی۔ بعض نقلی ہیں کہ حدیث آثار وغیرہ دیگر امور کو پورے ہوتے دیکھ کر ایمان لائے اور ابھی شائد اور بھی چند قسمیں ہوں۔

ہمارہ نقارہ

فرمایا کہ

اعداء کا وجود ہمارا نقارہ ہے یہ انہیں کی مہربانی ہے کہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ مثنوی

---

[1] الحکم میں ہے:۔ "ایک طاعونی جماعت ہے یعنی وہ جماعت جو طاعون کے نشان کو دیکھ کر اس سلسلہ میں داخل ہوئی ہے اور یہ جماعت کثرت کے ساتھ بڑھ رہی ہے"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۵ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

[2] حاشیہ۔ الحکم میں ہے:۔ "یہ گروہ بھی بڑا بھاری گروہ ہے" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸)

میں ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک چور ایک مکان کو نقب لگا رہا تھا۔ ایک شخص نے اُوپر سے دیکھ کر کہا کہ کیا کرتا ہے چور نے کہا کہ نقارہ بجا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا آواز تو نہیں آتی چور نے جواب دیا کہ اس نقارہ کی آواز صبح کو سُنائی دیوے گی۔ اور ہر ایک سُنے گا۔ ایسے ہی یہ لوگ شور مچاتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں تو لوگوں کو خبر ہوتی رہتی ہے۔

فلسفہ جدیدہ کا فائدہ

فلسفہ جدید نے اگرچہ نقصان بھی پہنچایا ہے مگر ایک صورت میں یہ مفید بھی ہوا ہے۔ بہت سی غیر معقول باتوں سے دلوں میں نفرت دلا دی ہے مثلاً یہ فرقہ شیعہ کہ جن کی اصلاح کی کبھی امید نہ تھی مگر اس فلسفہ سے متاثر ہو کر وہ بھی راہ راست پر آتے جاتے ہیں۔

صلحاء و اتقیاء سے محبت

ایک شخص کے اس سوال پر کہ اولیاء اللہ سے محبت رکھی جاوے کہ نہ فرمایا۔

ہم اس کے مخالف نہیں ہیں کہ صلحاء، اتقیاء اور ابرار سے محبت رکھی جاوے مگر حد سے گذر جانا حتٰی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو مقدم رکھنا یہ مناسب نہیں جیسے کہ گذشتہ ایام میں بعض شیعہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی اس میں لکھا تھا۔ کہ صرف امام حسینؑ کی شفاعت سے تمام انبیاء نے نجات پائی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان ہے۔ اس سے تو ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ نے غلطی کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اور امام حسینؑ پر نہ کیا۔[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۵ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

[1] حاشیہ۔ الحکم میں ہے:۔ " فرمایا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بلا تاریخ

ایمان یہی ہے کہ خدائی نصرتوں کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ جب وہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں کو دیکھتا ہے تب اس کا ایمان بڑھتا ہے اور معرفت اور بصیرت کی آنکھ کھُلنے لگتی ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی نصرتوں کی چمک نظر نہیں آتی۔ اس وقت تک یہ حالت تذبذب میں رہتا ہے لیکن جب اُن کی چمکار نظر آجاتی ہے اس وقت سینہ کی غلاظتیں دُور ہو جاتی ہیں اور اندر ایک صفائی اور نُور نظر آتا ہے۔ وہ حالت ہوتی ہے جب اس کے لئے کہا جاتا ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ‌ۃ

عبادت کے ساقط ہونے سے مراد

اہل اللہ کہتے ہیں کہ جب انسان عابد کامل ہو جاتا ہے اس وقت اس کی ساری عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ پھر خود ہی اس جُملہ کی شرح کرتے ہیں کہ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز روزہ معاف ہو جاتا ہے نہیں بلکہ اس سے یہ مطلب ہے کہ تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں

ہمارا ایمان ہے کہ بزرگوں اور اہل اللہ کی تعظیم کرنی چاہیئے لیکن حفظ مراتب بڑی ضروری شئے ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ حد سے گذر کر خود ہی گنہگار ہو جائیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا دوسرے نبیوں کی ہتک ہو جائے۔ وہ شخص جو کہتا ہے کہ کُل انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی امام حسینؓ کی شفاعت سے نجات پائیں گے اس نے کیسا غلو کیا ہے جس سے سب نبیوں کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہوتی ہے مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ان لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف میں اس قدر غلوّ کیا ہے مگر امام حسن رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے وقت ان لوگوں سے ایسا دلی جوش صادر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ معلوم نہیں کیا ہے۔ شاید یہی باعث ہو کہ انہوں نے عفرت معاویہ کی بیعت کرلی تھی۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مؤرخہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۳ء)

یعنی عبادات کو وہ ایسے طور پر ادا کرتا ہے جیسے دونو وقت روٹی کھاتا ہے وہ تکالیف مدرک الحلاوت اور محسوس اللذات ہو جاتی ہیں۔ پس ایسی حالت پیدا کرو کہ تمہاری تکالیف ساقط ہو جائیں اور پھر خدا تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور نہی سے بچنا فطرتی ہو جاوے۔ جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو گویا ملائکہ میں داخل ہو جاتا ہے جو یفعلون مایؤمرون[1] کے مصداق ہیں۔

ثواب عبادت ضائع ہونے کا مطلب

سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آدمی عارف اور عابد ہو جاتا ہے تو اس کی عبادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر خود ہی اس کی تشریح کرتے ہیں کہ اس کے یہ معنے ہیں کہ ہر نیکی کا اجر نقد پا لیتے ہیں یعنی جب نفس امارہ بدل کر مطمئنہ ہو جاتا ہے تو وہ تو جنت میں پہنچ گیا۔ جو کچھ پانا تھا پا لیا۔ اس لحاظ سے ثواب نہیں رہتا۔ مگر بات اصل یہ ہے کہ ترقیات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

عربی میں الہام کی وجہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سوا اگر ہم کسی اور راستہ پر چلتے تو ہماری کثرت الہام کسی دوسری زبان میں ہوتی۔ مگر جب کہ اسی خدا، اسی کی کتاب اور اسی نبی کے اتباع پر ہم چلانا چاہتے ہیں تو پھر ہم کیوں عربی زبان میں مثل لانے کی تحدّی نہ کریں؟

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب میں کسی کتاب کا مضمون لکھنے بیٹھتا ہوں اور قلم اُٹھاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی اندر سے بول رہا ہے اور میں لکھتا جاتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سلسلہ ہوتا ہے کہ جو شخص گناہ سے بچنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے اور اپنی موت کو یاد رکھنے سے اپنی مراد پا سکتا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۰ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] النحل: ۵۱

۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء

دربار شام

رُوْحٌ مِّنْہُ

انہی فیضی میں کسی ہندو نے ایک مضمون شائع کر دیا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت مسیحؑ کی نسبت روح اللہ کا لفظ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ کا مسیحؑ کو روحٌ منہ فرمانے سے اصلی مطلب یہ ہے کہ تا اُن تمام اعتراضات کا جواب دیا جاوے جو اُن کی ولادت کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھو ولادت دو قسم کی ہوتی ہے ایک ولادت تو وہ ہوتی ہے کہ اس میں روح الٰہی کا جلوہ ہوتا ہے اور ایک وہ ہوتی ہے کہ اس میں شیطانی حصہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ وشارکھم فی الاموال والاولاد[1] یہ شیطان کو خطاب ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے روحٌ منہ فرما کر یہودیوں کے اس اعتراض کو ردّ کیا ہے جو وہ نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کی ولادت کو ناجائز ٹھہراتے تھے۔ روحٌ منہ کہہ کر صاف کر دیا کہ ان کی ولادت پاک ہے۔

یہودی تو ایسے بیباک اور دلیر تھے کہ ان کے منہ پر بھی ان کی ولادت پر حملہ کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ مس شیطان سے پاک ہیں۔ اس میں بھی اس کی تصدیق ہے ورنہ تمام انبیاء اور صلحاء مس شیطان سے پاک ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ان کی صراحت اس واسطے کی ہے کہ ان پر ایسے ایسے اعتراض ہوئے کہ کسی نبی پر چونکہ نہیں ہوئے اس لئے اُن کے لئے صراحت کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ دوسرے نبیوں یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ ہوتے تو یہ بھی ایک قسم کی توہین ہے کیونکہ اگر ایک مسلّم و مقبول نیک آدمی کی نسبت کہا جاوے کہ وہ تو زانی نہیں یہ اس کی ایک رنگ میں ہتک ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تو خود اہل مکہ تسلیم کر چکے ہوئے تھے کہ وہ مس شیطان سے پاک

[1] بنی اسرائیل : ۶۵

ہیں. تب ہی تو آپ کا نام انہوں نے **امین** رکھا ہوا تھا اور آپ نے ان پر تحدی کی کہ فقد لبثت فیکم عمرًا۔[1] پھر کیا ضرورت تھی کہ آپ کی نسبت بھی کہا جاتا۔ یہ الفاظ حضرت مسیحؑ کی عزت کو بڑھانے والے نہیں ہیں. ان کی بریت کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایک کلنک کا بھی پتہ دے دیتے ہیں کہ ان پر الزام تھا۔

یاد رکھو کہ **کلمہ** اور **رُوح** کا لفظ عام ہے. حضرت مسیحؑ کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں ہے۔ یومن باللّٰہِ و کلماتِہٖ۔[2] اب اللہ تعالیٰ کے کلمات تو لا انتہا ہیں۔ اور ایسا ہی صحابہؓ کی تعریف میں آیا ہے اَیَّدَھُم بِرُوحٍ مِنْہُ۔ پھر مسیحؑ کی کیا خصوصیت رہی؟

حضرت مسیحؑ کی ماں کی نسبت جو صدیقہ کا لفظ آیا ہے یہ بھی دراصل رفع الزام ہی کے لئے آیا ہے۔ یہودی جو معاذ اللہ ان کو فاسقہ فاجرہ ٹھہراتے تھے۔ قرآن شریف نے صدیقہ کہہ کر اُن کے الزاموں کو دور کیا ہے کہ وہ صدیقہ تھیں۔ اس سے کوئی خصوصیت اور فخر ثابت نہیں ہوتا اور نہ عیسائی کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں بلکہ ان کو تو یہ امور پیش بھی نہیں کرنے چاہئیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

احمدیوں کی طاعون سے وفات پر اعتراض کا جواب

کسی نے اعتراض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں کوئی احمدی طاعون سے فوت ہوتا ہے؟ فرمایا کہ

یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے کہ انجام کو نہیں دیکھتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت جب ایک طرف کافر مرتے ہوں گے اور ایک طرف صحابہؓ بھی تو لوگ اعتراض تو کرتے ہوں گے کہ مرتے تو وہ بھی ہیں پھر فرق کیا؟ اس لئے ہمیشہ انجام کو دیکھنا چاہیئے۔ ایک وہ وقت تھا کہ

[1] یونس: ۱۷ [2] الاعراف: ۱۵۹

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکیلے تھے اور کوئی ساتھ نہ تھا۔ ہر ایک مقابلہ کے لئے تیار ہوتا۔ اب ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر طاعون سے ہمارے مرید مرتے جاتے ہیں تو پھر ہماری ترقی کیوں ہوتی جاتی ہے؟ اور ان کی جمعیت کیوں گھٹتی جاتی ہے؟

یہ اعتراض تو پھر سب پیغمبروں پر ہوگا اور ہم نے تو اسی لئے کشتی نوح میں لکھ دیا تھا کہ اگر عافیت کا پہلو نسبتاً ہماری طرف ہو تو ہم سچے اور موت تو سب کو آنی ہے۔ اس سے کس کو انکار ہے۔

طاعون کو جو ایک طرف شہادت اور ایک طرف عذاب کہا جاتا ہے۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے جس فریق کے لئے برکات ظاہر ہو رہے ہیں اُن کے لئے تو شہادت اور رحمت ہے اور جن کے لئے برکات ظاہر نہ ہوں اور کمی ہوتی جاوے ان کے لئے عذاب ہے۔ ہم کو اس سے دو فائدے ہیں اور ان کو دو نقصان ہیں اور پھر ہم بیس سال سے براہین میں یہ پیشگوئی عذاب کی شائع کر چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ان کافروں کو جس طرح چاہے عذاب دیوے۔ پھر جب ان لوگوں پر وہ عذاب ایک جنگ کے رنگ میں نازل ہوا تو کفار کے ساتھ صحابہؓ کیوں اس میں حصہ لیتے رہے؟ یہ امر اس لئے ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک پہلو اخفاء اور ایمان بالغیب کا بھی رہے۔

آج کل طاعون کی کثرت کے وقت اکثر سکھوں اور ہندوؤں کے گاؤں میں یہ علاج کیا جاتا ہے کہ اذان نماز بڑے زور اور کثرت سے ہر ایک گھر میں دلوائی جاتی ہے اس کی نسبت ایک شخص نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ فعل کیسا ہے؟ فرمایا کہ:-

اذان سراسر اللہ تعالیٰ کا پاک نام ہے۔ ہمیں تو حضرت علیؓ کا جواب یاد آتا ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ میں آریت الّذی ینھیٰ عبداً اذا صلیٰ[1] کا مصداق ہونا نہیں چاہتا۔ ہمارے نزدیک بانگ میں بڑی شوکت ہے اور اس کے دلوانے میں حرج نہیں (حدیث میں آیا ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے)

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

[1] العلق: ۱۰، ۱۱

۲۵ اپریل ۱۹۰۳ء

دربار شام

الہام

یا ارض ابلعی ماءک و یسماء اقلعی ✻

مولوی محمد حسین صاحب کے ذکر پر فرمایا کہ ☒

اصل میں اگر کوئی صاف دل اور بے تعصب ہو کر ہمارے دلائل سُنے تو اس کو معلوم ہو جاوے کہ درحقیقت ہم حق پر ہیں۔ ہمارا اُن کا اختلاف ہی کیا ہے۔

وفاتِ مسیح۔ احیائے موتٰی۔ خلقِ طیر

مسیحؑ کی حیات ممات کا بڑا مسئلہ ہے اور یہ ایسا صاف ہے کہ اس میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں پڑتی۔ شروع سے یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے اور وفات مسیحؑ اکثر اکابرین ملت کا مذہب ہے۔ صحابہؓ کا یہی مذہب تھا۔

رہا حضرت عیسٰیؑ کا احیاء موتٰی۔ اس میں روحانی احیاء موتٰی کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ اور ہم مانتے ہیں کہ رُوحانی طور پر مُردے زندہ ہوا کرتے ہیں اور اگر یہ کہو کہ ایک شخص مر گیا۔ اور پھر زندہ ہو گیا۔ تو یہ قرآن شریف یا احادیث سے ثابت نہیں ہے اور ایسا ماننے سے پھر قرآن شریف اور احادیث نبوی گویا ساری شریعت اسلام ہی کو ناقص ماننا پڑے گا کیونکہ ردّ الموتٰی کے متعلق مسائل نہ قرآن شریف میں ہیں نہ حدیث نے کہیں ان کی صراحت کی ہے۔ اور نہ فقہ

✻ یہ الہام اور اس کی تشریح البدر میں ۲۷ر اپریل کی ڈائری کے بعد درج ہے۔ دیکھئے صفحہ پر "طاعون کے متعلق ایک تازہ الہام" (مرتب)

☒ البدر میں لکھا ہے۔ "مقدمات کی نسبت ذکر ہوا۔ فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں ہم کو فتح دی ہے براہین میں یہ الہام موجود ہے" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

ہود: ۴۵

میں کوئی بات اس کے متعلق ہے۔ غرض کسی نے بھی اس کی تشریح نہیں کی۔ اس طرح پر یہ مسئلہ بھی صاف ہے۔*

پھر ان کا جانور بنانا ہے سو اس میں بھی ہم اس بات کے تو قائل ہیں⊛ کہ روحانی طور سے معجزہ کے طور پر درخت بھی ناچنے لگ جاوے تو ممکن ہے مگر یہ کہ انہوں نے چڑیاں بنا دیں اور انڈے بچے دے دیئے اس کے ہم قائل نہیں ہیں اور نہ قرآن شریف سے ایسا ثابت ہے۔ ہم کیا کریں ہم اس طور پر ان باتوں کو مان ہی نہیں سکتے جس طرح پر ہمارے مخالف کہتے ہیں کیونکہ قرآن شریف صریح اس کے خلاف ہے اور وہ ہماری تائید میں کھڑا ہے اور دوسری طرف بار بار کثرت کے ساتھ ہمیں الہام الٰہی کہتا ہے۔ قل عندی شھادۃٌ من اللہ فھل انتم مومنون۔ قل عندی شھادۃٌ من اللہ فھل انتم مسلمون۔

اب ان الہامات کے بعد ہم اَور کس کی بات سُنیں؟ اور وہ کون ہے جس کی آواز خدا تعالیٰ کی ان آوازوں کے بعد ہمارے دل کو لے سکے؟ مولوی محمد حسین صاحب نے تو خود لکھ دیا ہے کہ اہلِ کشف اور ولی الہام کی رُو سے احادیث کی صحت کر لیتے ہیں۔ بعض احادیث ائمہ اہلِ حدیث کے نزدیک موضوع ہوتی ہیں اور اہلِ کشف بذریعہ کشف اُن کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور وہ

---

* البدر میں ہے:۔ ”فرمایا۔ ہم اعجازی احیاء کے قائل ہیں مگر یہ بات بالکل ٹھیک نہیں ہے کہ ایک مُردہ اس طرح زندہ ہوا کہ وہ پھر اپنے گھر میں آیا اور رہا اور ایک عمر اس نے بسر کی اگر ایسا ہوتا تو قرآن ناقص ٹھہرتا ہے کہ اس نے ایسے شخص کی وراثت کے بارے میں کوئی ذکر نہ کیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم[1] کیا ہوا“ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶۔ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

⊛ البدر میں ہے:۔ ”فرمایا۔ اسی طرح ہم چڑیوں کو مانتے ہیں کہ وہ بھی ٹاپنے لگ گئی ہوں اور چڑیاں کیا شئے ہیں ہم تو یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک درخت بھی ٹاپنے لگے۔ مگر پھر بھی وہ خدا کی چڑیوں کی طرح ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ جس سے تشابہ بالخلق لازم آجاوے۔ بات قابلِ فیصلہ وفات مسیح ہے۔“ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

[1] المائدۃ : ۴

حق پر ہوتے ہیں۔ اب وہ خود ہی بتاویں کہ ہم کیا کریں۔ کیا ہم خدا تعالیٰ کے الہام کو مانیں یا کسی دوسرے کے قیل و قال کو؟

براہین احمدیہ موجود ہے اور وہ دشمنوں دوستوں سب کے ہاتھ میں ہے اس میں اسوقت سے ۲۵ سال پہلے کی وہ وہ پیشگوئیاں اور وعدے بھرے ہوئے ہیں جن کا اس وقت نام ونشان بھی نہ تھا۔ اور وہ اب بڑے زور شور سے اپنے سچے معنوں میں پوری ہو رہی ہیں کیا کوئی آدمی ایسی نظیر بتا سکتا ہے کہ کسی کاذب کو ایسے سامان ملے ہوں کہ پہلے اتنا عرصہ دراز اُس نے پیشگوئیاں کی ہوں اور وہ پھر اسی طرح پوری ہوئی ہوں اور وہ کامیاب ہو گیا ہو۔[۱]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۶ر اپریل ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

اجتہادی غلطی اور انبیاء

فرمایا کہ:۔

---

[۱] البدر میں ۲۵ر اپریل کی ڈائری مندرجہ ذیل دو باتیں لکھی ہیں جو الحکم میں نہیں حالانکہ الحکم کی باقی ڈائری مفصل ہے مگر معلوم ہوتا ہے یہ دو باتیں وہاں رہ گئی ہیں۔ البدر میں ہے:۔

نرمی

فرمایا۔ نرمی اس بات کا نام نہیں ہے کہ دوسرا اگر بامقابل پر نرمی کرتا رہا تو تم بھی کرتے رہو اور جب اس نے ذرا تیور بدلے تو تم نے بھی بدل لئے بلکہ جب فریق مقابل سختی کرے اور اس وقت تم نرمی کرو تو اس کا نام نرمی ہوگا۔

عمر کا اثر انسان پر

فرمایا کہ عمر کا بھی اثر انسان کے اخلاق اور عادات پر پڑتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خدا کے علم کے ساتھ بشر کا علم مساوی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انبیاء سے اجتہاد میں غلطیاں واقع ہوتی رہی ہیں اور پھر جب خدا تعالیٰ نے اس پر اطلاع دی تو اُن کو علم ہوا۔ یہودیوں کو مسیحؑ کے وقت یہی مغالطہ ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہاں داؤد کی بادشاہت قائم ہوئی ہے۔ اور یہی دعویٰ آخر کار رخنہ کا موجب ہوا۔ اگر پیغمبر پر ہر ایک تفصیل کھول دی جاتی تو پھر ہر ایک پیغمبر کو یہ علم ہوتا کہ میرے بعد فلاں پیغمبر آوے گا اور موسیٰ علیہ السلام کو علم ہوتا کہ میرے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ حالانکہ ان کا یہی خیال ہوگا کہ آپ بنی اسرائیل سے ہوں گے۔ اسی طرح آئندہ کے امور بعض وقت ایک نبی پر منکشف کئے جاتے ہیں مگر تفصیلی علم نہیں دیا جاتا۔ پھر جب ان کا وہ وقت آتا ہے تو خود بخود حقیقت کھُل جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو حکم ہو کر آئے تھے تو کیا آپ نے یہود کی کل باتیں تسلیم کرلی تھیں؟

مجلس قبل از عشاء

مخالفین کے حملے اور اُن کا جواب

ایک مقام کے چند ایک احباب آریوں کے ایک ایسے جلسے میں گئے تھے جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک تعلیم پر ناجائز اور فحش سے بھرے ہوئے نامعقول حملے ہو رہے تھے۔ اس پر حضرت اقدس نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا:۔

یہ لوگ ایسی محفلوں میں کیوں جاتے ہیں؟ اور جب ایسے ذکر اذکار شروع ہوں تو کیوں نہیں اُٹھ کر چلے آتے؟

ہماری رائے میں ہمارے احباب کو یہ طریق اختیار کرنا چاہیئے کہ اپنی ہفتہ وار کمیٹی میں

حاشیہ: چالیس سال تک انسان بہت سی بیہودگیاں کرتا ہے۔ اس کے بعد جب انحطاط شروع ہوتا ہے تو ساتھ ہی خیالات کا بھی انحطاط شروع ہوتا ہے۔ اور ایک تغیر عظیم انسان کے اندر ہوتا ہے۔"
(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

ایسی باتوں کی تردید کیا کریں اور بذریعہ اشتہار ان تمام لوگوں کو مدعو کیا کریں جو کہ اعتراض کرتے ہیں۔ یہ طریق نہایت امن اور عمدہ تبلیغ حق کا ہے اور غیرت دینی کے بہت اقرب ہے۔

نفی نبوت و اقرار نبوت

اعتراض۔ ایک شخص کی طرف سے یہ سوال پیش ہوا کہ مرزا صاحب اپنی تصنیفات میں کہیں نبوت کی نفی کرتے ہیں اور کہیں جواز۔

جواب۔ فرمایا:۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ ہم اگر نبی کا لفظ اپنے متعلق استعمال کرتے ہیں تو ہم ہمیشہ وہ مفہوم لیتے ہیں جو کہ ختم نبوت کا مخل نہیں ہے اور جب اس کی نفی کرتے ہیں تو وہ معنے مراد ہوتے ہیں جو ختم نبوت کے مخل ہیں۔

نیوگ اور طلاق

طلاق پر آریوں کے اعتراض سُنکر فرمایا کہ

اگر طلاق ایسا امر ہوتا جو کہ کانشنس کے خلاف ہے تو پھر دیگر اقوام بھی اسے بجا نہ لاتیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی ایسی قوم نہیں ہے جو ضرورت کے وقت عورت کو طلاق نہ دیتی ہو لیکن اگر نیوگ بھی ایسا ہی ہے تو آریوں کو چاہیئے کہ اپنی قوم کے معزز اور برگزیدہ کئی سو ممبر انتخاب کریں کہ جن کی اولاد نہ ہو اور پھر وہ اپنی عورتوں سے نیوگ کرادیں اور شائع کریں کہ فلاں فلاں صاحب اپنی عورت سے نیوگ کرواتے ہیں۔ جب تک وہ یہ نمونہ دکھلادیں۔ تب تک بحث فضول ہے اور جب وہ ایسا کریں تو پھر ہم کو ان پر کچھ افسوس نہ ہوگا۔ ہمارا اعتراض اس وقت تک ہے جب تک وہ اسے عملی طور پر قوم میں نہیں دکھلاتے۔ اسی طرح اگر وہ بالمقابل چاہیں تو ہم اہل اسلام کے رؤسا اور معزز لوگوں کی ایسی فہرست تیار کردیں گے جنہوں نے معقول وجوہات پر اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے۔

احمدی جماعت میں سے ایک صاحب نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ عورت کے رشتہ داروں نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی کہ بے وجہ اور بے سبب طلاق دی گئی ہے۔ مرد کے بیان سے یہ بات پائی گئی کہ اگر اسے کوئی سزا ہی کیوں نہ دی جاوے۔ مگر وہ اس عورت کو بسانے پر ہرگز آمادہ نہیں ہے۔ عورت کے رشتہ داروں نے جو شکایت کی تھی اُن کا منشاء تھا کہ پھر آبادی ہو۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

عورت مرد کا معاملہ آپس میں جو ہوتا ہے اس پر دوسرے کو کامل اطلاع نہیں ہوتی بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی فحش عیب عورتوں میں نہیں ہوتا مگر تاہم مزاجوں کی ناموافقت ہوتی ہے جو کہ باہمی معاشرہ میں مخلّ ہوتی ہے ایسی صورت میں مرد طلاق دے سکتا ہے۔ بعض وقت عورت گو ولی ہو اور بڑی عابد اور پرہیزگار اور پاکدامن ہو اور اس کو طلاق دینے میں خاوند کو بھی رحم آتا ہو بلکہ وہ روتا بھی ہو مگر پھر بھی چونکہ اس کی طرف سے کراہت ہوتی ہے اس لئے وہ طلاق دے سکتا ہے۔ مزاجوں کا آپس میں موافق نہ ہونا یہ بھی ایک شرعی امر ہے۔ ہم اب اس میں دخل نہیں دے سکتے۔ جو ہوا سو ہوا۔ مہر کا جو جھگڑا ہو وہ آپس میں فیصلہ کرلیا جاوے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶-۱۱۷ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۲۷؍اپریل ۱۹۰۳ء

بوقت سَیر

مسیح موعود کا حَکَم ہونا

جب مدت دراز گذر جاتی ہے اور غلطیاں پڑ جاتی ہیں تو خدا ایک حَکَم مقرر کرتا ہے جو ان غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت مسیحؑ کے سات سَو برس بعد

آئے۔ اس وقت ساتویں صدی میں ضرورت پڑی تو کیا اب چودھویں صدی میں بھی ضرورت نہ پڑتی۔ اور پھر جس حال میں کہ ایک ملہم ایک صحیح حدیث کو وضعی اور وضعی کو صحیح بذریعہ الہام قرار دے سکتا ہے اور یہ اصول ان لوگوں کا مسلّم ہے تو پھر حَکَم کو کیوں اختیار نہیں ہے ؟ ایک حدیث کیا اگر وہ ایک لاکھ حدیث بھی پیش کریں تو اُن کی پیش کب چل سکتی ہے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ذکر پر فرمایا کہ

انہوں نے لکھا تھا کہ ہم ہی نے اونچا کیا تھا اور ہم ہی اسے نیچا گرا دیں گے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اُنہوں نے چڑھانے کے لئے کیا کوشش کی تھی۔ ہم پر تو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا ذرہ بھر بھی احسان نہیں۔ ہاں اب گرانے کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی اور جتنی اس نے کی اور کسی نے مطلق نہیں کی مگر خدا تعالیٰ کے آگے کس کی پیش چلتی ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب کی شہادت قتل کے مقدمہ میں اور وہاں کرسی وغیرہ مانگنے کا ذکر ہوتا رہا۔ اس پر حضرتؑ نے فرمایا کہ

علماء دین کے واسطے ظاہری بلندی چاہنی عیب میں داخل ہے۔ قلوب میں عظمت ڈالنی انسانی ہاتھ کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک کشش ہوتی ہے جو کہ خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتی ہے ہم کیا کر رہے ہیں جو ہزارہا آدمی کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ سب خدا تعالیٰ کی کشش ہے۔ ان لوگوں کی علمیت اور حکمت۔ دانائی اُن کے کچھ کام نہ آئی۔ مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص دولت مند تھا مگر بیچارے کی عقل کم تھی۔ وہ کہیں جانے لگا تو اس نے گدھے پر بوری میں ایک طرف جواہر ڈالے اور وزن کو برابر کرنے کے واسطے ایک طرف اتنی ہی ریت ڈال دی۔ آگے چلتے چلتے اسے ایک شخص دانشمند ملا مگر کپڑے پھٹے ہوئے، بھوک کا مارا ہوا، سر پر پگڑی نہیں۔ اس نے اس کو مشورہ دیا کہ تُو نے ان جواھرات کو نصف نصف کیوں نہ دونو طرف ڈالا۔ اب ناحق جانور کو تکلیف دے رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تیری عقل نہیں برتتا۔ تیری عقل کے ساتھ نحوست ہے بلکہ میں تجھ بدبخت کا مشورہ بھی قبول نہیں کرتا۔

ادب

انسان کو چاہیئے جب کہیں جاوے تو سب سے نیچی جگہ اپنے لئے تجویز کرے۔ اگر وہ کسی اور جگہ کے لائق ہوگا تو میزبان خود اسے بُلا کر جگہ دے گا اور اس کی عزت کرے گا۔

عوام الناس کی کم فہمی

فرمایا۔ جن لوگوں کے دل میں کجی ہو وہ متشابہات کی طرف جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کیا انہوں نے آیات مبیّنہ سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے ایک حبشی عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر یہ منجانب اللہ ہوتا تو حبشن سے نکاح نہ کرتا۔ اس ذرہ سی بات پر ان کے تمام معجزات کو نظر انداز کر دیا۔

مجلس قبل از عشاء

معبّر کی رائے کا اثر

ایک شخص نے سوال کیا کہ جب خواب بیان کیا جاتا ہے تو یہ بات مشہور ہے کہ سب سے اوّل جو تعبیر معبّر کرے وہی ہوا کرتی ہے۔ اور اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے خواب بیان نہ کرنا چاہیئے۔ فرمایا

جو خواب مبشّر ہوں اس کا نتیجہ انذار نہیں ہو سکتا اور جو منذر ہے وہ مبشّر نہیں ہو سکتا اس لئے یہ بات غلط ہے کہ اگر مبشّر کی تعبیر کوئی معبّر منذر کی کرے تو وہ منذر ہو جاوے گا اور منذر مبشّر ہو جاوے گا۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ اگر کوئی منذر خواب آوے تو صدقہ و خیرات اور دُعا سے وہ بَلا ٹل جاتی ہے۔

تفاؤل

کسی کے نام سے بطور تفاؤل کے فال لینے پر سوال ہوا۔ فرمایا

یہ اکثر جگہ صحیح نکلتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی تفاؤل سے کام لیا ہے ایک دفعہ میں گورداسپور مقدمہ پر جارہا تھا اور ایک شخص کو سزا ملنی تھی۔ میرے دل میں خیال تھا کہ اسے سزا ہوگی یا نہیں؟ اتنے میں ایک لڑکا ایک بکری کے گلے میں رسّی ڈال رہا تھا اُس نے رسّی کا حلقہ بنا کر بکری کے گلے میں ڈالا اور زور سے پکارا کہ وہ پھنس گئی وہ پھنس گئی میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اُسے سزا ضرور ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح ایک دفعہ سیر کو جارہے تھے اور دل میں پگٹ کا خیال تھا کہ بڑا عظیم الشان مقابلہ ہے۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک شخص غیر از جماعت نے راستہ میں کہا السلام علیکم میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہماری فتح ہوگی۔

طاعون کے متعلق ایک تازہ الہام

قلنا یا ارض ابلعی ماءك ویا سماء اقلعی

اس الہام کے متعلق جہانتک میری رائے ہے وہ یہ ہے کہ یہ عام شہروں اور دیہات کے متعلق نہیں اور نہ اس سے دوام منع ثابت ہوتا ہے۔ غالباً یہی ہے کہ بعض دیہات اور شہروں میں جن کی نسبت خدا تعالےٰ کا ارادہ ہے چند مہینوں تک طاعون بند رہے گی۔ اور پھر جہاں خداوند قدیر چاہے پھر پھوٹ پڑے اور یہ بکلّی بند نہیں ہوگی جب تک وہ ارادہ بکمالِ تمام پورا نہ ہوجاوے جو آسمان پر قرار پایا ہے اور ضرور ہے کہ زمین اپنے مواد نکالتی رہے جب تک کہ خدا تعالےٰ کا ارادہ اپنے کمال کو نہ پہنچے۔

مرزا غلام احمد

الہام

جو مورخہ ۲۷؍اپریل ۱۹۰۳ء کو شام کو بیان فرمایا

رَبِّ اِنِّیْ مَظْلُوْمٌ فَانْتَصِرْ

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۷ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۲۸؍اپریل ۱۹۰۳ء
بوقت ظہر

مہندی اور وسمہ

مہندی اور وسمہ کی نسبت ذکر ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ

اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ وسمہ نہ لگانا چاہیئے یا مہندی لگائی جاوے یا وسمہ اور مہندی ملا کر۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۱ مورخہ ۸؍مئی ۱۹۰۳ء)

۲۹؍اپریل ۱۹۰۳ء
مجلس قبل از عشاء

دولت اور ناپائدار زندگی

ایک شخص کی نئی ایجاد کا ذکر ہوا کہ اس کی ایجاد بہت مقبول ہوئی ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ لکھوکھا روپیہ اب کماوے گا۔ فرمایا کہ

دنیا چند روزہ ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ دولت آوے گی اور ان کی نظر یہاں تک ہی محدود رہتی ہے۔ لیکن اگر زندگی نہ ہوئی تو کیا فائدہ؟ لوگوں کا دستور ہے کہ ہر ایک پہلو پر نظر نہیں ڈالتے

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۱ مورخہ ۸؍مئی ۱۹۰۳ء)

۳۰؍اپریل ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

ایک الہام

فرمایا کہ

مجھے الہام ہوا مگر اس کا آخری حصہ یاد ہے دوسرے الفاظ یاد نہیں رہے جو الفاظ یاد ہیں وہ یہ ہیں فِیْہِ خَیْرٌ وَّ بَرَکَۃٌ۔ اس کا ترجمہ بھی بتلایا گیا "اس میں تمام دُنیا کی بھلائی ہے۔"

حج نہ کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب

مخالفوں کے اس اعتراض پر کہ مرزا صاحب حج کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا

کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو خدمت خدا تعالیٰ نے اوّل رکھی ہے اس کو پس انداز کر کے دوسرا کام شروع کر دیوے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عام لوگوں کی خدمات کی طرح ملہمین کی عادت کام کرنے کی نہیں ہوتی۔ وہ خدا تعالےٰ کی ہدایت اور رہنمائی سے ہر ایک امر کو بجا لاتے ہیں۔ اگرچہ شرعی تمام احکام پر عمل کرتے ہیں مگر ہر ایک حکم کی تقدیم وتاخیر الٰہی ارادہ سے کرتے ہیں۔ اب اگر ہم حج کو چلے جاویں تو گویا اس خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والے ٹھہرینگے اور من استطاع الیہ سبیلاً[1] کے بارے میں کتاب حج الکرامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو حج ساقط ہے۔ حالانکہ اب جو لوگ جاتے ہیں اُن کی کئی نمازیں فوت ہوتی ہیں۔ ماموریں کا اول فرض تبلیغ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ۱۳ سال مکہ میں رہے آپؐ نے کتنی دفعہ حج کئے تھے ؟ ایک دفعہ بھی نہیں کیا تھا۔

---

[1] اٰل عمران : ۹۸

مسیح بے پدر

سوال:- کیا قرآن میں کوئی صریح آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ بلا باپ کے پیدا ہوئے تھے؟ فرمایا کہ

جواب:- یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے قصّہ کو ایک جا جمع کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش خارق طریق سے ٭ ہے ویسے ہی مسیح علیہ السلام کی بھی ہے پھر یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا حال بیان کیا ہے۔ یہ ترتیب قرآنی بھی بتلاتی ہے کہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی کی ہے یعنی جس قدر معجزنمائی کی قوت یحییٰؑ کی پیدائش میں ہے اس سے بڑھ کر مسیح کی پیدائش میں ہے۔ اگر اس میں کوئی معجزانہ بات نہ تھی تو یحییٰؑ کی پیدائش کا ذکر کرکے کیوں ساتھ ہی مریم کا ذکر چھیڑ دیا؟ اس سے کیا فائدہ تھا؟ اسی لئے کہ تاویل کی گنجائش نہ رہے۔ ان دونو بیانوں کا ایک جا ذکر کرنا اعجازی امر کو ثابت کرتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو گویا قرآن تنزّل پر آتا ہے جو کہ اس کی شان کے برخلاف ہے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ ان مثل عیسٰی عند اللّٰہ کمثل اٰدم۔[1] اگر مسیحؑ بن باپ کے نہ تھا تو آدمؑ سے مماثلت کیا ہوئی؟ اور وہ کیا اعتراض مسیحؑ پر تھا جس کا یہ جواب دیا گیا؟

تواریخی بات یہ بھی ہے کہ یہود آپ کی پیدائش کو اسی لئے ناجائز قرار دیتے تھے کہ آپ کا باپ کوئی نہ تھا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے یہود کو جواب دیا کہ آدم بھی تو بلا باپ پیدا ہوا تھا بلکہ بلا ماں بھی۔ بہ اعتبار واقعات کے جو اعتراض ہوا کرتے ہیں ان سے جواب کو دیکھنا چاہیئے اور اگر کوئی اُسے خلاف قانون قدرت قرار دیتا ہے تو اول قانون قدرت کی حدبست دکھلاوے

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۲ مورخہ ۸ رمئی ۱۹۰۳ء)

٭ "یعنی حضرت زکریا علیہ السلام بہت ہی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھی"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷رمئی ۱۹۰۳ء)

[1] آل عمران : ۶۰

یکم مئی ۱۹۰۳ء

دربار شام

رؤیا

فرمایا کہ

ایک رؤیا تھی تو وحشت ناک مگر اللہ تعالیٰ نے ٹال ہی دی۔ دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ بیل کو میدان میں ذبح کریں گے۔ مگر عملی کارروائی نہ ہوئی۔ ذبح نہ ہوا کہ جاگ آگئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں مسیح موعود کے دفن ہونے کا سِر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ مسیح موعود کی قبر میری قبر میں ہوگی۔ اس پر ہم نے سوچا کہ یہ کیا بھید ہے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر ایک قسم کی دُوری اور دُوئی کو دُور کرتا ہے اور اس سے اپنے اور مسیح موعود کے وجود میں ایک اتحاد کا ہونا ثابت کیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ کوئی شخص باہر سے آنے والا نہیں ہے بلکہ مسیح موعود کا آنا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا آنا ہے جو بروزی رنگ رکھتا ہے۔ اگر کوئی اَور شخص آتا تو اس سے دوئی لازم آتی اور غیرت نبوی کے تقاضے کے خلاف ہوتا۔

بروز میں دوئی نہیں ہوتی

اگر کوئی غیر شخص آجاوے تو غیرت ہوتی ہے لیکن جب وہ خود ہی آوے تو پھر غیرت کیسی؟ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر ایک شخص آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھے اور پاس اس کی بیوی بھی موجود ہو تو کیا اس کی بیوی آئینہ والی تصویر کو دیکھ کر پردہ کرے گی۔ اور اس کو یہ خیال ہوگا کہ کوئی نامحرم شخص آگیا ہے اس لئے پردہ کرنا چاہیئے اور یا خاوند کو غیرت محسوس ہوگی کہ کوئی اجنبی شخص گھر میں آگیا ہے اور میری بیوی سامنے ہے۔ نہیں بلکہ آئینہ میں انہیں خاوند بیوی کی شکلوں کا بروز ہوتا ہے۔ اور کوئی اس بروز کو غیر نہیں جانتا اور نہ ان میں کسی قسم کی دُوئی ہوتی ہے۔

یہی حالت مسیح موعود کی آمد کی ہے۔ وہ کوئی غیر نہیں اور نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جُدا ہے اور کسی نئی تعلیم یا شریعت کو لے کر آنے والا نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا بروز اور آپؐ کی ہی آمد ہے۔ جس وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کے آنے سے کوئی غیرت دامنگیر نہیں ہوئی بلکہ اس کو اپنے ساتھ ملایا ہے اور یہی بستر ہے آپ کے اس ارشاد میں کہ وہ میری قبر میں دفن کیا جاوے گا۔ یہ امر غایت اتحاد کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قدر تعریف کر کے بھی جو قرآن شریف میں کی گئی ہے اور آپؐ کو خاتم النبیین ٹھہرا کر بھی پھر کسی اَور کو آپ کے بعد نبوت کے تخت پر بٹھا دیتا تو آپ کی کس قدر کسرِ شان ہوتی اور اس سے نعوذ باللہ یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی بہت ہی کمزور ہے کہ آپ سے ایک شخص بھی ایسا تیار نہ ہو سکا جو آپ کی امت کی اصلاح کر سکتا۔ اس سے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان ہوتی بلکہ یہ امر جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے منافی غیرت بھی ہوتا۔ ہر شخص میں دنیا کے ادنیٰ ادنیٰ معاملات کے لئے غیرت ہوتی ہے تو کیا انبیاء علیہم السلام میں خدائی تعلقات میں بھی غیرت نہیں؟ معاذ اللہ اس قسم کے کلمات کفر کے کلمات ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے۔ اس سے کیا مراد تھی؟ یہی کہ آپ کی نبوت کے زمانہ میں اَور کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا تھا۔ ایسا ہی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ نے تورات کا ایک ورق دیکھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ یہی غیرت تھی جس سے چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے عمرؓ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے چہرہ کو نہیں دیکھتا۔ یہ سُنکر حضرت عمرؓ نے وہ کاغذ اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور اس طرح پر غیرت نبوی کا ادب کیا۔ بھلا جب ایک چھوٹی سی بات کے لئے آپ کا چہرہ غیرت سے سُرخ ہو گیا تھا تو کیا اگر وہی مسیحؑ جو بنی اسرائیل کا آخری رسُول تھا اگر آپ کی امت کی اصلاح

اور آپ کی ختم نبوت کی مُہر کو توڑنے کے واسطے آجاوے گا تو آپ کو غیرت نہ آئے گی۔[۱]
اور کیا خدا تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قدر ہتک کرنا چاہتا ہے؟ افسوس ہے یہ لوگ مسلمان کہلا کر اور آپ کا کلمہ پڑھ کر بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں اور آپ کو خاتم النبیین مان کر پھر آپ کی مُہر کو توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ پسند کرتا ہے کہ اس قدر تعریفوں کے بعد جو قرآن شریف میں آپ کی گئی ہیں آپؐ سے یہ سلوک کرے۔ معاذ اللہ۔

امام حسینؓ کا قرآن میں ذکر نہیں

شیعہ لوگوں کے ذکر پر فرمایا:۔

ہمیں ان لوگوں کی حالت پر رحم آتا ہے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی ہی شان اور عظمت تھی جو یہ بیان کرتے ہیں اور کُل نبیوں کی نجات ان ہی کی شفاعت سے ہوئی ہے تو پھر تعجب ہے کہ قرآن شریف میں آپ کا نام ایک مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے نہ لیا زیدؓ جو ایک معمولی صحابی تھے ان کا نام تو قرآن نے لے لیا مگر امام حسین رضی اللہ عنہ کا جو ایسے جلیل القدر منجی اور کُل انبیاء علیہم السلام کے شفیع تھے ان کا نام بھی قرآن شریف نے نہ لیا۔ کیا قرآن شریف کو بھی اُن سے کچھ عداوت تھی؟

اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن شریف میں تحریف ہو گئی ہے[۲] اور آپ کا نام بھی محرف مبدل

---

[۱] البدر سے:۔ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی غیرت کب تقاضا کرتی ہے کہ آپ کی کُرسی پر دوسرا بیٹھے؟ اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف کرے اور آپ کا درجہ بلند کرکے آپ کو ہر طرح کے سُکھ اور آرام کا مالک بنادے اور آخر میں آکر یہ دُکھ دیوے کہ آپ کی کُرسی پر غیر کو بٹھا دیوے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۲ مورخہ ۸ رمئی ۱۹۰۳ء)

[۲] جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

ہوگیا ہوگا تو یہ الزام بھی انہی کی گردن پر ہے کیونکہ جن کی طرف یہ تحریف منسوب کی جاتی ہے اُن کی وفات کے بعد جناب علی رضی اللہ عنہ تو زندہ تھے اور وہ اپنے وقت کے مقتدر خلیفہ تھے۔شیرِ خدا تھے۔ جب اُن کو یہ معلوم تھا کہ اس قرآن میں تحریف کی گئی ہے تو کیوں انہوں نے اس کو درست نہ کیا؟ اُن کو چاہیئے تھا کہ اصل قرآن شریف کی اشاعت کرتے اور اس کو درست کر دیتے لیکن جبکہ انہوں نے بھی یہی قرآن رکھا اور اپنا صحیح اور درست قرآن شائع نہ کیا۔ تو یہ الزام بھی اُن کے اپنے ہی سر رہا۔ اُن کا حق تھا اور ان پر فرض تھا کہ جب اصل قرآن شریف گُم کر دیا گیا تھا تو اس وقت تو بھلا وہ خوف کے مارے کچھ نہ کر سکتے تھے مگر اُن کی وفات کے بعد تو اُن کو موقعہ تھا کہ لوگوں میں اس امر کا اعلان کر دیتے کہ اصل قرآن شریف یہ ہے۔ اور جو تمہارے پاس ہے وہ محرف مبدل ہوگیا ہے۔ مگر جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر یہ الزام ان پر رہا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۳ء)

ھوشعنا

براہین میں یہ الہام حضرت اقدس کا درج ہے یہ ایک عبرانی لفظ ہے جس کے معنے ہیں " نجات دے " فرمایا کہ

یامسیح الخلق عدوانا کا مضمون اس سے ملتا جلتا ہے۔

قوم میں کونسی رُوح ہو تو قوم بنتی ہے

فرمایا:-

ایک مامور کی اطاعت اس طرح ہونی چاہیئے کہ اگر ایک حکم کسی کو دیا جاوے تو خواہ اس کو مقابلہ پر دشمن کیسا ہی لالچ اور طمع کیوں نہ دیوے یا کسی عجز۔ انکساری اور خوشامد درآمد

کیوں نہ کرے مگر اس حکم پر ان باتوں میں سے کسی کو بھی ترجیح نہ دینی چاہیئے اور کبھی اس کی طرف التفات نہ کرنی چاہیئے۔ سیرت اور خصلت اس قسم کی چاہیئے کہ جس سے دوسرے آدمی پر اثر پڑے اور وہ سمجھے کہ ان لوگوں میں واقعی طور پر اطاعت کی روح ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہ ملے گا کہ اگر کسی کو ایک دفعہ اشارہ بھی کیا گیا ہے تو پھر خواہ بادشاہ وقت نے ہی کتنا ہی زور کیوں نہ لگایا مگر اس نے سوائے اس اشارہ کے اور کسی کی کچھ مانی ہو اطاعت پوری ہو تو ہدایت پوری ہوتی ہے۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو خوب سُن لینا چاہیئے اور خدا تعالیٰ سے توفیق طلب کرنی چاہیئے کہ ہم سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۲۳ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۲ مئی ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

مہر

مہر کے متعلق ایک شخص نے پوچھا کہ اس کی تعداد کس قدر ہونی چاہیئے؟

فرمایا کہ

تراضی طرفین سے جو ہو اس پر کوئی حرف نہیں آتا اور شرعی مہر سے یہ مراد نہیں کہ نصوص یا احادیث میں کوئی اس کی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اس سے مراد اس وقت کے لوگوں کے مروجہ مہر سے ہوا کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ خرابی ہے کہ نیت اَور ہوتی ہے اور محض نمود کے لئے لاکھ لاکھ روپے کا مہر ہوتا ہے۔ صرف ڈراوے کے لئے یہ لکھا جاتا ہے کہ مرد قابو میں رہے اور اس سے پھر دوسرے نتائج خراب نکل سکتے ہیں۔ نہ عورت والوں کی نیت لینے کی ہوتی ہے اور نہ خاوند کی دینے کی۔

میرا مذہب یہ ہے کہ جب ایسی صورت میں تنازعہ آ پڑے تو جب تک اس کی نیت ثابت

نہ ہو کہ ہاں رضا و رغبت سے وہ اسی قدر مہر پر آمادہ تھا جس قدر کہ مقرر شدہ ہے۔ تب تک مقررہ مہر نہ دلایا جاوے اور اس کی حیثیت اور رواج وغیرہ کو مدنظر رکھ کر پھر فیصلہ کیا جاوے کیونکہ بدنیتی کی اتباع نہ شریعت کرتی ہے اور نہ قانون۔

مولوی محمد حسین کی حالت پر تعجب

مولوی محمد حسین بٹالوی کے ریویو کا ذکر چلا جو کہ براہین پر لکھا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہمیں اس کی حالت پر تعجب ہے کہ جس وقت ایک درخت کا ابھی تخم ہی زمین میں ڈالا گیا ہے اور کسی طرح کا نشو ونما اس نے نہیں پایا نہ پتہ نکلا ہے نہ پھل لگا ہے نہ کوئی پھول تو اس معدومی کی حالت میں تو اس کی تعریف کی جاتی ہے کہ اس کی نظیر ۱۳ سو سال میں کہیں نہیں ملتی اور اب جب وہ درخت پھلا اور پھولا اور نشو و نما پائی تو اس کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے۔ ابتدا میں ہمارے دعویٰ کی مثال رات کی تھی۔ اس وقت تو شپر کی طرح اسے قبول اور پسند کیا اور اب جب دن چڑھا اور سورج کی طرح وہ چمکا تو آنکھ بند کر لی۔

جن ایام میں شناخت کے آثار نہ تھے اور اس وقت یہ امر مخفی اور مستور تھا تو ریویو لکھے اور رائے ظاہر کی۔ اب یہ وقت آیا تھا کہ وہ اپنے ریویو پر فخر کرتا کہ دیکھو جو باتیں میں نے اول کہی تھیں وہ آج پوری ہو رہی ہیں اور میری اس فراست کے شواہد پیدا ہو گئے ہیں مگر افسوس کہ اب وہ اپنی فراست کے خود ہی دشمن ہو گئے۔ ہم نے کونسی بات نئی کی ہے۔ جس حَکَم کے وہ لوگ منتظر ہیں بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس نے آکر ہر ایک رطب و یابس کو قبول کر لینا ہے اور وہ وحی کی پیروی کرے گا یا کہ ان مختلف مولویوں کی؟ اگر اس نے آکر انہی کی ساری باتیں قبول کر لینی ہیں تو پھر اس کا وجود بیہودہ ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳ مورخہ ۸؍مئی ۱۹۰۳ء)

دربارِ شام

دُعا اور الہام

فرمایا:۔

آج ہم نے عام طور پر بہت سے بیماروں کے لئے دُعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا **آثارِ صحت**۔ یہ نہیں معلوم کہ کس شخص کے متعلق ہے۔ دعا عام تھی۔

ہدایت مجاہدہ اور تقوےٰ پر منحصر ہے

فرمایا کہ

جو شخص محض اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی راہ کی تلاش میں کوشش کرتا ہے اور اس سے اس امر کی گرہ کشائی کے لئے دعائیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون (والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[1] یعنی جو لوگ ہم میں سے ہو کر کوشش کرتے ہیں ہم اپنی راہیں ان کو دکھا دیتے ہیں) کے موافق خود ہاتھ پکڑ کر راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اسے اطمینانِ قلب عطا کرتا ہے اور اگر خود دل ظلمت کدہ اور زبان دعا سے بوجھل ہو اور اعتقاد شرک وبدعت سے ملوث ہو تو وہ دعا ہی کیا ہے اور وہ طلب ہی کیا ہے جس پر نتائجِ حسنہ مترتب نہ ہوں۔ جب تک انسان پاک دل اور صدق و خلوص سے تمام ناجائز رستوں اور امید کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کر کے خدا تعالےٰ ہی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اس وقت تک وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اللہ تعالےٰ کی نصرت اور تائید اُسے ملے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ ہی کے دروازہ پر گرتا اور اسی سے دُعا کرتا ہے تو اس کی یہ حالت جاذبِ نصرت

[1] العنکبوت: ۷۰

اور رحمت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ آسمان سے انسان کے دل کے کونوں میں جھانکتا ہے اور اگر کسی کونے میں بھی کسی قسم کی ظلمت یا شرک و بدعت کا کوئی حصہ ہوتا ہے تو اُس کی دعاؤں اور عبادتوں کو اُس کے مُنہ پر اُلٹا مارتا ہے اور اگر دیکھتا ہے کہ اس کا دل ہر قسم کی نفسانی اغراض اور ظلمت سے پاک صاف ہے تو اس کے واسطے رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور اُسے اپنے سایہ میں لے کر اُس کی پرورش کا خود ذمہ لیتا ہے۔

اس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے اور اس پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ آتے ہیں اور وہ صاحب اغراض ہوتے ہیں۔ اگر اغراض پورے ہو گئے تو خیر ورنہ کدھر کا دین اور کدھر کا ایمان[1]۔ لیکن اگر اس کے مقابلہ میں صحابہؓ کی زندگی میں نظر کی جاوے۔ تو اُن میں ایک بھی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا۔ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ ہماری بیعت تو بیعت توبہ ہی ہے لیکن ان لوگوں کی بیعت تو سر کٹانے کی بیعت تھی۔ ایک طرف بیعت کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے سارے مال و متاع، عزت و آبرو اور جان و مال سے دست کش ہو جاتے تھے گویا کسی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور اس طرح پر اُن کی کُل امیدیں دنیا سے منقطع ہو جاتی تھیں۔ ہر قسم کی عزت و عظمت اور جاہ و حشمت کے حصول کے ارادے ختم ہو جاتے تھے۔ کس کو یہ خیال تھا کہ ہم بادشاہ بنیں گے یا کسی ملک کے فاتح ہوں گے۔ یہ باتیں اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں بلکہ وہ تو ہر قسم کی امیدوں سے الگ ہو جاتے تھے اور ہر وقت خدا تعالیٰ کی راہ میں

۱؎ البدر میں ہے۔ "اغراض نفسانی شرک ہوتے ہیں۔ وہ قلب پر حجاب لاتے ہیں۔ اگر انسان نے بیعت بھی کی ہوئی ہو تو پھر بھی اس کے لئے یہ ٹھوکر کا باعث ہوتے ہیں۔ ہمارا سلسلہ تو یہ ہے کہ انسان نفسانیت کو ترک کر کے توحید خالص پر قدم مارے۔ سچی طلب حق کی ہو ورنہ جب وہ اصل مطلوب میں فرق آتا دیکھیگا تو اسیوقت الگ ہو جاویگا کیا صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی واسطے قبول کیا تھا کہ مال و دولت میں ترقی ہو۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۲ مورخہ ۸ رمئی ۱۹۰۳ء)

ہر دُکھ اور مصیبت کو لذت کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے تھے یہانتک کہ جان تک دینے کو آمادہ رہتے تھے۔ ان کی اپنی تو یہی حالت تھی کہ وہ اس دنیا سے بالکل الگ اور منقطع تھے لیکن یہ الگ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی عنایت کی اور ان کو نوازا۔ اور اُن کو جنہوں نے اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا ہزار چند کر دیا۔

صحابہ کی زندگی قابل اُسوہ تھی

دیکھئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال و متاع خدا تعالےٰ کی راہ میں دے دیا اور آپ کمبل پہن لیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں کیا دیا۔ تمام عرب کا انہیں بادشاہ بنا دیا اور اسی کے ہاتھ سے اسلام کو نئے سرے سے زندہ کیا اور مرتد عرب کو پھر فتح کر کے دکھا دیا اور وہ کچھ دیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ غرض ان لوگوں کا صدق و وفا اور اخلاص و مروت ہر مسلمان کے لئے قابل اُسوہ ہے۔ صحابہؓ کی زندگی ایک ایسی زندگی تھی کہ تمام نبیوں میں سے کسی نبی کی زندگی میں یہ مثال نہیں پائی جاتی۔ اور آپؐ کے صحابہؓ کے مقابلہ میں حضرت مسیحؑ کے حواری تو بہت ہی گری ہوئی حالت میں نظر آتے ہیں۔ ان میں وہ جوش، صدق و وفا جو ایک مرید کو اپنے مُرشد کے لئے ہونا چاہیئے پایا ہی نہیں جاتا بلکہ مصیبت کے وقت سب کے سب بھاگ گئے اور جو پاس رہ گیا۔ اس نے لعنت بھیجنی شروع کر دی۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی خواہشوں اور اغراض سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور نہیں آتا ہے وہ کچھ حاصل نہیں کرتا بلکہ اپنا نقصان کرتا ہے لیکن جب وہ تمام نفسانی خواہشات اور اغراض سے الگ ہو جاوے اور خالی ہاتھ اور صافی قلب لے کر خدا تعالےٰ کے حضور جاوے تو خدا اس کو دیتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کی دستگیری کرتا ہے۔ مگر شرط یہی ہے کہ انسان مرنے کو تیار ہو جاوے اور اس کی راہ میں ذلت اور موت کو خیر باد کہنے والا بن جاوے۔

دیکھو دُنیا ایک فانی چیز ہے مگر اس کی لذت بھی اسی کو ملتی ہے جو اس کو خدا کے واسطے چھوڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا مقرب ہوتا ہے خدا تعالیٰ دنیا میں اس کے لئے قبولیت پھیلا دیتا ہے۔ یہ وہی قبولیت ہے جس کے لئے دنیادار ہزاروں کوششیں کرتے ہیں کہ کسی طرح کوئی خطاب مل جاوے یا کسی عزت کی جگہ یا دربار میں کرسی ملے اور کرسی نشینوں میں نام لکھا جاوے۔ غرض تمام دنیوی عزتیں اُسی کو دی جاتی ہیں اور ہر دل میں اسی کی عظمت اور قبولیت ڈال دی جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کے لئے سب کچھ چھوڑنے اور کھونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں نہ صرف آمادہ بلکہ چھوڑ دیتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے واسطے کھونے والوں کو سب کچھ دیا جاتا ہے[1] اور وہ نہیں مرتے ہیں جب تک وہ اس سے کئی چند نہ پالیں جو انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کا قرض اپنے ذمہ نہیں رکھتا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ان باتوں کو ماننے والے اور ان کی حقیقت پر اطلاع پانے والے بہت ہی کم لوگ ہیں۔

اہل صدق وصفا کی شہرت وعزت

ہزاروں اہل صدق و وفا گذرے ہیں مگر کسی نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ کسی نے سُنا ہوگا کہ وہ ذلیل وخوار ہوئے ہوں۔ دنیوی امور میں اگر وہ نہایت درجہ کی ترقی کرتے تو زیادہ سے زیادہ تین چار آنے کی مزدوری کر لیتے اور کس مپرس اور گمنام لوگوں میں سے ہوتے مگر جب انہوں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں لگایا تو خدا تعالیٰ نے اُن کو ایسا کیا کہ تمام دنیا میں نام آور بن گئے اور ان کی عزت وعظمت دلوں میں بٹھائی گئی اور اب ان کے نام ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ دنیوی عظمت اور عزت بھی بذریعہ دین ہی حاصل ہوتی ہے۔ پس مبارک

[1] البدر میں ہے:۔
"زمینی گورنمنٹوں کے لئے جو ذرہ سا کچھ گنواتا ہے ان کو اجر ملتا ہے تو جو خدا کے لئے گنوائے تو کیا اُسے اجر نہ ملیگا" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳)

وہی ہے جو دین کو مقدم کرے[1]۔ دیکھو ایک جونک کی نسبت بیل کو اور ایک بیل کی نسبت انسان کو اور انسانوں میں سے خواص کو اللہ تعالیٰ نے لذات اور حظوظ دیئے ہوئے ہیں اور خواص کو خاص قویٰ لذتوں کے ملتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ خدا تعالیٰ کے مقرب ہو کر خواص بنتے ہیں تو اُن کو دنیوی لذائذ وغیرہ بھی اعلیٰ درجہ کے عطا ہوتے ہیں[2]۔ ایک پنجابی شعر ہے جو بالکل کلام الٰہی کے موافق اسی کا گویا ترجمہ ہے کہ ؎

جے توُں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

پس خدا تعالیٰ کے خاص بندے بننے کی کوشش کرنی چاہیئے[3]۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۱۰ر مئی ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں ہے:۔ ”لوگ اسباب پر گرتے ہیں۔ ایمان نہیں ہوتا۔ اسی لئے دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ ٹھوکریں کھاتے ہیں“
(البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳ مورخہ ۸ر مئی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ ”پس جو انسان خواص انسان ہیں۔ وہ اسی طرح ان لذات میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیوی تمام لذات میں خواص کا ہی حصہ زیادہ ہے۔“ (البدر ایضاً ایضاً)

[3] البدر میں مزید یوں لکھا ہے:۔ ”مجھے خواب میں دو دفعہ پنجابی مصرعے بتلائے گئے ہیں ایک تو یہی جو بیان ہوا ہے (”جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو“ مراد ہے۔ مرتب) اور ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے اس میں ایک مجذوب (جس میں محبت الٰہی کا جذبہ ہو) میری طرف آرہا ہے تو اُس نے یہ شعر پڑھا عشق الٰہی وسّے مُنہ پر ولیاں ایہہ نشانی (ولیوں کی یہ نشانی ہے کہ عشق الٰہی منہ پر برس رہا ہوتا ہے) (البدر ایضاً)

۲۳ مئی ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

خواب کے اقسام*

ایک نووارد صاحب نے سوال کیا کہ خواب کیا شئے ہے؟ میرے خیال میں

تو یہ صرف خیالات انسانی ہیں حقیقت میں کچھ نہیں۔ فرمایا کہ

خواب کی تین قسمیں ہیں:۔ نفسانی۔ شیطانی۔ رحمانی

نفسانی جس میں انسان کے اپنے نفس کے خیالات ہی متمثل ہو کر آتے ہیں جیسے بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔

شیطانی وہ جس میں شیطانی اور شہوانی جذبات ہی نظر آویں۔

رحمانی وہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دی جاتی ہیں اور بشارتیں دی جاتی ہیں

سوال۔ کیا کسی بدکار آدمی کو بھی نیک خواب آتا ہے؟

جواب۔ فرمایا کہ ایک بدکار آدمی کو بھی نیک خواب آجاتا ہے کیونکہ فطرتاً کوئی بد نہیں ہوتا خدا تعالیٰ فرماتا ہے ماخلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون[1]۔ تو جب عبادت کیواسطے سب کو پیدا ہے سب کی فطرت میں نیکی بھی رکھی ہے۔ اور خواب نبوت کا حصہ بھی ہے اگر یہ نمونہ ہر ایک کو نہ دیا جاتا تو پھر نبوت کے مفہوم کو سمجھنا تکلیف مالایطاق ہو جاتا۔ اگر کسی کو علم غیب بتلایا جاتا وہ ہرگز نہ سمجھ سکتا۔ بادشاہ مصر جو کہ کافر تھا اُسے سچّی خواب آئی مگر آج کل سچّی خواب کا انکار دراصل خدا تعالیٰ کا انکار ہے اور اصل میں خدا ہے اور ضرور ہے۔ اسی کی طرف سے بشارتیں ہوتی ہیں اور نیک خوابیں آتی ہیں اور وہ پُوری بھی ہوتی ہیں جس قدر انسان صدق اور راستی میں ترقی کرتا ہے ویسے ہی نیک اور مبشّر رؤیا بھی آتے ہیں۔

* الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ میں صفحہ ۲ پر یہ سوال اور اُن کے جواب بغیر تاریخ کے "استفسار اور ان کے جواب" کے زیر عنوان درج ہیں۔ (مرتب)

[1] الذاریات : ۵۷

حسن عقیدت کیسے حاصل ہو

سوال۔ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمانوں کی اولاد ہوں۔ عام طور پر دنیا کو دیکھ کر حسن عقیدت کسی پر پیدا نہیں ہوتی۔ یہاں کے لوگوں کا طرز زندگی دیکھ کر چاہتا ہوں کہ حسن عقیدت ہو مگر پھر نہیں ہوتی۔ اس کی کیا وجہ اور کیا علاج ہے؟

جواب۔ فرمایا کہ

انسان ہمیشہ تجارب سے نتیجہ نکالتا ہے اور عقل انسانی بھی بذریعہ تجارب کے ترقی کرتی رہتی ہے مثلاً انسان جانتا ہے کہ آم کے درخت کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور بعض درختوں کے پھل کڑوے ہوتے ہیں تو اس تجربہ کثیر سے اُسے ایک فہم حاصل ہو جاوے گا کہ آم کے پھل ضرور شیریں ہوتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ تجربہ آج کل یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں فسق و فجور اور مکر و فریب کا سلسلہ بڑھا ہوا ہے اس لئے اس کا خیال بندھ جاتا ہے کہ ہر ایک فریبی اور مکار ہی ہے۔ سابقہ تجارب اُسے تعلیم دیتے ہیں کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اسی وجہ سے حُسنِ عقیدت کی جگہ بدعقیدگی پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے لوگ انبیاء پر بھی سُوء ظن رکھتے آئے ہیں موسیٰؑ کی وفات کو دو ہزار برس گذر چکے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اس زمانہ میں بہت سے جھُوٹے معجزات دکھلانے والے اور دعوے کرنے والے پیدا ہوئے تھے۔ لوگوں کو اُن کا تجربہ تھا اور اسی حالت میں یک لخت ایک صادق بھی آگیا۔ آخر اُن کو اس صادق کو بھی وہی کہنا پڑا جو ان جھوٹے مدعیوں کے حق میں کہتے تھے یعنی اِنَّ ھٰذَا لَشَیْئٌ یُّرَادُ[1] کہ یہ تو دکانداری ہے۔ غرضکہ انسان تجارب کے ذریعہ سے بھُول رہے ہیں خدا تعالیٰ کے بندوں کی معرفت کا ہونا یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ وہی معرفت دے تو پتہ لگتا ہے۔ دعا بہت کرے دعا کے سوا چارہ نہیں ہاں یہ امر ضروری ہے کہ استغفار نہ کرے کہ نیک اور بد کو ایک جیسا جان لیوے اور کہے کہ جیسے بُرے درخت ہوتے ہیں ویسے ہی اچھے بھی ہوتے ہیں۔ یہ ایک قاعدہ اپنی طرف سے ہرگز نہ بنانا چاہیئے بلکہ نفس کو یہ سمجھانا چاہیئے

[1] صٓ : ۷

کہ اچھے بھی ضرور ہیں۔ جب شیطان کا گروہ اس قدر دنیا میں موجود ہے کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا گروہ بالکل ہی دنیا میں موجود نہ ہو۔ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ آنکھیں ملیں۔

آج کل واقعہ میں علماء کی یہی حالت ہے۔ ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند

چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر میکنند

حافظ نے بھی اسی مضمون کا ایک شعر لکھا ہے۔ ؎

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

اور غور سے دیکھا جاوے تو سچے کے بغیر جھوٹ کی کچھ روشنی ہی نہیں ہوتی۔ اگر آج سچا سونا چاندی نہ ہو تو جھوٹے سونے چاندی سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

جس قدر انبیاء ہوئے ہیں سب اکراہ سے آگے ہوئے ہیں۔ گروہوں اور مجلسوں سے ان کی طبیعت متنفر ہوتی ہے۔ انبیاء میں انقطاع اور اخلاص کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ ان کی بڑی آرزو ہوتی ہے کہ لوگ اُن کی طرف رجوع نہ کریں مگر چونکہ خدا تعالیٰ نے فطرت ایسی دی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ بڑے بڑے کام کریں۔ اس لئے اُن کی عظمت جس قدر دنیا میں پھیلتی ہے وہ مکائد سے ہرگز نہیں پھیلتی بلکہ خدا تعالےٰ پھیلاتا ہے۔ اُن کے مقابل کے کُل مکائد پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ ان کے کام میں اعجاز اور پیشگوئیاں بے نظیر ہوتی ہیں اگر معجزات نہ ہوتے تو طبائع پر بہت مشکلات پڑتے کیسی ہی طبیعت کثیف ہو مگر ان کو دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔

ایک مخالف کا میرے پاس خط آیا کہ میں آپ کا مخالف ہوں مگر آج کل مجھے یہ حیرانی ضرور ہے کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو اس قدر کامیابی اور ترقی کیوں ہے۔ دنیا میں وہ انسان اندھا ہے جو مختصر تجارب سے نتیجہ نکالتا ہے۔ سچا نتیجہ اس وقت نکلتا ہے جب تمام شواہد کو یکجائی نظر سے دیکھا جاوے۔ اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے والے ماموروں کو ایسی بات

نہ ملے تو پھر ان کی سچائی کا ثبوت کیا ہے۔ شاہی سند اس کے پاس ضرور ہونی چاہیئے۔ آفتاب نکلا ہوا ہو اور کوئی اُسے رات کہے تو کب تک کہہ سکتا ہے؟

خدا تعالےٰ کی طرف سے جو آتا ہے وہ دلائل۔ شواہد۔ آثار۔ اخبار۔ زمینی نشان۔ آسمانی نشان۔ سماوی تائیدات۔ قبولیت وغیرہ لے کر آتا ہے۔ اس کی اخلاقی حالت اور تعلق خدا سب اس کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں اور اس کے لئے ایک میدان دلائل سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ایک نیک دل اگر یقین کے لئے کافی ثبوت چاہے تو اُسے فکر کرنے سے مل جاوینگے

اگر اعتراض ہو کہ کُل دنیا کے لوگ کیوں نہیں ایمان لاتے تو جواب یہ ہے کہ بعض لوگوں کی فطرت میں روشنی کم اور بدظنی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض ہوئے۔ نشان دیکھ کر پھر ان کو جھٹلاتے رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فریبی کہا ایسے لوگوں کی فطرت بد ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے کہا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نہ باید داد دست

یہ بھی نہ ہو کہ سب کو فریبی جان لے۔ نہ بدظنی کو اتنا وسیع کرے کہ راستبازوں کے فیوض سے محروم رہے نہ اس قدر حُسن ظن کہ ایک مکار اور فریبی کو بھی خدا رسیدہ جان لے سچے دل سے دعا کرتا رہے۔ انبیاء وغیرہ خدا تعالےٰ کی چادر کے نیچے ہوتے ہیں۔ جب تک خدا نہ دکھا دے کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ ابوجہل مکہ میں ہی رہتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نشو ونما دیکھتا رہا۔ آپ کی ساری زندگی دیکھی مگر پھر بھی ایمان نہ لایا۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمود ایک راجہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ راجہ کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہ کر آخر کار اپنے مذہب اور اسلام کا مقابلہ کر کے مسلمان ہو گیا۔ الگ خیمہ میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا رو رہا تھا کہ خیمہ کے پاس سے محمود گذرا۔ اُس نے رونے کی آواز سُنی۔ اندر آیا۔ پوچھا کہ اگر وطن یاد آیا ہے تو وہیں کا راجہ بنا کر بھیج دیتا

ہوں۔ اس نے کہا اب مجھے دنیا کی ہوس کوئی نہیں۔ اس وقت مجھے یہ خیال آیا ہے کہ قیامت کے دن اگر یہ سوال ہوا کہ تو کیسا مسلمان ہے کہ جب تک محمود نے چڑھائی نہ کی اور وہ گرفتار کر کے تجھ کو نہ لایا تو مسلمان نہ ہوا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجھے اس وقت ابتدا میں سمجھ آجاتی کہ اسلام سچا مذہب ہے۔

ایک صاحب نے پوچھا[1] کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے اور اکثر مخالف مکذّب مرتے ہیں ان کا جنازہ پڑھا جاوے کہ نہ؟ فرمایا کہ

یہ فرض کفایہ ہے اگر کنبہ میں سے ایک آدمی بھی چلا جاوے تو ہو جاتا ہے مگر اب یہاں ایک تو طاعون زدہ ہے کہ جس کے پاس جانے سے خدا روکتا ہے۔ دوسرے وہ مخالف ہے خواہ نخواہ تداخل جائز نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو بالکل چھوڑ دو اور اگر وہ چاہے گا تو اُن کو خود دوست بنا دے گا یعنی مسلمان ہو جاویں گے۔ خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو چلایا ہے۔ مداہنہ سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا بلکہ اپنا حصہ ایمان کا بھی گنواؤ گے۔

مجلس قبل از عشاء

توبہ کا دروازہ بند ہونا

طاعون پر ذکر ہوا کہ بعض مقامات بالکل تباہ ہو گئے ہیں مگر پھر بھی وہاں کے لوگوں کی فسق و فجور کی وہی حالت ہے کوئی پاک تبدیلی نظر نہیں آتی فرمایا کہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ میں صفحہ ۲ و ۳ پر یہ سوال اور اس کا جواب "استفسار اور ان کے جواب" کے زیر عنوان بغیر تاریخ کے درج ہے۔ (مرتب)

سمجھ اُلٹی ہے توبہ کا دروازہ بند ہونے کے ایک یہ معنے بھی ہیں۔

لِأَمْرٍ آذَنَ لِفَضْلِهِ

یہ ایک حضرت اقدس علیہ السلام کا پرانا الہام ہے جو مسجد کے اوپر کے حصہ میں لکھا ہوا تھا اور عمارت کے تغیر و تبدل کے وقت وہ نوشتہ قائم نہ رہ سکا۔ فرمایا کہ

اسے پھر لکھوایا جاوے اور نہیں معلوم کہ اس کے معنے کس قدر وسیع ہیں۔[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء)

۴ مئی ۱۹۰۳ء

مہمان نوازی

بوقت سیر

مہمانوں کے انتظام مہمان نوازی کی نسبت ذکر ہوا۔ فرمایا

میرا ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ کسی مہمان کو تکلیف نہ ہو بلکہ اس کے لئے ہمیشہ تاکید کرتا رہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے مہمانوں کو آرام دیا جاوے۔ مہمان کا دل مثل آئینہ کے نازک ہوتا ہے اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سے پیشتر میں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ خود بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ مگر جب سے بیماری نے ترقی کی اور پرہیزی کھانا کھانا پڑا تو پھر وہ التزام نہ رہا۔ ساتھ ہی مہمانوں کی کثرت اس قدر ہو گئی کہ جگہ کافی نہ ہوتی تھی اس لئے مجبوری علیحدگی ہوئی۔ ہماری طرف سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ اپنی تکلیف کو پیش کر دیا کرے۔ بعض لوگ بیمار ہوتے ہیں۔ ان کے واسطے

---

[1] (نوٹ از ایڈیٹر) حضرت اقدس علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے اسے سبز روشنائی سے لکھ رہے ہیں۔ (البدر بحوالہ مذکور)

الگ کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔[۱]

دربار شام

فرمایا کہ[۲]

عادات اور رسُوم کا قلع قمع کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے اور یہی ایک حجاب ہزاروں انوار سے محروم بھی رکھتا ہے ورنہ ہمارا معاملہ تو نہایت ہی صاف اور کھُلا کھُلا ہے۔ کیسے ہی دلائل اور براہین سے ایک امر کو مدلّل کر کے کیوں نہ بیان کیا جاوے عادت اور رسم کا پابند ضرور اس کے ماننے میں پس وپیش کرے گا اور جب تک وہ اس حجاب کو پھاڑ کر باہر نہ نکلے اسے حق لینا نصیب ہی نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کیسی اجلیٰ اور اصفیٰ تھی مگر اُن کے دعویٰ کے وقت بھی عیسائی راہبوں اور یہودی مولویوں نے جو عادت اور رسم کے پابند تھے ہزاروں عذر تراشے اور آپ کو صادق کہنے کی بجائے کاذب کا خطاب دیا۔ گویا رسم اور عادت کی ظلمت نے اُن کی

---

[۱] البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۰ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء

[۲] البدر میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان مولوی صاحب کانپور سے تعلیم پا کر اپنے وطن ڈیرہ غازی خاں کی طرف جا رہے تھے کہ ان کو خیال آیا کہ تحقیق کے لئے قادیان بھی آویں چنانچہ وہ تشریف لائے اور اُن کی ملاقات حکیم نورالدین صاحب سے ہوئی۔ حکیم صاحب نے ان کو کہا کہ آپ بہت استغفار کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ امر حق ظاہر کر دیوے۔ بعد نماز مغرب حکیم صاحب نے ان کی ملاقات حضرت اقدس علیہ السلام سے کرائی اور عرض کی کہ یہ بعض امور کے جواب طلب کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

"انسان نے بعض باتیں بطور رسم و عادت کے اختیار کی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ رسمی خیالات کا وہ پابند ہوتا ہے جب تک ان کا قلع قمع نہ کیا جاوے تو حقیقت سمجھ میں نہیں آتی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۰)

آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا ہوا تھا کہ وہ نور کو ظلمت کہتے تھے ورنہ آپ کے معجزات، بیّنات اور فیوض اس قدر کامل اور اعلیٰ تھے کہ کسی کو اُن سے انکار ممکن نہ تھا۔[1]

اس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک قسم کے دلائل بیّنات ہمارے واسطے جمع کر دیئے ہیں۔ انسان کے تسلّی پانے کے تین ہی طریق ہوا کرتے ہیں۔

اوّل نقلی دلائل۔ سو وہ قرآن شریف کے نصوص سے ثابت ہیں کیونکہ جو شخص قرآن شریف کو کلام الٰہی مانتا ہے اسے تو اس بن چارہ نہیں بلکہ اس کا ایمان ہی کلام الٰہی کے بغیر ناقص ہے۔[2]

نقلی دلائل کا دوسرا حصہ احادیث ہیں۔ سو ان میں سے وہ احادیث قابل پذیرائی ہیں۔ جو قرآن شریف کے معارض نہ ہوں۔ کیونکہ جو حدیث قرآن شریف کے مخالف و معارض ہو وہ ردّی ہے اور قبول کرنے کے لائق نہیں۔ مثلاً قرآن شریف بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں لیکن اگر حدیث میں ہو کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں تو وہ بالکل ردّی ہے اور ماننے کے لائق نہیں یا ایسی ہی اگر اور کوئی مخالفت صریح قرآن شریف کی کوئی حدیث کرے تو وہ بھی اس ذیل میں داخل ہے۔

احادیث میں احتمال صدق اور کذب دو تو طرح کا ہے کیونکہ احادیث تو قرآن شریف کی

---

[1] البدر میں ہے "کیا باعث ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کامل اور لاثانی آوے اور پھر نہ مانا جاوے؟ ماں باپ سے جو ایک عادت بخل کی چلی آتی ہے وہ امرِ حق کو سمجھنے نہیں دیا کرتی۔ اب اس وقت بھی طریق تسلّی اختیار کرنے میں یہی مشکلات ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۰)

[2] البدر میں ہے۔ "جس کو خدا تعالیٰ پر یقین ہے اور وہ قرآن کو خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہے وہ ایک آیت سُنکر کب دلیری کرے گا کہ اس کی تکذیب کرے۔ صریح نص سے انکار مشکل ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۰)

طرح اس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں کیں اور نہ ہی اُن کا قرآن شریف کی طرح کوئی نام رکھا ہے بلکہ آپ سے قریباً اڑھائی سو برس بعد جمع ہوئی ہیں۔ غرض ان کے صدق کذب کا معیار قرآن شریف ہے۔ پس جو احادیث قرآن شریف کے معارض نہیں وہ ماننے کے لائق ہیں۔ یہ جو ۷۳ فرقے بن گئے ہیں یہ بھی تو ان احادیث کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے۔ جب لوگوں کی توجہ قرآن شریف سے ہٹ گئی اور احادیث کو قرآن شریف پر قاضی جانا تو یہاں تک نوبت پہنچی۔

دوسرا ذریعہ عقل ہے جس سے انسان حق کو پہچان سکتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں مجرمین کے الفاظ درج ہیں کہ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ[1] سو اگر ان لوگوں سے سوال کیا جاوے کہ کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی شخص زندہ بجسم عنصری آسمان پر چلا جاوے اور دو ہزار برس تک وہیں بیٹھا رہے اور کسی قسم کی ضروریات اور عوارض اُسے نہ لگیں۔ کیا کوئی عقل ہے جو اس خصوصیت کو مان سکے؟ بھلا ان لوگوں سے پوچھا جاوے کہ اس خصوصیت کی جو تم نے حضرت عیسیٰؑ میں مانی ہے کیا وجہ ہے یہ تو ایک قسم کا باریک شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[2]۔

اللہ تعالیٰ انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ ہر ایک امر میں نظائر ضروری ہیں۔ جس چیز میں نظیر نہیں وہ چیز خطرناک ہے۔ آج کل جس طرح کا ہمارا جھگڑا ہے اسی قسم کا ایک جھگڑا پہلے بھی اہل کتاب میں گذر چکا ہے اور وہ الیاس کا معاملہ تھا۔ ان کی کتابوں میں لکھا تھا کہ مسیحؑ آسمان سے نہیں نازل ہوگا جب تک ایلیا آسمان سے دوبارہ نہ آلے۔ اسی بناء پر جب حضرت مسیحؑ آئے اور انہوں نے یہود کو ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے صاف انکار کیا کہ ہمارے ہاں مسیحؑ کی علامت یہ ہے کہ اس سے پہلے ایلیا آسمان سے دوبارہ نازل ہوگا مگر حضرت مسیحؑ نے اس کی یہی تعبیر کی تھی کہ یہی شخص یعنی یوحنا (یحییٰ) ہی الیاس ہے اور یہ اس کی (الیاس کی) خُو بُو لے کر آیا ہے۔ اسی کو ایلیا مان لو وہ آسمان سے دوبارہ نہیں آوے گا۔ جس نے آنا تھا وہ آچکا چاہو تو مانو

[1] الملک: ۱۱ [2] النحل: ۴۴

چاہو تو نہ مانو۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک مصیبت پڑ چکی تھی اور ان کا فیصلہ ہمارے اس مقدمہ کے لئے ایک دلیل ہو سکتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ یہود کے مقابل میں حق پر تھے۔ تو ہمارا معاملہ بھی صاف ہے ورنہ پہلے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کریں۔ بعد میں ہمارا معاملہ آئے گا۔

اگر واقعی طور پر ان یہودیوں کی طرح یہ یہودی بھی حق پر ہیں تو پھر اوّل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت نہیں تو اُن کا آسمان سے آنا کجا؟ پس یا تو یہ مسلمان اس بات کو مان لیں کہ آسمان پر کوئی شخص زندہ نہیں جایا کرتا اور نہ ہی وہ دوبارہ واپس آیا کرتا ہے اور وہ اسی قاعدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے انبیاء کی طرح وفات پائے ہوئے مان لیں اور یا حضرت عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کریں اور اس طرح پر اُن کی آمد کے متعلق تمام امیدوں سے ہاتھ دھو لیں۔ غرض اُن کی منفرد اور خاص قسم کی زندگی ایک خطرناک قسم کا شرک ہے۔ غرض دوسری قسم کے دلائل عقلی تھے۔ سو اُن کی رُو سے بھی یہ قوم ملزم ہے۔ (الحکم ۱۰ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶)

تیسرا ذریعہ ایک صادق کی شناخت کا اس کے ذاتی نشانات اور خارق عادت پیشگوئیاں ہوتی ہیں اور منہاج نبوت پر پرکھی جاتی ہیں۔ سو اس قسم کے دلائل بھی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بہت جمع کر دیئے ہیں۔ کیا زمینی کیا آسمانی کیا مکانی کیا زمانی ہر قسم کے نشانات اُس نے خود ہمارے لئے ظاہر فرمائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر پیشگوئیوں کا ظہور بھی ہو چکا ہے۔ آسمان نے ہمارے لئے گواہی دی۔ زمین ہمارے واسطے شہادت لائی اور ہزاروں خارق عادت ظہور میں آچکے ہیں۔ زمانہ ہے سو وہ زبان حال سے چلّا رہا ہے کہ ضرور کوئی آنا چاہیئے۔ قوم کے ۷۳ فرقے ہو چکے ہیں۔ یہ خود ایک حَکَم کو چاہتے ہیں۔ ان تمام فرقوں میں ایسے ایسے اختلاف پڑے ہیں کہ ایک دوسرے کو تکفیر کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور ارتداد کا جُرم اُن میں سے ہر ایک کی گردن پر سوار ہے۔ حنفی وہابیوں کو اور وہابی حنفیوں کو جہنمی بتاتے ہیں۔ شیعہ ان سب کو راہِ راست سے بھٹکے ہوئے کہتے ہیں۔ خارجی ہیں سو وہ

شیعہ کی جان کے دشمن ہیں۔ غرض ہر ایک فرقہ دوسروں کے خون کا پیاسا ہے۔ اب اُن میں سے اختلاف کو دُور کرنے کے واسطے جو حَکَم آوے گا کیا وہ اُن کی باتوں کو مساوی مان لے گا؟ اگر ایسا کرے گا تو دوسرا ناراض ہو جائے گا۔ یہاں ہر ایک فرقہ یہی چاہتا ہے کہ میری اگر ساری باتیں وہ نہ مانے گا تو وہ خدا کی طرف سے نہ ہوگا۔ غرض ہر ایک نے اُس کے صدق کا معیار اپنے تمام عقائد کو مان لینا مقرر کیا ہوا ہے مگر کیا وہ ایسا ہی کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ہر ایک راستی کا حامی اور ناراستی کا دشمن ہوگا۔ اگر ایسا نہیں تو وہ حَکَم ہی کس کام کا ہوا؟ اور ایسے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کے وجود سے عدم بہتر ہے۔

اصل مشکل یہ ہے کہ ان بیچارے لوگوں کی عادت ہی ہوگئی ہے اور بچپن سے کان میں ہی یہی پڑتا آیا ہے کہ وہ اس طرح آسمان سے ایک مینار پر اُترے گا۔ پھر سیڑھی مانگیگا اور دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ نیچے اُترے گا۔ پس آتے ہی نہ بھلی نہ بُری کفار کو تہ تیغ کرکے ان کے اموال واملاک سب مسلمانوں کے حوالے کریگا وغیرہ وغیرہ۔

ان باتوں کو جو مدتوں سے سادہ لوح پر کندہ ہوگئی ہیں دُور کریں تو کس طرح؟ وہ بیچارے معذور ہیں۔ یہ مشکلات ہیں اور ان کا دُور ہونا بجز خدا تعالےٰ کی مشیّت کے ہرگز ممکن نہیں۔

(قرآن نے) توفیتنی فرمایا اور بخاری نے اپنا مذہب اور اس آیت کے معنے بیان کر دیئے کہ متوفیك۔ ممیتك۔ تو پھر اس کے بعد خواہ نخواہ ان کو زندہ آسمان پر بٹھانا ان لوگوں کی کیسی غلطی ہے وہ بیچارہ تو خود بھی دہائی دیتا ہے کہ یہ لوگ میرے مرنے کے بعد بگڑے ہیں بھلا اب ہمیں کوئی بتادے کہ یہ لوگ ابھی بگڑے ہوئے ہیں یا نہیں اگر یہ بگڑے ہیں تو مسیح وفات پا چکے ہیں ورنہ اُن کے تثلیث کفارے اور دوسرے اعتقادات پر ایمان لاؤ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرو۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں فرمایا ہے کہ غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین[1]۔ اس میں ہم نے غور کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے شخص میں دو قسم کی صفات کی ضرورت ہے۔ اوّل تو عیسوی

[1] الفاتحہ : ۷

صفات اور دوم مہدی صفات کی کیونکہ مغضوب علیھم سے مراد یہود اور الضّالین سے مراد نصاریٰ ہیں جب یہود نے شرارت کی تھی تو حضرت عیسیٰؑ اُن کے واسطے آئے تھے جب نصاریٰ کی شرارت زیادہ بڑھ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آور ہوئے تھے اور یہاں خدا تعالیٰ نے دونو کا فتنہ جمع کیا۔ اندرونی یہود اور بیرونی نصاریٰ جن کیلئے آنے والا بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کامل بروز اور حضرت عیسیٰؑ کا پورا نقشہ ہونا چاہیئے تھا۔

حَکَمْ کے سامنے کسی کی پیش ہی کیا جاتی ہے اور اس سے ان کی بحث ہی کیا ہے۔ یہ زمینی وہ آسمانی۔ یہ ناقابلِ محض، وہ ہر وقت خدا سے تعلیم پاتا۔ یہ لوگ ہمیں رطب و یابس احادیث اور اقوال کا انبار پیش کر کے ہرانا چاہتے ہیں مگر یہ کیا کریں ہمیں تو تیس سال ہوئے کہ خود خدا ہر وقت تازہ الہامات سے خبر دیتا ہے کہ یہ امر حق ہے جو تو لایا ہے۔ تیرے مخالف ناحق پر ہیں ہم اب کیا کریں۔ ان لوگوں کی مانیں یا آسمان سے خدا کی مانیں۔

سوچنے والے کے لئے کافی ہے کہ صدی کا سر بھی گذر گیا ہے اور تیرھویں صدی تو اسلام کے واسطے سخت منحوس صدی تھی۔ ہزاروں مرتد ہو گئے۔ یہود خصلت بنے اور جو ظاہر میں مرتد نہیں اگر باریک نظر سے دیکھا جاوے تو وہ بھی مرتد ہیں۔ اُن کے رگ و ریشے میں دجّال نے اپنا تسلّط کیا ہوا ہے۔ پوشاک تک ان کی بدل گئی ہے تو دل ہی نہ بدلے ہوں گے۔ صرف بعض خوف سے یا بعض اور وجوہات سے اظہار نہیں کرتے ورنہ ہیں وہ بھی مُرتد۔ اپنے دین کی خبر نہ ہوئی دوسروں کے زیر اثر ہوئے تو اب ارتداد میں کسر ہی کونسی باقی رہ گئی۔ اگر اب بھی اُن کا مہدی اور مسیح نہیں آیا تو کب آئے گا؟ جب اسلام کا نام ہی دُنیا سے اُٹھ جاوے گا اور یہ بیڑا ہی غرق ہو جاوے گا؟

افسوس کہ قوم آنکھیں بند کئے پڑی ہے اور اُسے اپنی حالت کی بھی خبر نہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء)

۵؍مئی ۱۹۰۲ء

(بوقت سیر)

نودارد صاحب نے بیان کیا کہ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ میں آپ سے سوال کر رہا ہوں کہ اگر آپ کو عیسٰی علیہ السلام تسلیم کیا جاوے اور ہم اس امر میں غلطی میں ہوں تو پھر آپ ذمہ دار ہیں۔ فرمایا

اگر ہم نے یہ بار اپنے ذمہ نہ لیا ہوتا تو کئی لاکھ انسانوں کی دعوت کیسے کرتے؟ بلکہ خود خدا تعالیٰ نے یہ ذمہ داری لی ہے۔ جو ہم سے انکار کرتا ہے تو پھر اُسے تمام سلسلہ نبوت سے انکار کرنا پڑے گا۔ مسیح علیہ السلام آئے تو اُس کو نہ مانا اور یہ حجت پیش کی کہ اس سے پیشتر الیاس نے آنا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہی جواب دیا کہ الیاس کی طبیعت اور خُو پر یحییٰ آگیا ہے اور یہی الیاس کا آنا ہے۔ غرضکہ اگر میں خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہوں تو پھر وہ نشان کیسے ظاہر ہوتے ہیں جو کہ مسیح کے لئے مقرر تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو یہود کا یہی اعتراض تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ خدا اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے ہر ایک وقت پر عقلمند تو مانتے رہے اور بیوقوف ہمیشہ ضد کرتے رہے کہ سب باتیں پوری ہو لیں تو مانیں گے۔

غیر المغضوب علیہم[1] سے مراد مولوی ہیں کیونکہ ایسی باتوں میں اوّل نشانہ مولوی ہی ہوا کرتے ہیں۔ دنیاداروں کو تو دین سے تعلق ہی کم ہوتا ہے۔ جب سے یہ سلسلہ نبوت کا جاری ہے یہ اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ مولویوں کے پاس جس قدر ذخیرہ رطب و یابس کا ہو وہ حرف بحرف پُورا ہوا ہو۔ دیکھ لو ان ہی باتوں سے ابتک یہود نے نہ مسیحؑ کو مانا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ حق کو قبول کرنا ایک نعمتِ الٰہی ہے یہ ہر ایک کو نہیں ملا کرتی اس لئے ہمیشہ دعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اُسے قبول کرنے کی توفیق عطا کرے۔

[1] الفاتحہ : ۷

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۱ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء)

۶؍ مئی ۱۹۰۳ء[1]

بوقت سیر

مرتبہ حدیث

نوادر صاحب نے دریافت کیا کہ گھنگھریالے بالوں سے کیا مراد ہے؟

فرمایا کہ

احادیث ایک ظنی شئے ہے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلا ہو وہ ضبط ہوا ہو۔ معلوم نہیں کہ اصل لفظ کیا ہو۔ پیشگوئیوں میں ہمیشہ استعارات ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب خبروں میں کوئی ایسی خبر موجود ہو جو ثابت شدہ واقعہ کے برخلاف ہو تو اُسے بہر حال ردّ کرنا پڑے گا۔ اس وقت جو فتنہ موجود ہے تم اس کی نظیر کسی زمانہ سابقہ میں دکھاؤ کہ کبھی ہوا ہے؟ پھر سب سے بڑا فتنہ تو یہ ہے اور ادھر دجّال کا فتنہ سب سے بڑا رکھا گیا ہے اور دجّال کے معنے بھی لُغت سے معلوم ہو گئے تو اب شک کی کونسی جگہ باقی رہ گئی ہے؟

پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر استعارات صرف دجّال کے معاملہ میں ہوتے اور کسی جگہ نہ ہوتے تو پھر بھی کسی کو کلام ہوتا کہ تم کیوں تاویل کرتے ہو مگر دیکھنے سے پتہ لگتا ہے کہ خود قرآن شریف اور نیز احادیث بھی استعارات سے بھرے پڑے ہیں اور نہ ہی اس امر کی ضرورت ہے کہ ہر ایک استعارہ کی حقیقت کھولی جاوے کیا آجتک دنیا کے سب امور

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۲ میں ۶؍ اپریل ۱۹۰۳ء کی تاریخ لکھی ہے جو سہو معلوم ہوتا ہے۔ ترتیب مضمون اور ترتیب ڈائری کے لحاظ سے دراصل یہ ۶؍ مئی کی ڈائری ہے۔ ۶؍ اپریل کی ڈائری تو البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷ میں درج ہے۔ (مرتب)

کسی نے جان لئے ہیں جو اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ ایک ایک لفظ کی حقیقت بتلاؤ۔ دستور ہے کہ موٹے موٹے امور کو انسان سمجھ کر باقی کو اس پر قیاس کر لیتا ہے۔

توفی

توفی کا لفظ صرف انسانوں پر ہی آتا ہے دیگر حیوانوں پر استعمال نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت دہریہ طبع لوگ بھی تھے جو کہ حشر و نشر کے قائل نہ تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ کوئی شئے انسان کی باقی نہیں رہتی۔ اس لفظ کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ رُوح کو ہم اپنی طرف قبض کر لیتے ہیں اور باقی رہتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا وہاں معنی قبض رُوح کے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی معنے نہیں ہوتے۔ ※

سوال۔ جب ایک شخص نے ایک بات تحصیل کی ہے تو دوبارہ اسی کے تحصیل کرنے سے کیا حاصل ہے؟

جواب۔ ہم اس اصول کو لاَنُسَلِّم کہتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ قرآن میں لکھا ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی[1] یعنی جب رُوحوں سے خدا تعالیٰ نے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو وہ بولیں کہ ہاں۔ تو اب سوال ہو سکتا ہے کہ روحوں کو علم تو تھا تو پھر انبیاء کو خدا تعالیٰ نے کیوں بھیجا گویا تحصیل حاصل کرائی۔ یہ اصل میں غلط ہے۔ ایک تحصیل پھیکی ہوتی ہے ایک گاڑھی ہوتی ہے۔ دونو میں فرق ہوتا ہے۔ وہ علم جو کہ نبیوں سے ملتا ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں۔

عِلْمُ الیقین۔ عَیْنُ الیقین۔ حَقُّ الیقین۔

اس کی مثال یہ ہے۔ جیسے ایک شخص دُور سے دھواں دیکھے تو اسے علم ہوگا کہ وہاں آگ ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جہاں آگ ہوتی ہے وہاں دھوآں بھی ہوتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا علم ہے جس کا نام **علم الیقین** ہے مگر اور نزدیک

※ البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۲ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء

[1] الاعراف : ۱۷۳

جاکر وہ اس آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے تو اُسے **عین الیقین** کہتے ہیں۔ پھر اگر اپنا ہاتھ اس آگ پر رکھ کر اس کی حرارت وغیرہ کو بھی دیکھ لیوے۔ تو اُسے کوئی شُبہ اس کے بارے میں نہ رہے گا اور اس طرح سے جو علم اُسے حاصل ہوگا اس کا نام **حق الیقین** ہے۔ اب کیا ہم اسے تحصیل حاصل کہہ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں[1]۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

دربارِ شام

نزولِ وحی کا طریق

فرمایا کہ

وحی کا قاعدہ ہے کہ اجمالی رنگ میں نازل ہوا کرتی ہے اور اُس کے ساتھ ایک تفہیم ہوتی ہے مثلاً جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو ساتھ کشفی رنگ میں نماز کا طریق، اس کی رکعات کی تعداد، اوقات نماز وغیرہ بتا دیا گیا تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس

جو اصطلاح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی تفصیل اور تشریح کشفی رنگ میں ساتھ ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو وہ اس وحی کے منشاء سے آگاہ کرتا ہے اس کو دوسرے کے دلوں میں داخل کرتا ہے۔ جب سے دنیا ہے وحی کا یہی طرز چلا آیا ہے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی کی وحی اسی رنگ کی تھی۔ وحی کشفی تصویروں یا تفہیم کے سوا کبھی نہیں ہوتی اور نہ وہ اجمال

---

[1] **نوٹ از ایڈیٹر:-** دراصل سائل کا مطلب یہ تھا کہ جس حالت میں ہمارے پاس قرآن موجود ہے تو اب ہمیں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ وہی نماز روزہ وہاں ادا کرنا ہے وہی بلا بیعت ادا کرنا ہے گویا تحصیل حاصل ہے مگر حضرت اقدس نے کھول کر بتلا دیا کہ تحصیل کے مدارج ہیں۔ چنانچہ اس فلسفہ کو سمجھ کر آخر سائل نے حضرت اقدس کی بیعت کر لی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

بجز اس کے کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے۔*

مُدّ میں تباہی

مُدّ سے خبر آئی ہے کہ اس جگہ آبادی کچھ اُوپر دو سَو آدمی کی ہے اور اب تک ایک سَو تین آدمی مر چکے ہیں اور چار پانچ روز مرتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے حکم دیا کہ

اخباروں میں مُدّ کے متعلق پیشگوئی مندرجہ قصیدہ اعجاز احمدی کو شائع کر کے دکھائیں اور مولوی ثناء اللہ وغیرہ کو آگاہ کریں کہ وہی الفاظ جن پر وہ مقدمہ بنوانا چاہتا تھا خدا تعالیٰ اب پورے کر رہا ہے۔ اب وہ لوگ سوچیں کہ وہ حق تھا یا نہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء)

۷ مئی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

عورتوں کے حقوق

فرمایا کہ

عورتوں کے حقوق کی جیسی حفاظت اسلام نے کی ہے ویسی کسی دوسرے مذہب نے نے قطعاً نہیں کی۔ مختصر الفاظ میں فرما دیا ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ[1] کہ جیسے مردوں کے

* البدر سے:۔ "جب سے دنیا شروع ہوئی وحی سوائے کشفی حالت کے ہوتی ہی نہیں ہے۔ ورنہ پھر یہ اعتراض ہوگا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خائن تھے یا اپنی طرف سے بنا کر بتلا دیا کرتے تھے؟ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ ان کے دل میں ڈالتا تھا وہ دوسرے کے دل میں ڈال دیتے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷ مؤرخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

[1] البقرۃ: ۲۲۹

عورتوں پر حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مردوں پر ہیں۔ بعض لوگوں کا حال سُنا جاتا ہے۔ کہ ان بیچاریوں کو پاؤں کی جُوتی کی طرح جانتے ہیں اور ذلیل ترین خدمات ان سے لیتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پردہ کے حکم ایسے ناجائز طریق سے برتتے ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔

چاہیئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان ہی سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ۔ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

و (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۸ مئی ۱۹۰۳ء بروز جمعہ

مجلس قبل از عشاء

محمد حسین بٹالوی اور قرآن کی بے ادبی

"یہ ظاہری تُک بندی تو مسیلمہ نے بھی کر لی تھی اس میں قرآن شریف کی خصوصیت کیا ہے" یہ ایک کلمہ ہے جو کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اوّل المکفرین کی قلم سے قرآن کریم کی شان میں نکلا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اس سے بڑھ کر کیا بے ادبی ہوگی کہ قرآن شریف کی آیات کو جو کہ ہر ایک پہلو اور ہر ایک رنگ کیا بلحاظ ظاہر اور کیا بلحاظ باطن کے معجزہ ہے۔ تُک بندی کہا جاتا ہے۔ جیسے قرآن شریف کا

باطن معجزہ ہے ویسے ہی اس کے ظاہر الفاظ اور ترتیب بھی معجزانہ ہے۔ اگر ہم اس کے ظاہر کو معجزہ نہ مانیں تو پھر باطن کے معجزہ ہونے کی دلیل کیا ہوگی؟ ایک انسان کا اگر ظاہر بھی گندہ ناپاک اور خبیث ہوگا تو اس کی روحانی حالت کیسے اچھی ہو سکتی ہے؟ عوام الناس اور موٹی نظر والوں کے واسطے تو ظاہری خوبی ہی مُعجزہ ہو سکتی ہے اور چونکہ قرآن ہر ایک قسم کے طبقہ کے لوگوں کے واسطے ہے اس لئے ہر ایک رنگ میں یہ معجزہ ہے۔ مامور من اللہ کی عداوت کا نتیجہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷-۱۳۸ مورخہ ۲۲ر مئی ۱۹۰۳ء)

و (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷ر مئی ۱۹۰۳ء)

۹ر مئی ۱۹۰۳ء

بوقت سَیر

طاعون سے حفاظت

عام لوگوں کا خیال ہے کہ وبا سے بھاگنا نہ چاہیئے۔ یہ لوگ غلطی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر وبا کی ابتدا ہو تو بھاگ جانا چاہیئے اور اگر کثرت سے ہو تو پھر نہیں بھاگنا چاہیئے۔ جس جگہ وبا ابھی شروع نہیں ہوئی تب تلک اس حصّہ والے اس کے اثر سے محفوظ ہوتے ہیں اور اُن کا اختیار ہوتا ہے کہ اس سے الگ ہو جاویں اور توبہ اور استغفار سے کام لیویں۔

جماعت احمدیہ اور طاعون

یہ اللہ تعالےٰ کی سنّت ہے کہ نشان بھی ہوتے ہیں اور ان میں التباس بھی ہوتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا گیا تو کہا کہ خدا قادر ہے خواہ آسمان سے نشان

دکھلا دے یا بعض کو بعض سے جنگ کرا کر نشان دکھا دے۔* چنانچہ جنگوں میں صحابہؓ بھی شہید ہوئے بعض کمزور ایمان والوں نے اعتراض کیا کہ اگر یہ عذاب ہے تو ہم میں سے کیوں مرتے ہیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ[1]۔ پس اگر ہماری جماعت میں سے کوئی بھی نہ مرے اور کُل قومیں مرتی رہیں تو کُل دنیا ایک ہی دفعہ راہِ راست پر آجاوے ☒ اور بجز اسلام کے اور کوئی مذہب دنیا پر نہ رہے حتیٰ کہ گورنمنٹوں کو بھی مسلمان ہونا پڑے اور یہی بہتر تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی فوت ہوئے تھے۔ ہاں سلامتی کا حصّہ نسبتاً ہماری طرف زیادہ رہے گا۔ براہین احمدیہ میں بھی لکھا ہے الّذین اٰمنوا و لم یلبسوا ایمانھم بظلم[2]

اب خدا جانے کہ کون ظلم سے خالی ہے۔ کسل اور غفلت بھی ظلم ہے مگر تاہم دعا کرنا ضروری ہے۔ اس جماعت کا قطعاً محفوظ رہنا یہ الفاظ کہیں ہم نے نہیں لکھے اور نہ یہ سنّت اللہ

* الحکم میں مزید لکھا ہے:۔ "آخر جو لڑائیاں ہوئیں وہ بھی تو نشان ہی تھے اور وہ منکروں اور کافروں کے لئے عذاب لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان لڑائیوں میں نہیں مارا گیا؟" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴؍ مئی ۱۹۰۳ء)

☒ الحکم میں مزید لکھا ہے:۔ " اور بجز اسلام کے اور کوئی مذہب ہی نہ رہے حالانکہ ایسا نہیں ہوگا۔ دوسرے مذاہب بھی قیامت تک باقی رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نشانوں میں قیامت کا نمونہ دکھانا نہیں چاہتا اور نہ کبھی ایسا ہوا۔ بلکہ اُن میں کسی حد تک اخفا ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں سے بھی بعض ان جنگوں میں شہید ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف پہنچی۔ لیکن انجام نے دکھا دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نشان کیسا عظیم الشان تھا۔ اسی طرح یہاں پر بھی ہے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴؍ مئی ۱۹۰۳ء)

[1] اٰل عمران: ۱۴۱ [2] الانعام: ۸۳

ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر تو اکراہ فی الدین ہو جاتا ہے۔ جب سے انبیاء پیدا ہوئے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ احمقوں کو ان بھیدوں کی خبر نہیں۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ نسبتاً حفاظت کا ہے نہ کہ کلیتہً۔* پھر بھی یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اگر ہماری جماعت کا ایک مرتا ہے تو اس کے بدلے تین سو آجاتے ہیں۔ انجام ہمیشہ متقیوں کے واسطے ہی ہوتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ایسا کھُلا کھُلا فرق کر دیوے تو میں نہیں جانتا کہ مذہبی اختلاف ایک ذرہ بھر بھی رہ جاوے حالانکہ اس اختلاف کا قیامت تک ہونا ضروری ہے۔

بعض لوگ ہماری جماعت میں سے بھی غلطی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہ مرے گا یہ اُن کو مغالطہ لگا ہے ایسا ہرگز ہو نہیں سکتا۔ اگرچہ ایک حد تک خدا تعالیٰ نے وعدے کئے ہوئے ہیں مگر ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جماعت سے مطلقاً کوئی بھی نشانہ طاعون نہ ہو۔ یہ بات ہماری جماعت کو خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہرگز نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی بھی نہ مرے گا۔ ہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ[1]۔ پس جو شخص اپنے وجود کو نافع الناس بنادیں گے ان کی عمریں خدا تعالیٰ زیادہ کرے گا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت بہت کرو اور حقوق العباد کی بجاآوری پورے طور پر بجالانی چاہیئے۔

طوفان اور کشتیٔ نوح

اعتراض ہوا کہ نوحؑ کی کشتی پر چڑھنے والے سب کے سب طوفان سے محفوظ رہے

---

* (الحکم سے) "اس لئے دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ بالکلیہ حفاظت کا وعدہ کہیں نہیں ہے بلکہ الہامات میں استثنا کے الفاظ قریباً موجود ہیں۔ اس جماعت کے قطعاً محفوظ رہنے کا وعدہ نہیں بلکہ نسبتاً ہے اور سنت اللہ بھی یہی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ طاعون سے کون گھٹتا اور کون بڑھتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

[1] الرعد : ۱۸

تھے تو کیا وجہ ہے کہ جو لوگ یہاں بیعت میں ہیں وہ محفوظ نہ رہیں۔

جواب۔ فرمایا کہ ہمارا سلسلہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر قدم ہے۔ نوحؑ کے وقت ایمان کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور اس وقت کوئی التباس ایمان کا نہ تھا مگر اب ہے نوحؑ کے وقت یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اب قوم تو ضرور ہلاک ہونے والی ہے۔ خواہ ایمان لاوے خواہ نہ لاوے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مہلت دی گئی کہ جو توبہ کریگا وہ بچ جاوے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عین قتل کے وقت فرمایا کہ اگر کوئی ایمان لاوے تو تلوار روک لی جاوے۔ مگر نوحؑ کی قوم کے واسطے تھا کہ صرف کشتی والے بچائے جاویں گے باقی سب تباہ اور ہلاک ہوں گے۔ وہ صورت خاص اور الگ تھی اور اعتراض تو خود نوحؑ پر بھی تھا کہ اس نے کہا تھا کہ میرے اہل بچے رہیں گے مگر پھر بھی مخالفوں کو یہ کہنے کی گنجائش رہی کہ نوحؑ اپنے بیٹے کو نہ بچا سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوحؑ کو بھی شبہ پیدا ہوا تھا تب ہی تو اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر ہوا۔ پھر دیکھو باوجود نبی ہونے کے اُن کو دھوکا لگا اور یہ معاملہ اسی طرح سے ہوا کہ مخالفین تو درکنار خود نوحؑ کو ہی شکوک پیدا ہو گئے۔ خدا تعالیٰ اپنے رُعب اور خوف کو دُور کرنا نہیں چاہتا۔ اگر آج وہ کھُلا وعدہ دے دے کہ جماعت میں سے کوئی نہ مرے گا تو پھر اس کا خوف دلوں میں نہ رہے۔ جہاں خاص گھر کا اس نے وعدہ کیا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وہاں بھی ایک فقرہ ساتھ رکھ دیا ہے کہ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا رجوع کب ہوگا؟

فرمایا:۔

دیکھو بچہ جب پیٹ میں ہوتا ہے تو اگرچہ زندہ ہوتا ہے مگر تاہم خوشی پر ہنس نہیں سکتا اور تکلیف پر رو نہیں سکتا۔ بلاؤ تو بولتا نہیں۔ مگر جب باہر آتا ہے تو اس کو حواس

مل جاتے ہیں۔ ہنستا بھی ہے روتا بھی ہے بُلانے سے بولتا بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل زندگی جو کہ پیٹ میں تھی وہ اصلی اور حقیقی زندگی نہ تھی۔ حواس اس میں نہ تھے۔ جب خدا تعالےٰ ایک بات ڈالتا ہے تو حواس آجاتے ہیں۔ یہی حال مولوی محمد حسین صاحب کا ہے جب خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی بات دل میں ڈالی جاوے گی تو اسی وقت تبدیلی ہو جاوے گی۔

جو بُلائے جاتے ہیں وہ آتے ہیں اور جو بُلائے نہیں جاتے وہ کُفر میں ترقی کرتے ہیں اگر قرآن شریف نہ آتا تو ابوجہل اعلیٰ درجہ کے لوگوں میں شمار ہوتا۔ اسی طرح صدہا آدمیوں کو ہم صلحا سمجھتے ہیں مگر جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا اور اُنہوں نے انکار کیا تو معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک اُن میں صلاحیت نہ تھی۔ کسی کے باطن کا کسی کو کیا علم مگر حق پیش کرنے پر حقیقت کھُل جاتی ہے کہ خدا کی آواز سننے والے کون ہیں اور اس سے انکار کرنے والے کون؟

غیر معمولی مجلس

کل سے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر صاحب گورداسپور سے دورہ پر اور تحصیلدار صاحب بٹالہ سے مینار کی تعمیر کے ملاحظہ کے واسطے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس علیہ السلام جب سیر سے واپس تشریف لائے تو کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد ہر دو عہدیدار صاحبان نے حضرت اقدس سے ملاقات کی۔ طاعون پر ذکر اذکار ہوتے رہے اور مینار کے متعلق بھی تحصیلدار صاحب نے چند امور استفسار کئے۔ اس موقعہ پر جو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا اُسے ہم یکجائی طور پر درج کر دیتے ہیں (ایڈیٹر)

طاعون سے متعلق تجارب

طاعون کے تجربہ کے سوال پر فرمایا کہ

اس کے تجربہ کا موقعہ ابھی بہت ہے حکماء نے لکھا ہے کہ اس کا دورہ ستر ستر برس تک

ہوا کرتا ہے۔ بڑے بڑے حکمار نے پچاس ساٹھ برس تک اس کے دورہ کا مشاہدہ لکھا ہے۔ لیکن خدا جانے کہ بعد میں اس کے کیا تجارب ہوں۔ یہ کہنا کہ تجربہ ہوا ہے کہ کھلی ہوا میں اس کے کیڑے زیادہ ہوتے ہیں ٹھیک نظر نہیں آتا کیونکہ علاقہ بمبئی میں اس نے سب سے پہلے زیادہ حصہ شہر بمبئی کا ہی پسند کیا تھا۔ شاید یہ بات بعد میں بدل جائے۔ ہم اس رائے کو اس وقت قبول کرتے ہیں جب طاعون کی رفتار بھی اُسے قبول کرے۔ جیسے حکام کے دورے ہوتے ہیں اسی طرح اس کے بھی دورے ہوتے ہیں کسی جگہ پر عود کرتی ہے اور کسی جگہ نہیں لیکن اس پر بھی زور نہیں دیا جا سکتا۔ شاید ایک ہی جگہ بار بار آجاوے۔ پہلا تجربہ یہ ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ اپنی عمر پوری کر کے خود بخود ہی چھوڑ جاتی ہے۔

سوال ہوا کہ طاعون کا اصل باعث کیا ہے؟ فرمایا کہ

میں اس مجلس میں اس کا ذکر اس لئے پسند نہیں کرتا کہ مذہبی رنگ کے مسائل کو لوگ کم سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں جو لوگ خدا پر ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ اس کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ قاعدہ کی بات ہے جب انسان اپنی عقل پر بہت بھروسہ کرتا ہے تو ہر شیئ کا انکار کر دیتا ہے حتٰی کہ خدا تعالیٰ سے بھی منکر ہو جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آج کل کے جنٹلمین دینی بات کرنے والے کو بیوقوف کہہ دیتے ہیں۔ لیکن یقین ہے کہ اب زمانہ خود بخود مؤدب ہو جائے گا نرے ارضی اسباب ہی اس طاعون کے موجد نہیں ہیں۔ آخر اس کے کیڑے کسی پیدا کرنیوالے کی وجہ سے ہی پیدا ہوئے ہیں اور وہ زمانہ قریب ہے کہ لوگوں کو اس کی ہستی کا پتہ لگ جاوے ابھی تک لوگوں کو عبرت کامل نہیں ہوئی۔ طاعون کی گذشتہ چال سے پتہ چلتا ہے کہ اول عوام پر پھر خواص پر پھر ملوک پر حملہ کرتی ہے اور اس کے اصل اسباب کا معمہ تو خدا خود ہی کھولے گا میں نے اس کی خبر آج سے بائیس سال پیشتر دی ہے۔ پھر سات سال کے بعد دی پھر اس وقت دی جب ایک دو ضلعوں میں یہ تھی۔ قرآن میں، انجیل میں، دانیال نبی کی کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ غرض قبل از وقت ہم اس کی نسبت کھُل کر بات نہیں کرتے کیونکہ اس پر ہنسی

کی جاوے گی۔ جب خدا تعالیٰ اس کا پورا دورہ خود ختم کرے گا تو اس وقت آپ ہی لوگوں کو پتہ لگ جاوے گا۔

اطبّاء نے لکھا ہے کہ جب موسم جاڑے یا گرمی کی طرف حرکت کرتا ہے تو اس وقت یہ زیادہ ہوتی ہے مگر ابھی تو موسم اتنی شدت گرمی کا نہیں ہے لیکن اگر مئی کے گذرنے پر یہی حال رہا تو شائد یہ قاعدہ بھی ٹوٹ جاوے۔ مگر اصل بات کا علم تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔

اکثر جگہ چوہے کثرت سے مرتے ہیں تو وہاں طاعون کا اندیشہ ہوتا ہے مگر ہمارے گھر میں دو بلیاں ہیں اور وہ کوئی چوہا نہیں چھوڑتیں۔ شاید یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک علاج ہو۔

طاعون کا علاج

سوال ہوا پھر اس کا علاج کیا ہے؟ فرمایا۔

ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ بجز تقویٰ طہارت اور رجوع الی اللہ کے اور کوئی چارہ نہیں گو لوگ اسے دیوانہ پن سمجھتے ہیں مگر بات یہ ہے کہ دنیا خود بخود نہیں ہے۔ ایک خالق اور مدبّر کے ماتحت یہ چل رہی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ زمین پر پاپ اور گناہ بہت بڑھ گیا ہے تو وہ تنبیہہ نازل کرتا ہے اور جب رجوع الی اللہ ہو تو پھر اُسے اُٹھا لیتا ہے۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ لوگ بہت بیباک ہیں اور اُن کو ابھی تک کچھ پروا نہیں ہے۔

منارۃ المسیح کی غرض

سوال ہوا کہ مینار کیوں بنوایا جاتا ہے؟ فرمایا کہ

اس مینار کی تعمیر میں ایک یہ بھی برکت ہے کہ اس پر چڑھ کر خدا تعالےٰ کا نام لیا جاوے گا اور جہاں خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے وہاں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ آجکل اسی لئے سکھوں نے بھی اذانیں دلوائی ہیں اور مسلمانوں کو اپنے گھروں میں بُلا کر قرآن پڑھوایا ہے پھر اس کے اُوپر ایک لالٹین بھی نصب کی جاوے گی جس کی روشنی دُور دُور تک نظر آوے گی۔ سُنا گیا ہے کہ روشنی سے بھی طاعونی مواد کا دفعیہ ہوتا ہے اور ایک گھنٹہ بھی اس

پر لگایا جاوے گا۔ اس کی بلندی کی نسبت ہم کہہ نہیں سکتے۔ ابھی سرمایہ نہیں ہے۔ سرمایہ پر دیکھا جاوے گا کہ کس قدر بلند ہوگا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ لوگ اس پر چڑھ کر چارپائیاں بچھا دیں گے کیونکہ ایک تو وہ مخروطی شکل کا ہوگا اور گھنٹہ کی وجہ سے اُسے بند رکھا جاویگا کہ لوگ چڑھ کر اُسے خراب نہ کر دیویں۔

مجھے حیرت ہے کہ یہاں کے ہندوؤں کے ساتھ ہم نے آج تک برادرانہ برتاؤ رکھا ہے اور یہ لوگ ہمارے مینار کی تعمیر پر اس قدر جوش و خروش ظاہر کر رہے ہیں۔ اس مسجد کو ہمارے مرزا صاحب (والد صاحب) نے سات سو روپے کو خرید ا تھا اور اس مینار کی تعمیر میں صرف مسجد ہی کے لئے مفید بات نہیں ہے بلکہ عوام کو بھی فائدہ ہے یہ خیال کہ اس سے بے پردگی ہوگی یہ بھی غلط ہے۔ اب ہمارے سامنے ڈپٹی شنکر داس صاحب کا گھر ہے اور اس قدر اُونچا ہے کہ آدمی اُوپر چڑھے تو ہمارے گھر میں اس کی نظر برابر پڑتی ہے۔ تو کیا اب ہم کہیں کہ اسے گرا دیا جاوے؟ بلکہ ہم کو چاہیئے کہ اپنا پردہ خود کر لیویں۔

ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ مذہبی امور میں ہم سے دلبستگی ظاہر کرتے اور اس امر میں ہماری امداد کرتے۔ اگر یہ لوگ اپنا معبد بلند کرنا چاہیں تو کیا ہم اُسے روک سکتے ہیں؟

یہ خیال کہ مسجد یہاں ہو اور مینار کہیں باہر ہو ایک قسم کی ہنسی ہے اور اس وقت قبولیت کے قابل ہے کہ اوّل مسجد باہر نکال دی جاوے پھر مینار بھی باہر ہو جاوے گا۔ یہ قبر ہمارے مرزا صاحب کی ہے۔ انہوں نے نزول[1] سے زمین خرید کر اس مسجد کو تعمیر کرایا تھا اور اپنی موت سے ۲۲ دن پہلے اپنی اس قبر کا نشان بتلایا کہ اس جگہ ہو۔

مجھے ان لوگوں پر بار بار افسوس آتا ہے کہ ہمارے دل میں تو ان کی ہمدردی ہے۔ بیماریوں

---

[1] نقل مطابق اصل۔ (مرتب)

ہیں ہم ان کا علاج کرتے ہیں۔ ہر ایک ان کی مصیبت میں شریک ہوتے ہیں۔ انہیں سے پوچھا جاوے کہ کبھی ان کے مذہبی معاملات میں مَیں نے اُن سے نقیض کی ہے؟ دنیاوی معاملات تو الگ ہوتے ہیں لیکن مذہبی معاملات میں شرافت کا برتاؤ ہوا کرتا ہے۔ ان کو لازم تھا کہ ایسی باتیں نہ کرتے جو آپس کی شکر رنجی کا موجب ہوتیں۔ اس مینار کی بنیاد پر گیارہ سو روپیہ خرچ آیا ہے۔ تین برس سے اس کا ابتدائی کام شروع ہے۔ چنانچہ "الحکم" میں اس کا اعلان موجود ہے اگر ہمارا چار ہزار روپے کا نقصان ہو۔ پھر ان کو یہ روپیہ مل جاوے تو بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ خیر ہمسائیوں کو فائدہ پہنچا۔ لیکن ابھی تو مینار خیالی پلاؤ ہے۔ جوں جوں روپیہ آوے گا بنتا رہیگا جب وہ مکمل ہو جاوے تو پھر کوئی اعتراض کی بات ہو تو اعتراض ہو سکتا ہے۔

میں ایسا فعل کیوں کرنے لگا جس سے اوروں کو بھی نقصان ہو اور مجھے بھی۔ ہماری پردہ داری سب سے اعلیٰ ہے۔ اگر کوئی مینار پر چڑھے گا تو جیسے اوروں کے گھر میں نظر پڑ سکتی ہے ویسی ہی ہمارے گھر میں بھی پڑ سکتی ہے تو کیا ہم گوارا کریں گے کہ یہ بات ہو؟ بہر حال جب یہ بن جاوے گا تو لوگ سمجھ لیویں گے کہ اُن کو اس سے کس قدر فائدہ ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۸ - ۱۳۹ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

گوشت خوری[1]

چونکہ انسان جلالی جمالی دونو رنگ رکھتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ گوشت بھی کھائے اور دال وغیرہ بھی کھائے۔ ۲۲ $\frac{۱۰}{۱۹۰۰}$

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ٹکڑے ملفوظات الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ کے صفحہ ۲ پر درج ہیں گوشت خوری والے حصہ کے آخر میں $\frac{۱۰}{۱۹۰۰}$ ۲۲ کی تاریخ درج ہے۔ مگر "اچھوتا نکتہ" اور "معجزات کے تین اقسام" جو مضامین اگلے صفحات پر درج ہیں ان کی کوئی تاریخ درج نہیں۔ (مرتب)

بلا تاریخ

اچھوتا نکتہ

عبادت اور احکام الٰہی کی دو شاخیں ہیں. تعظیم لامر اللہ اور ہمدردی مخلوق۔ میں سوچتا تھا کہ قرآن شریف میں تو کثرت کے ساتھ اور بڑی وضاحت سے ان مراتب کو بیان کیا گیا ہے مگر سورہ فاتحہ میں ان دونو شقوں کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ میں سوچتا ہی تھا کہ فی الفور میرے دل میں یہ بات آئی کہ الحمد للہ ربّ العالمین ۔ الرحمٰن الرحیم ۔ ملٰک یوم الدین[1] سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے یعنی ساری صفتیں اور تعریفیں اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہیں جو ربّ العالمین ہے یعنی ہر عالم میں نطفہ میں اور مضغہ وغیرہ میں سارے عالموں کا رب ہے۔ پھر رحمٰن ہے۔ پھر رحیم ہے اور مالک یوم الدین ہے۔ اب اس کے بعد ایاك نعبد جو کہتا ہے تو گویا اس عبادت میں وہی ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالک یوم الدین کی صفات کا پرتو انسان کو اپنے اندر لینا چاہیئے کیونکہ کمال عابد انسان کا یہی ہے تخلقوا باخلاق اللہ میں رنگین ہو جاوے پس اس صورت میں یہ دونو امر بڑی وضاحت اور صفائی سے بیان ہوئے۔

بلا تاریخ

معجزات کے تین اقسام

فرمایا:۔

معجزات تین اقسام کے ہوتے ہیں:۔

(۱) دُعائیہ (۲) ارہاصیہ (۳) قوت قدسیہ

ارہاصیہ میں دعا کو دخل نہیں ہوتا۔ قوت قدسیہ کے معجزات ایسے ہوتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں اُنگلیاں رکھ دیں اور لوگ پانی پیتے رہے یا ایک تلخ کوئیں میں اپنا لب گرا دیا اور اس کا پانی میٹھا ہو گیا مسیحؑ کے معجزات میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ خود ہم کو اللہ تعالےٰ

[1] الفاتحہ : ۲ تا ۴

نے فرمایا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

مسیح کے معجزات کے متعلق جو ہم نے عمل الترب کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہیں وہ توجہ سے سرسبز ہوتی ہیں۔ رہی یہ بات کہ مسیح کے معجزات کو مکروہ کہا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ بعض اوقات ایک امر جائز ہوتا ہے اور دوسرے وقت نہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۳ء)

بلاتاریخ*

تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت

جب ہم اس ترتیب کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو مقصد ہی بیان فرمائے ہیں۔ تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت اور اول الذکر تکمیل چھٹے دن یعنی جمعہ کے دن ہوئی۔ الیوم اکملت لکم[1] اسی دن نازل ہوئی اور دوسری تکمیل کیلئے بالاتفاق مانا گیا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ہوگی چنانچہ سب مفسروں نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے جبکہ پہلی تکمیل چھٹے دن ہوئی تو دوسری تکمیل بھی چھٹے دن ہی ہوگی۔ اور قرآن شریف میں ایک دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود چھٹے ہزار میں ہوگا۔

بلاتاریخ*

بہترین دُعا

بہترین دعا وہ ہوتی ہے جو جامع ہو تمام خیروں کی اور مانع ہو تمام مضرات کی۔ اس لئے انعمت علیھم کی دُعا میں آدمؑ سے لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک کے کُل منعم علیہم لوگوں

---

* یہ ملفوظات بھی "الحکم" میں بلاتاریخ شذرات کی صورت میں درج ہیں۔ (مرتب)

[1] المائدہ : ۴

کے انعامات کے حصول کی دعا ہے اور غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین[1] میں ہر قسم کی مضرّتوں سے بچنے کی دُعا ہے۔ چونکہ مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ بالاتفاق ہیں تو اس دعا کی تعلیم کا منشا صاف ہے کہ یہود نے جیسے بیجا عداوت کی تھی۔ مسیح موعود کے زمانہ میں مولوی لوگ بھی ویسا ہی کریں گے اور حدیثیں اس کی تائید کرتی ہیں یہانتک کہ وہ یہودیوں کے قدم بہ قدم چلیں گے۔

بلا تاریخ

رُوح القدس کے فرزند

ایّدناہ بروح القدس[2] میں مسیحؑ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ رُوح القدس کے فرزند تمام وہ سعادت مند اور راستباز ہیں جن کی نسبت انّ عبادی لیس لک علیھم سلطان[3] وارد ہے۔ قرآن کریم سے دو قسم کی مخلوق ثابت ہوتی ہے۔ اوّل وہ جو روح القدس کے فرزند ہیں دوسرے وہ جو شیطان کے فرزند ہیں پس اس میں مسیحؑ کی کوئی خصوصیت نہیں۔

بلا تاریخ

دوزخ دائمی نہیں

ہمارا ایمان یہی ہے کہ دوزخ میں ایک عرصہ تک آدمی رہیگا پھر نکل آئے گا۔ گویا جن کی اصلاح نبوت سے نہیں ہو سکی ان کی اصلاح دوزخ کرے گا۔ حدیث میں آیا ہے یاتی علےٰ جھنّم زمانٌ لیس فیھا احدٌ۔ یعنی دوزخ پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی متنفس نہیں ہوگا اور نسیم صبا اس کے دروازوں کو کھٹکھٹائے گی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء)

---

[1] الفاتحہ: ۷ [2] البقرۃ: ۲۵۴ [3] الحجر: ۴۳

بلا تاریخ

استفسار اور اُن کے جواب[1]

سوال۔ کبھی نماز میں لذّت آتی ہے اور کبھی وہ لذّت جاتی رہتی ہے اس کا کیا علاج ہے ؟

جواب۔ ہمت نہیں ہارنی چاہیئے بلکہ اس لذّت کے کھوئے جانے کو محسوس کرنے اور پھر اس کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے جیسے چور آوے اور وہ مال اُٹھا کر لے جاوے تو اس کا افسوس ہوتا ہے اور پھر انسان کوشش کرتا ہے کہ آئندہ اس خطرہ سے محفوظ رہے۔ اس لئے معمول سے زیادہ ہوشیاری اور مستعدی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح پر جو خبیث نماز کے ذوق اور اُنس کو لے گیا ہے تو اس سے کس قدر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے؟ اور کیوں نہ اس پر افسوس کیا جاوے؟ انسان جب یہ حالت دیکھے کہ اس کا اُنس و ذوق جاتا رہا ہے تو وہ بے فکر اور بے غم نہ ہو۔ نماز میں بے ذوقی کا پیدا ہونا ایک سارق کی چوری اور روحانی بیماری ہے جیسے ایک مریض کے مُنہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے تو وہ فی الفور علاج کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح پر جس کا رُوحانی مذاق بگڑ جاوے اس کو بہت جلد اصلاح کی فکر کرنی لازم ہے۔

یاد رکھو انسان کے اندر ایک بڑا چشمہ لذّت کا ہے جب کوئی گناہ اس سے سرزد ہوتا ہے تو وہ چشمہ لذّت مکدّر ہو جاتا ہے اور پھر لذّت نہیں رہتی۔ مثلاً جب ناحق گالی دے دیتا ہے یا ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر بدمزاج ہو کر بدزبانی کرتا ہے تو پھر ذوقِ نماز جاتا رہتا ہے۔ اخلاقی قویٰ کو لذّت میں بہت بڑا دخل ہے۔ جب انسانی قویٰ میں فرق آئے گا تو اس کے ساتھ ہی

---

[1] یہ ملفوظات بھی "الحکم" میں بلا تاریخ درج ہیں "استفسار ہے اور ان کے جواب" کے عنوان سے "الحکم" میں جو ملفوظات بلا تاریخ درج ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ تو "البدر" کی ڈائری سے پتہ لگ جاتا ہے کہ کس تاریخ کے ہیں لیکن بعض دفعہ "البدر" کی ڈائری سے بھی ان کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا تو بلا تاریخ درج کر دیئے جاتے ہیں۔ (مرتب)

لذت میں بھی فرق آجاوے گا۔ پس جب کبھی ایسی حالت ہو کہ اُنس اور ذوق جو نماز میں آتا تھا وہ جاتا رہا ہے تو چاہیئے کہ تھک نہ جاوے اور بے حوصلہ ہو کر ہمت نہ ہارے بلکہ بڑی مستعدی کے ساتھ اس گمشدہ متاع کو حاصل کرنے کی فکر کرے اور اس کا علاج ہے۔ توبہ، استغفار، تضرع۔ بے ذوقی سے ترک نماز نہ کرے بلکہ نماز کی اور کثرت کرے۔ جیسے ایک نشہ باز کو جب نشہ نہیں آتا تو وہ نشہ کو چھوڑ نہیں دیتا بلکہ جام پر جام پیتا جاتا ہے یہانتک کہ آخر اس کو لذت اور سرور آجاتا ہے۔ پس جس کو نماز میں بے ذوقی پیدا ہو اس کو کثرت سے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے اور تھکنا مناسب نہیں آخر اسی بے ذوقی میں ایک ذوق پیدا ہو جاویگا

دیکھو پانی کے لئے کس قدر زمین کو کھودنا پڑتا ہے جو لوگ تھک جاتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں جو تھکتے نہیں وہ آخر نکال ہی لیتے ہیں۔ اس لئے اس ذوق کو حاصل کرنے کے لئے استغفار، کثرت نماز و دُعا، مستعدی، اور صبر کی ضرورت ہے۔

بہترین وظیفہ

سوال۔ بہترین وظیفہ کیا ہے؟

جواب۔ نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے۔ استغفار ہے اور درود شریف۔ تمام وظائف اور اَوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر قسم کے غم و ہم دُور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اسی لئے فرمایا ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔[1] اطمینان و سکینت قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لوگوں نے قسم قسم کے وِرد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور ایک نئی شریعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابلہ میں بنا دی ہوئی ہے۔ مجھ پر تو الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے نبوت

[1] الرعد : ۲۹

کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں اور حیرت سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے خود شریعت بنائی ہے اور نبی بنے ہوئے ہیں اور دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ان وظائف اور اوراد میں دنیا کو ایسا ڈالا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے معمول اور اوراد میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ نمازوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ میں نے مولوی صاحب سے سُنا ہے کہ بعض گدی نشین شاکت مت والوں کے منتر اپنے وظیفوں میں پڑھتے ہیں۔ میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو اس سے تمہیں اطمینان قلب حاصل ہوگا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یاد الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے فرمایا ہے أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي[1]

سوال۔ قبرستان میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب۔ نذر و نیاز کے لئے قبروں پر جانا اور وہاں جا کر منتیں مانگنا درست نہیں ہے ہاں وہاں جا کر عبرت سیکھے اور اپنی موت کو یاد کرے تو جائز ہے۔ قبروں کے پختہ بنانے کی ممانعت ہے البتہ اگر میّت کو محفوظ رکھنے کی نیت سے ہو تو حرج نہیں ہے یعنی ایسی جگہ جہاں سیلاب وغیرہ کا اندیشہ ہو اور اس میں بھی تکلفات جائز نہیں ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۰ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۱۰ مئی ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ[2]

خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جیسے ایک طرف بعض و حسد کرنے والے ہمارے دشمن

[1] طٰہٰ: ۱۵ [2] الشوریٰ: ۸

موجود ہیں۔ ویسے ہی ان کے بالمقابل وہ لوگ بھی ہیں جو کہ اسی تحریک سے راہ راست کی طرف آجاتے ہیں۔ مامور کا زمانہ بھی ایک قیامت ہے۔ جیسے لوگ جزا کے دن دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے یعنی فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر[1] ایسے ہی مامور کی بعثت کے وقت بھی دو فریق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ[2] جیسے تقریباً سات سو برس پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہا گیا اور مسیح علیہ السلام کے وقت پورا ہوا ویسا ہی آپ کے تیرہ سو برس بعد چودھویں صدی میں ہمارے زمانہ میں پورا ہو رہا ہے۔

ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا*

فرمایا کہ

اہل عرب اس قسم کے استثنا کرتے ہیں۔ صرف ونحو میں بھی اگر دیکھا جاوے تو ایسے استثنا بکثرت ہوا کرتے ہیں اور ایسی نظیریں موجود ہیں جیسے کہا جاوے کہ میرے پاس ساری قوم آئی مگر گدھا۔ اس سے یہ سمجھنا کہ ساری کی ساری قوم جنس حمار میں سے تھی غلط ہے۔ کان من الجن کے بھی یہی معنے ہوئے کہ وہ فقط ابلیس ہی قوم جنّ میں سے تھا ملائکہ میں سے نہیں تھا۔ ملائک ایک الگ پاک جنس ہے اور شیطان الگ۔ ملائکہ اور ابلیس کا راز ایسا مخفی در مخفی ہے کہ بجز آمنا وصدقنا کے انسان کو چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اقتدار اور توفیق نہیں دی مگر وسوسہ اندازی میں وہ محرک ہے جیسے ملائکہ پاک تحریکات کے محرک ہیں ویسے ہی شیطان ناپاک جذبات کا محرک ہے۔ ملائکہ کی منشا رہے کہ انسان پاکیزہ ہو، مطہر ہو، اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں اور اس کے بالمقابل شیطان چاہتا ہے کہ انسان گندہ اور ناپاک ہو۔

* البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ میں ہے کہ "سوال ہوا کہ ابلیس ملائکہ سے تھا یا کون؟" اس کے جواب میں حضور نے فرمایا۔ (مرتب)

[1] الشوریٰ : ۸ [2] آل عمران : ۵۶

اصل بات یہ ہے کہ قانون الٰہی ملائکہ و ابلیس کی تحریکات کا دوش بدوش چلتا ہے لیکن آخر کار ارادہ الٰہی غالب آجاتا ہے گویا پس پردہ ایک جنگ ہے جو خود بخود جاری رہ کر آخر قادر و مقتدر حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور باطل کی شکست۔

مجہول الکنہہ اشیاء

چار چیزیں ہیں جن کی کنہہ دراز کو معلوم کرنا انسان کی طاقت سے بالا تر ہے۔

اوّل اللہ جلشانہٗ ، دوم رُوح ، سوم ملائکہ ، چہارم ابلیس۔

جو شخص ان چاروں میں سے خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور اس کی صفات الوہیت پر ایمان رکھتا ہے ضرور ہے کہ وہ ہر سہ اشیاء روح و ملائک و ابلیس پر ایمان لائے۔

مثلاً رُوح جیسے انسان کے اندر داخل ہوتی معلوم نہیں ہوتی ویسے ہی اس میں سے خارج ہوتی بھی معلوم نہیں ہوتی[1]۔ انسان کو ہر حال میں رضاء الٰہی پر چلنا چاہیئے اور کارخانہ الٰہی میں دخل در معقولات نہیں دینا چاہیئے۔ تقویٰ اور طہارت ، اطاعت و وفا میں ترقی کرنی چاہیئے اور سب باتیں تب ممکن ہیں جب انسان کامل ایمان اور یقین سے ثابت قدم رہے اور صدق و اخلاص اپنے مولا کریم سے دکھلائے اور وہ باتیں جو علم الٰہی میں مخفی ہیں اس کی کُنہ کے معلوم کرنے میں بیسود کوشش نہ کرے[2]۔ مثلاً ہلیلہ قبض کو دُور کرتی ہے اور سم الفار ہلاک کرتا ہے۔ اب کیا ضرورت پڑی ہے کہ بے فائدہ اس دھت میں بھاگا پھرے کہ کونسی شے ہے جو یہ اثر کرتی ہے۔ طبیب کا کام ہے کہ اُن کے خواص کو معلوم کرے۔

---

[1] البدر سے :۔ " جیسے انڈے کے بیچ میں رُوح آتی ہے اور بعض وقت بچہ بیچ میں ہی مر کر رہ جاتا ہے اور رُوح نکل جاتی ہے لیکن معلوم کسی کو نہیں ہوتا۔ پس یہ راز ہوتے ہیں۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے :۔ " انسان کو ان باتوں کی کُنہہ دریافت کرنے میں نہ پڑنا چاہیئے تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرنی چاہیئے تو اس طرح خدا تعالیٰ خود اس کی تسلّی کر دے گا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰)

اور یہ سوال کہ کیوں یہ خواص پیدا ہو گئے حوالہ بخدا کرے جو شخص ہر ایک چیز کے خواص و ماہیت دریافت کرنے کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ نادانی سے کارخانہ ربّی اور اس کے منشار سے بالکل ناواقف و نابلد ہے۔

اگر کوئی کہے کہ شیطان و ملائکہ دکھلاؤ تو کہنا چاہیئے کہ تمہارے اندر یہ خواص کہ بیٹھے بٹھائے آناً فاناً بدی کی طرف متوجہ ہو جانا یہانتک کہ خدا تعالےٰ کی ذات سے بھی منکر ہو جانا اور کبھی نیکی میں ترقی کرنا اور انتہا درجہ کی انکساری و فروتنی و عجز و نیاز میں گر جانا یہ اندرونی کششیں جو تمہارے اندر موجود ہیں ان سب کے محرّک جو قویٰ ہیں وہ ان دو الفاظ ملک و شیطان کے وجود میں مجسم ہیں۔

سعادت اسی میں ہے کہ خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایمان لایا جاوے اور اس کو حاضر و ناظر یقین کیا جاوے اور اس کی عین موجودگی کا تصور دل میں رکھ کر ہر ایک بدی و ناراستی سے پرہیز کیا جاوے۔ یہی بڑی دانش و حکمت ہے اور یہی معرفت الٰہی کا سیراب کرنے والا شیریں سوتہ ہے جس سے اور جس کے لئے اہل اللہ ایک ریگستان کے پیاسے کی طرح آگے بڑھ کر خوش مزگی سے پیتے ہیں اور یہی وہ آبِ کوثر ہے جو مولائے کریم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے اپنے اولیار اصفیا کو پلاتا ہے۔

مومن چونکہ خدا تعالےٰ کی معرفت کا محتاج ہے اور ہر کوئی اس کی طرف نظر اُٹھائے دیکھ رہا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی یہ دروازہ پورے طور پر کھولا ہوا ہے جوں جوں انسان اس راہ میں کوشش کرے گا توں توں درِ رحمت اس پر کھلتا جاوے گا۔ دُنیا میں بے انت ایسی چیزیں ہیں جن کی ہمیں خبر بھی نہیں پر ایسی چیزوں کی دریافت کے لئے سرگردان ہونا کونسی عقلمندی ہے؟ کونسی چیز ہے جس کی تحقیق انسان نے پورے طور سے کر لی ہے۔ جو چیز اللہ جلشانہٗ نے انسان کے لئے چنداں مفید نہیں سمجھی۔ وہ پورے طور پر انسان پر منکشف بھی نہیں ہوتی۔ پس جو ہر ایک چیز کو دریافت کرنا چاہتا ہے وہ خدا بننا چاہتا ہے۔ جس راہ پر انسان پہنچ نہیں سکتا چاہیئے کہ اُسے چھوڑ دے۔ انسان کو جو کچھ کہ دیا گیا ہے اس پر قانع رہے۔ اگر یہ توقع رکھے

کہ آسمان کے درخت کا پھل آوے تو میں کھاؤں حالانکہ اس کا ہاتھ وہاں پہنچ بھی نہیں سکتا تو وہ مجنون ہے ہاں جب اللہ تعالیٰ اس کی فطرت میں یہ قویٰ پیدا کر دے کہ آسمان تک پہنچ سکے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ آسمان ہی کے پھل کھاوے۔

گناہ سے کیسے بچ سکتے ہیں

گناہ سے انسان کیسے بچ سکتا ہے۔ اس کا علاج یہ تو بالکل نہیں کہ عیسائیوں کی طرح ایک کے سر میں درد ہو تو دوسرا اپنے سر میں پتھر مار لے اور پہلے کا درد سر دُور ہو جاوے دراصل انسان کا حدِ اعتدال سے گذر جانا ہی گناہ کا موجب ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ بات پھر عادت میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ سوال کہ یہ عادت کیونکر دُور ہو سکتی ہے؟ اکثر لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ عادت دور نہیں ہو سکتی اور عیسائیوں کا تو پختہ یقین و ایمان ہے کہ عادت یا فطرت ثانی ہرگز دُور نہیں ہو سکتی اور نہ بدل سکتی ہے۔ مسیح کے کفارہ کو مان کر بھی یہ تو نہیں ہو سکتا ہے کہ انسان گناہ سے بالطبع نفرت کرنے لگ جائے نہیں البتہ اس کفارہ کے طفیل اُخروی عذاب سے نجات پا جائے گا۔ یہی اعتقاد ہے جو رکھنے سے انسان خلیع الرسن ہو کر بدکاریوں اور ناسزاوار امور میں دل کھول کر ترقی کرتا ہے۔

اپنی جماعت سے خطاب

ہماری جماعت کو اس پر توجہ کرنی چاہیئے کہ ذرا سا گناہ خواہ کیسا ہی صغیرہ ہو جب گردن پر سوار ہو گیا تو رفتہ رفتہ انسان کو کبیرہ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ طرح طرح کے عیوب مخفی رنگ میں انسان کے اندر ہی اندر ایسے رچ جاتے ہیں کہ اُن سے نجات مشکل ہو جاتی ہے۔

انسان جو ایک عاجز مخلوق ہے اپنے تئیں شامتِ اعمال سے بڑا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ کبر اور رعونت اس میں آجاتی ہے اللہ کی راہ میں جب تک انسان اپنے آپ کو سب سے چھوٹا نہ سمجھے

چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ کبیر نے سچ کہا ہے ؎

بھلا ہوا ہم نیچ بھئے ہر کو کیا سلام
جے ہوتے گھر اُونچ کے ملتا کہاں بھگوان

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم چھوٹے گھر میں پیدا ہوئے۔ اگر عالی خاندان میں پیدا ہوتے تو خدا نہ ملتا۔ جب لوگ اپنی اعلیٰ ذات پر فخر کرتے تو کبیر اپنی ذات بافندہ[1] پر نظر کر کے شکر کرتا۔

پس انسان کو چاہیئے کہ ہر دم اپنے آپ کو دیکھے کہ میں کیسا ہیچ ہوں۔ میری کیا ہستی ہے ہر ایک انسان خواہ کتنا ہی عالی نسب ہو مگر جب وہ اپنے آپ کو دیکھے گا بہر نہج وہ کسی نہ کسی پہلو میں بشرطیکہ آنکھیں رکھتا ہو تمام کائنات سے اپنے آپ کو ضرور بالضرور ناقابل و ہیچ جان لیگا۔ انسان جب تک ایک غریب و بیکس بڑھیا کے ساتھ وہ اخلاق نہ برتے جو ایک اعلیٰ نسب عالی جاہ انسان کے ساتھ برتتا ہے یا برتنے چاہئیں اور ہر ایک طرح کے غرور و رعونت و کبر سے اپنے آپ کو نہ بچاوے وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔[2]

جس قدر نیک اخلاق ہیں تھوڑی سی کمی بیشی سے وہ بد اخلاقی میں بدل جاتے ہیں۔ اللہ جلشانہٗ نے جو دروازہ اپنی مخلوق کی بھلائی کے لئے کھولا ہے وہ ایک ہی ہے یعنی دعا۔ جب کوئی شخص بکا و زاری سے اس دروازہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ مولائے کریم اس کو پاکیزگی و طہارت کی چادر پہنا دیتا ہے اور اپنی عظمت کا غلبہ اس پر اس قدر کر دیتا ہے کہ بیجا کاموں اور ناکارہ حرکتوں سے وہ کوسوں بھاگ جاتا ہے۔ کیا سبب ہے کہ انسان باوجود خدا کو ماننے کے بھی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا؟ درحقیقت اس میں دہریت کی ایک رگ ہے اور اُس کو

---

[1] البدر میں ہے۔ "جب لوگ اپنی اپنی ذات پر فخر کرتے تو کبیر اپنی قوم چمار پر نظر کر کے شکر کرتا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰)

[2] اس کے آگے البدر میں مزید لکھا ہے۔ "اور قوتیں تو انسان کی کبھی کبھی غلبہ کرتی ہیں مگر رعونت اور نخوت ہر وقت اس پر سوار ہے" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰)

پورا پورا یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا ورنہ اگر وہ جانتا کہ کوئی خدا ہے جو حساب کتاب لینے والا ہے اور ایک آن میں اس کو تباہ کر سکتا ہے تو وہ کیسے بدی کر سکتا ہے اس لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی چور چوری نہیں کرتا در آنحالیکہ وہ مومن ہے اور کوئی زانی زنا نہیں کرتا در آنحالیکہ وہ مومن ہے۔ بدکرداریوں سے نجات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ یہ بصیرت اور معرفت پیدا ہو کہ خدا تعالیٰ کا غضب ایک ہلاک کرنے والی بجلی کی طرح گرتا اور بھسم کرنے والی آگ کی طرح تباہ کر دیتا ہے تب عظمت الٰہی دل پر ایسی مستولی ہو جاتی ہے کہ سب افعال بد اندر ہی اندر گداز ہو جاتے ہیں۔

پس نجات معرفت میں ہی ہے۔ معرفت ہی سے محبت بڑھتی ہے اس لئے سب سے اوّل معرفت کا ہونا ضروری ہے۔ محبت کے زیادہ کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ حُسن اور احسان۔ جس شخص کو اللہ جلّشانہٗ کا حُسن اور احسان معلوم نہیں وہ کیا محبت کرے گا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ[1] یعنی کفار جنّت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گذر جائے۔ مفسّرین اس کا مطلب ظاہری طور پر لیتے ہیں مگر میں یہی کہتا ہوں کہ نجات کے طلبگار کو خدا تعالیٰ کی راہ میں نفس کے شُتربے مہار کو مجاہدات سے ایسا دُبلا کر دینا چاہیئے۔ کہ وہ سوئی کے ناکہ میں سے گذر جائے۔ جب تک نفس دنیوی لذائذ و شہوانی حظوظ سے موٹا ہوا ہوا ہے تب تک یہ شریعت کی پاک راہ سے گذر کر بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دنیوی لذائذ پر موت وارد کرو اور خوف و خشیت الٰہی سے دُبلے ہو جاؤ تب تم گذر سکو گے اور یہی گذرنا تمہیں جنّت میں پہنچا کر نجات اُخروی کا موجب ہو گا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء)

[1] الاعراف : ۴۱

مجلس قبل از عشاء

پابندی رسوم کا اثر ایمان پر

فرمایا

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔[1] اللہ تعالیٰ کے خوش کرنے کا ایک یہی طریق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی فرمانبرداری کی جاوے۔ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ طرح طرح کی رسومات میں گرفتار ہیں۔ کوئی مرجاتا ہے تو قسم قسم کی بدعات اور رسومات کی جاتی ہیں۔ حالانکہ چاہیئے کہ مردہ کے حق میں دعا کریں۔ رسومات کی بجا آوری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صرف مخالفت ہی نہیں ہے بلکہ اُن کی ہتک بھی کی جاتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کافی خیال کرتے تو اپنی طرف سے رسومات کے گھڑنے کی کیوں ضرورت پڑتی۔

فرمایا کہ

انسان کی وہ غلطی تو معاف ہوسکتی ہے جو کہ یہ نادانی سے کرتا ہے مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد فیج اعوج کے زمانہ میں طرح طرح کی غلطیاں پھیل گئیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مسیح فوت نہیں ہوئے اور اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر موجود ہیں۔

(اس مقام پر حضرت اقدس نے مسیح کی وفات کے دلائل مختصراً جامع طور پر بیان فرمائے) اور پھر ان کے بعد ایک تقریر اس مضمون پر فرمائی کہ ہماری جماعت سے کیوں بعض لوگ طاعون سے مرجاتے ہیں اور فرمایا کہ

ہمیشہ انجام پر نظر چاہیئے۔ آخر کار مومن ہی کامیاب ہوتا ہے اور پھر ایک التباس بھی ہونا ہے کہ جس پر ہر ایک کو ایمان لانا چاہیئے۔ اگر التباس نہ ہو تو پھر ایمان ایمان نہیں ہو سکتا۔ بعض کام تو اس لئے کئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت پوری ہو جاوے

[1] آل عمران: ۳۲

اور بعض اس لئے ظہور میں آتے ہیں کہ انسان تدبّر کریں۔ اگر التباس نہ ہو تو تدبّر کرنے والوں کو ثواب کیسے حاصل ہوتا اور ایمان کے کیا معنے ہوتے؟

اگر موت صرف دشمنوں کے واسطے ہی ہو تو پھر کون بیوقوف ہے جو کہ ظاہری موت کو دیکھ کر مسلمان نہ ہو جاوے۔ یوں تو لوگ بیشک خدا تعالیٰ کے سوا اَوروں کی عبادت کرتے ہیں مثلاً بعض ہندو قبروں کی بھی پوجا کرتے ہیں تو جب ایسے لوگ دیکھ لیویں کہ عافیت تو صرف خدا کے ایک ماننے والوں کے پاس ہے تو اُن کو ایمان سے کونسی شئے روک سکتی ہے؟

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۵ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء)

۱۴ مئی ۱۹۰۳ء

(بوقت ظہر)

ایک ذکر پر فرمایا کہ

صدق اور عاجزی کام آتی ہے مگر یہ کسی کا اختیار نہیں ہے کہ کسی کو ہاتھ ڈال کر سیدھا کر دیوے۔ ہر ایک انسان کی نجات کے واسطے اس کے اپنے اعمال کا ہونا ضروری ہے۔ بوستاں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک اہل اللہ کو کہا کہ میرے لئے دُعا کرو کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ اس نے جواب دیا کہ میرے ایک کی دُعا کیا کام کرے گی جبکہ ہزاروں بے گناہ قیدی تیرے لئے بددُعا کرتے ہیں۔ اُس نے یہ سُنکر تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

مجلس قبل از عشاء

فرمایا کہ

اس وقت صدہا فرقے ہیں اگر ایک الٰہی فرقہ بھی ہو گیا تو کیا ہرج ہے؟ خدا معلوم کیوں ان لوگوں نے شور مچا رکھا ہے۔ ہمارا خدا بائیس برس سے زیادہ عرصہ سے ہماری امداد

کر رہا ہے اور ان لوگوں کی پیش نہ گئی۔ بددعا کرتے کرتے ان کے ناک بھی گھس گئے اور ہمیں تجربہ ہے کہ ہمارا وہی خدا ہے جس کی کلام ہم پر نازل ہوتی ہے۔ اب اس کے مقابل پر اُن کے ظنیات کس کام کے ہیں؟ جس حکم کے وہ منتظر ہیں آخر اُس نے بھی آکر ایک ہی فرقہ بنانا ہے۔ ان کی باتوں کا اکثر حصہ وہ آکر ردّ ہی کرے گا تو ہی ایک فرقہ بنا سکے گا۔ پھر کیوں تقویٰ اجازت نہیں دیتا کہ ان کی باتیں ردّ کی جاویں؟ کتاب اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حدیث بھی کُلّی سے کُلّی ہمارے ساتھ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت مسیحؑ کو مُردوں میں معراج کی رات میں دیکھ کر آئے۔ اُدھر خدا کی قولی شہادت اِدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت کہ مسیحؑ فوت ہو گئے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ محبت اور ایمان کے لئے اسباب ہوتے ہیں۔ مسیحؑ کی زندگی پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ ساری عمر دھکے کھاتے رہے۔ صلیب پر چڑھنا بھی مشتبہ رہا۔ ادھر ایک لمبا سلسلہ عمر اور سوانح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دیکھو کہ کیسی نصرت الٰہی شامل رہی۔ ہر ایک میدان میں آپ کو فتح ہوئی۔ کوئی گھڑی یاس کی آپ پر گذری ہی نہیں۔ یہانتک کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ[1] کا وقت آگیا۔ ان تمام نصرتوں میں کوئی حصہ بھی حضرت مسیح کا نظر نہیں آتا۔ اس لئے صاف ثابت ہے کہ محبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدا سے زیادہ ہو نہ کہ مسیح کی کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالےٰ کے انعامات بکثرت ہیں اور اس لئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہوسکتی ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہوں۔ جو شخص نظارہ قدرت زیادہ دیکھتا ہے وہی زیادہ فریفتہ ہُوا کرتا ہے۔

اور اب اگر مسیح آویں بھی تو اس میں اسلام کی اور خود مسیحؑ کی بےعزتی ہے۔ اسلام کی بےعزتی اس طرح کہ کہنا پڑے گا کہ خاتم النّبیین کے بعد ایک اور پیغمبر اسرائیلی آیا۔ اور مسیحؑ کی بےعزتی اس طرح کہ ان کو آکر انجیل چھوڑنی پڑے گی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۶ مورخہ ۲۹ رمئی ۱۹۰۳ء)

[1] النصر: ۲

۱۸ رمئی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

قرآن کی ایک پیشگوئی کا پورا ہونا

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا۔[۱] (پ ۱۵) کوئی ایسا گاؤں نہیں مگر روز قیامت سے پہلے پہلے ہم اس کو ہلاک کر کے رہیں یا اس کو سخت عذاب دیویں گے۔ قرآن میں یہ ایک پیشگوئی ہے۔ فرمایا کہ

یہ اب پنجاب پر بالکل صادق آرہی ہے۔ بعض گاؤں تو اس سے بالکل تباہ ہو گئے ہیں اور بعض جگہ بطور عذاب کے طاعون جا کر پھر اُن کو چھوڑ دیتی ہے۔

مسلمان قوم کی حالت

امریکہ اور یورپ کے بلاد میں حضرت مسیحؑ کی نسبت جو ایک انقلاب عظیم خیالات میں ہو رہا ہے اور جس کا ذکر ہم "البدر" کے ایک آرٹیکل بعنوان "کسر صلیب کا دروازہ کھُل گیا ہے" میں کر چکے ہیں۔ اس پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ[۲] سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع اور عقل انسان کو ایمان کے واسطے جلد تیار کر دیتی ہے۔ ہماری قوم میں نہ سماع ہے نہ عقل ہے۔ دل میں یہی ٹھانی ہوئی ہے کہ تردید کریں۔ پیشگوئیوں کو جھوٹا ثابت کریں۔ نص اور اخبار کی تکذیب کریں کشوف وغیرہ جو اولیائے کرام کے ہماری تائید میں ہیں ان سب کو جھوٹا کہدیں۔ غرضیکہ یہ سماع کا حال ہے۔

اب عقل کا سُن لو کہ نظائر پیش نہیں کر سکتے کہ کوئی اس امر کا ثبوت دیں کہ سوائے مسیحؑ کے اور بھی کچھ آدمی زندہ آسمان پر گئے۔ ایک بات کو دیکھ کر دوسری کو پیدا کرنا اس کا نام عقل ہے۔

---

[۱] بنی اسرائیل: ۵۹ [۲] الملک: ۱۱

سو اس کو انہوں نے ہاتھ سے دے دیا ہے۔ دونو طریق (سماع اور عقل) قبول حق کے تھے سو وہ دونو کھو بیٹھے۔ مگر یہ لوگ (اہل امریکہ و یورپ) غور کرتے ہیں اگرچہ سب نہیں کرتے مگر ایسے پائے تو جاتے ہیں جو کرتے ہیں جس حال میں کہ وہ مانتے ہیں کہ مسیحؑ کے دوبارہ آنے کا زمانہ یہی ہے اور اس کی موت کے بھی قائل ہیں تو دیکھ لو کہ وہ لوگ کس قدر قریب ہیں۔ اس قوم کا اقبال اب بڑھ رہا ہے اور مسلمانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دن بدن گرتے جاتے ہیں۔ اور وہ منتظر ہیں کہ مسیحؑ اور مہدیؑ آتے ہی تلوار اُٹھا لیوے گا اور خون کی ندیاں بہا دیوےگا۔ کمبخت دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں کے پاس نہ تو فنونِ حرب ہیں نہ ان کے پاس ایجاد کی طاقت ہے نہ استعمال کی استعداد ہے۔ جنگی طاقت نہ بحری ہے نہ برّی۔ تو یہ زمانہ ان کے منشاء کے موافق کیسے ہو سکتا ہے؟ اور نہ خدا کا یہ ارادہ ہے کہ جنگ ہو کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں کو یہ سمجھ دے دیوے کیونکہ فہم۔ دماغ اور اقبال کے ایام انہیں کے اچھے ہیں۔ اصل علم وہی ہے جو خدا تعالےٰ کے پاس ہے زمانہ وہی ہے جس کا وعدہ تھا۔ مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ نکمے، فاسق، فاجر اور کاہل بھی ہیں تو پھر بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ خدا اسی گروہ میں سے ایسے پیدا کر دے کہ وہ خود ہی سمجھ جاویں۔ خدا تعالےٰ کو توپ اور بندوق کی کیا حاجت ہے۔ اس نے بندوں میں ہدایت پھیلانی ہے یا اُن کو قتل کرنا ہے؟ زمانہ کی موجودہ حالت خود دلالت کرتی ہے کہ یہ زمانہ علمی رنگ کا ہے۔ اگر کسی کو مار مار کر سمجھاؤ بھی تو وہ بات دل میں نہیں بیٹھتی لیکن اگر دلائل سے سمجھایا جاوے تو وہ دل پر تصرف کرکے اس میں دھنس جاتی ہے اور انسان کو سمجھ آجاتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی حالت اَور تھی اس وقت لوہے سے اَور طرح کام لیا گیا تھا۔ اب ہم بھی لوہے سے ہی کام لے رہے ہیں مگر اور طرح سے کہ لوہے کے قلموں سے رات دن لکھ رہے ہیں۔

میری رائے یہی ہے کہ تلوار کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ عیسائی بھی جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور مسلمان بھی۔ حکمت الٰہی چاہتی ہے کہ رفق اور محبت سے سمجھایا جاوے مثلاً

ایک ہندو ہے اگر دس بیس مسلمان ڈنڈے لے کر اس کے پیچھے پڑ جاویں وہ ڈر کے مارے لا الٰہ الا اللہ تو کہہ دے گا لیکن اس کا کہنا بودا ہوگا کہ بالکل مفید نہیں ہو سکتا اور رفق اور محبت سے سمجھایا جاوے تو وہ دل میں جم جاوے گا حتٰی کہ اگر اس کو زندہ آگ میں بھی پھونک دو تو وہ بھی اس کے کہنے سے باز نہ آوے گا۔ اسلمنا[1] ہمیشہ لاٹھی سے ہوتا ہے۔ اور اٰمنّا اس وقت ہوتا ہے جب خدا تعالےٰ دل میں ڈال دے۔ ایمان کے لوازم اَور ہوتے ہیں اور اسلام کے اَور۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس وقت ایسے لوازم پیدا کئے کہ جن سے ایمان حاصل ہو۔ مسلمان تو اپنی موجودہ حالت کے لحاظ سے خود اس قابل ہیں کہ انہی سے جہاد کیا جاوے۔ اب تو وہ زمانہ ہے کہ بچّوں کی طرح دین کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاویں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۶-۱۴۷ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۱۹ مئی ۱۹۰۳ء

بعد نماز فجر

ایک رؤیا اور الہام

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

۱۲ بجے کے قریب میں نے ایک رویا میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ یہ فتح ہو گئی۔ بار بار اسے تکرار کرتا ہے گویا کہ بہت سی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد طبیعت وحی کی طرف منتقل ہوئی اور الہام ہوا۔ **مجموعہ فتوحات۔**

مجلس قبل از عشاء

اپنی صداقت پر گفتگو فرماتے رہے اور اس امر پر ذکر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ جھوٹے سے اتنا عرصہ دراز یارانہ نہیں لگایا کرتا۔ اگر ہم مفتری ہوتے تو آج تک

[1] الحجرات : ۱۵

تباہ اور ہلاک ہو جاتے۔

پیشگوئیوں کے ہمیشہ دو حصے ہوا کرتے ہیں اور آدمؑ سے اس وقت تک یہی تقسیم چلی آرہی ہے کہ ایک حصہ متشابہات کا ہوا کرتا ہے اور ایک حصہ بیّنات کا۔ اب حدیبیہ کے واقعات کو دیکھا جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو سب سے بڑھ کر ہے مگر علم کے لحاظ سے میں کہتا ہوں کہ آپ کا سفر کرنا دلالت کرتا تھا کہ آپ کی رائے اسی طرف تھی کہ فتح ہو گی نبی کی اجتہادی غلطی جائے عار نہیں ہوا کرتی۔ اصل صورت جو معاملہ کی ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے اور انسان اور خدا میں یہی تو فرق ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۷ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۲۵ مئی ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

تزکیہ نفس

ایک استفسار کے جواب میں کہ آج کل کے پیر اور گدی نشین وظائف وغیرہ اور مختلف قسم کے اوراد بتاتے ہیں۔ آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ

مومن جو بات سچے یقین سے کہے وہ ضرور مؤثر ہوتی ہے ※ کیونکہ مومن کا مطہر قلب اسرار الٰہی کا خزینہ ہے۔ جو کچھ اس پاک لوح انسانی پر منقش ہوتا ہے وہ آئینہ خدا نما ہے۔ مگر انسان جب ضعف بشریت سے سہو و گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر ذرہ بھی اس کی پروا نہیں کرتا تو دل پر سیاہ زنگ بیٹھ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ قلب انسانی کہ خشیت الٰہی سے گداز اور شفاف تھا سخت اور سیاہ ہوتا جاتا ہے۔ ⊠ مگر جونہی انسان اپنی

※ البدر میں ہے۔ "حضرت اقدس نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[1]۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ مومن جو بات یقین سے کہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ لفظوں کی پابندی اس میں ضروری نہیں ہے ہاں انسان کو یہ آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا[2] ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ گناہ سے بچا رہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۱۵۳)

⊠ حاشیہ۔ البدر سے۔ "جب انسان گناہ کر لیتا ہے اور وہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتا تو دل سخت ہو جاتا ہے اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] الطلاق: ۴ [2] الشمس: ۱۰

مرض قلب کو معلوم کر کے اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور شب و روز نماز میں دعائیں، استغفار و زاری و قلق جاری رکھتا ہے اور اس کی دعائیں انتہا کو پہنچتی ہیں تو تجلیات الٰہی اپنے فضل کے پانی سے اس ناپاکی کو دھو ڈالتی ہیں اور انسان بشرطیکہ ثابت قدم رہے ایک قلب لیکر نئی زندگی کا جامہ پہن لیتا ہے گویا کہ اس کا تولد ثانی ہوتا ہے

دو زبردست لشکر ہیں جن کے درمیان انسان چلتا ہے ایک لشکر رحمٰن کا دوسرا شیطان کا۔ اگر یہ لشکرِ رحمٰن کی طرف جھک جاوے اور اس سے مدد طلب کرے تو اُسے بحکم الٰہی مدد دی جاتی ہے اور اگر شیطان کی طرف رجوع کیا تو گناہوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے[1]۔ پس انسان کو چاہیئے کہ گُناہ کی زہریلی ہوا سے بچنے کے لئے رحمٰن کی حفاظت میں ہو جاوے۔ وہ چیز جو انسان اور رحمٰن میں دُوری اور تفرقہ ڈالتی ہے وہ فقط گناہ ہی ہے جو اس سے بچ گیا اس نے خدا تعالےٰ کی گود میں پناہ لی۔ دراصل گناہ سے بچنے کے لئے دو ہی طریق ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان خود کوشش کرے[2]۔ دوسرے اللہ تعالےٰ سے جو زبردست مالک و قادر ہے استقامت طلب کرے یہانتک کہ اُسے پاک زندگی میسر آوے اور یہی تزکیہ نفس کہلاتا ہے[3]۔

اور بندوں پہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو انعامات و اکرامات ہوتے ہیں وہ محض اللہ پاک کے

حاشیہ: "جب دل سخت ہو جاوے تو پاک نہیں ہوتا جب تک کہ پھر نرم نہ ہو اور نرم نہیں ہوتا جبتک کہ نمازوں میں دعائیں نہ کرے۔ انسان توبہ پر توبہ کر کے توڑ دیتا ہے اور اس پہ کاربند نہیں ہو سکتا جب تک خدا تعالیٰ ساتھ نہ ہو۔ اس پہ قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ پھر گناہ کا علاج کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ سچی خشوع اور خضوع پیدا کرو اور اپنی دعاؤں کو انتہا تک پہنچاؤ۔ انبیاء علیہم السلام بھی دعائیں ہی کیا کرتے تھے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۳)

[1] البدر میں ہے: "اگر یہ خدا تعالےٰ کے لشکر کی طرف جُھک جاوے اور اس سے مدد طلب کرے تو اُس گناہ سے بچایا جاتا ہے جو کہ شیطان کے لشکر کی وجہ سے اس سے سرزد ہونا ہوتا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کے لشکر کی مدد حاصل نہیں کرتا تو شیطان کے لشکر میں پھنس جاتا ہے۔" (البدر حوالہ مندرجہ بالا)

[2] البدر میں ہے: "اوّل یہ کہ انسان خود کوشش کرے لیکن یہ کوشش ناکافی ہوا کرتی ہے۔" (البدر حوالہ مندرجہ بالا)

[3] حاشیہ [3] اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

فضل و کرم سے ہی ہوتے ہیں۔ پیروں۔ فقیروں۔ صوفیوں۔ گدی نشینوں کے خود تراشیدہ اَوراد وظائف ،طریق رسومات سب فضول بدعات ہیں جو ہرگز ہرگز ماننے کے قابل نہیں۔ اگر یہ لوگ کل معاملات دنیوی و دینی کو ان خود ساختہ بدعات سے بھی درست کر سکتے ہیں تو یہ ذرا ذرا سی بات پر کیوں تکرار کرتے لڑتے جھگڑتے حتیٰ کہ سرکاری عدالتوں میں جائز و ناجائز حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ سب باتیں دراصل وقت کا ضائع کرنا اور خدا داد دماغی استعدادوں کا تباہ کرنا ہے۔

انسان اس لئے نہیں بنایا گیا کہ لمبی تسبیح لے کر صبح و شام تمام لوازمات و حقوق کو تلف کر کے بے توجہگی سے سبحان اللہ سبحان اللہ میں لگا رہے۔ اپنے اوقات گرامی بھی تباہ کرے اور خود اپنے قویٰ کو بھی تباہ کرے اور اَوروں کے تباہ کرنے کے لئے شب و روز کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی معصیت سے بچاوے۔

الغرض یہ سب باتیں سُنّت نبوی کو چھوڑنے سے پیدا ہوئیں۔ یہ حالت ایسی ہے جیسے پھوڑا کہ اندر سے تو پیپ سے بھرا ہوا ہے اور باہر سے شیشے کی طرح چمکتا ہے۔ زبان سے تو ورد و وظائف کرتے ہیں اور اندرونے بدکاری و گناہ سے سیاہ ہوئے ہوئے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ سب کچھ خدا تعالیٰ سے طلب کرے جب وہ کسی کو کچھ دے دیتا ہے تو اس کی بلند شان کے

البدر میں ہے۔ " اسی کا نام تزکیہ نفس ہے جب یہ ہو جاتا ہے تو انسان فلاح پاتا ہے اور اپنے سلوک کی انتہا کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو انعامات و اکرامات اللہ تعالےٰ کی طرف سے آدمی کو ملتے ہیں وہ سب اس کے فضل سے مل سکتے ہیں۔

جیسے بنیا ہر روز اپنی کتاب پر حساب لکھتا ہے اور اُسے کبھی نہیں بھولتا۔ اسی طرح مومن کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنا حساب یاد رکھے اور جب گناہ سرزد ہوں تو اُن سے کُشتی کرے اور ہر وقت اس فکر میں رہے کہ گُناہ سے بچایا جاوے۔ اس طریق سے انسان گُناہ سے بچ سکتا ہے "۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۳)

خلاف ہے کہ واپس لے۔ تزکیہ وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ دنیا میں سکھایا گیا۔ پیدا کیا گیا۔ یہ لوگ اس سے بہت دور ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں سارے دن میں چار دفعہ دم لیتا ہوں بعض فقط ایک یا دو دفعہ۔ اس سے لوگ ان کو ولی سمجھ بیٹھتے ہیں اور ایسی واہیات دم کشی کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں حالانکہ فخر کے قابل یہ بات ہے کہ انسان مرضیاتِ الٰہی پر چل کر اپنے پیغمبر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح و آشتی پیدا کرے جس سے کہ وہ انبیاء کا وارث کہلائے اور صلحاء و ابدال میں داخل ہو۔ اسی توحید کو پکڑے اور اس پر ثابت قدم رہے اللہ تعالےٰ اپنا غلبہ و عظمت اس کے دل پر بٹھا دیگا۔

وظیفوں کے ہم قائل نہیں۔ یہ سب منتر جنتر ہیں جو ہمارے ملک کے جوگی ہندو سنیاسی کرتے ہیں جو شیطان کی غلامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ البتہ دعا کرنی چاہیئے خواہ اپنی ہی زبان میں ہو۔ سچے اضطراب اور سچی تڑپ سے جناب الٰہی میں گداز ہو ایسا کہ وہ قادر الحی القیوم دیکھ رہا ہے جب یہ حالت ہوگی تو گناہ پر دلیری نہ کریگا۔ جس طرح انسان آگ یا ہلاک کرنے والی اشیاء سے ڈرتا ہے ویسے ہی اس کو گناہ کی سرزنش سے ڈرنا چاہیئے۔ گناہگار زندگی انسان کیلئے دنیا میں مجسّم دوزخ ہے جس پر غضب الٰہی کی سموم چلتی اور اس کو ہلاک کردیتی ہے جسطرح آگ سے انسان ڈرتا ہے اسی طرح گناہ سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی آگ ہے ہمارا مذہب یہی ہے کہ نماز میں رو رو کر دعائیں مانگو تا اللہ تعالےٰ تم پر اپنے فضل کی نسیم چلائے۔ دیکھو شیعہ لوگ کیسے راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ حسین حسین کرتے مگر احکام الٰہی کی بے حرمتی کرتے ہیں حالانکہ حسین کو بھی بلکہ تمام رسُولوں کو استغفار کی ایسی سخت ضرورت تھی جیسی ہم کو۔ چنانچہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کا فعل اس پر شاہد ہے۔ کون ہے جو آپ سے بڑھ کر نمونہ بن سکتا ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۳ء)

۲۸ مئی ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

※ مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ عیسائیوں کی طرف سے بھی ایک میگزین سہ ماہی رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ مسلمان عیسائیت اس لئے قبول نہیں کرتے کہ اُن کے دل سخت اور گناہ آلودہ ہیں۔ فرمایا کہ

جب انسان تعصب اور فاسقانہ زندگی سے اندھا ہو جاتا ہے تو اُسے حق اور باطل میں فرق نظر نہیں آتا۔ ہر ایک حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھتا ہے اور نیکی کے ترک کرنے میں ذرا دریغ نہیں کرتا۔ شراب جو اُمّ الخبائث ہے وہ عیسائیوں میں حلال سمجھی جاتی ہے ☒۔ مگر ہماری شریعت میں اس کو قطعاً منع کیا گیا ہے اور اس کو رِجْسٌ مِن عَمَلِ الشَّيْطَانِ[1] کہا گیا ہے۔ کیا کوئی پادری ہے جو یہ دکھادے کہ انجیل میں حرمت شراب کی لکھی ہے بلکہ شراب

※ البدر میں اس سے پہلے یہ ذکر ہے کہ "بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس نے ماہ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ ہجری المقدس کا ماہِ مبارک دیکھا اور پھر اس پر فرمایا کہ "ہر مہینہ اپنے اندر خیر اور شر کے لوازم رکھتا ہے اس لئے دعا کرنی چاہیئے"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۵ مورخہ ۵ جون ۱۹۰۳ء)

☒ البدر میں مزید لکھا ہے۔ "شراب جو اُمّ الخبائث ہے اُسے حلال سمجھا گیا ہے۔ اس سے انسان خشوع خضوع سے جو کہ اصل جزو اسلام ہے بالکل بیخبر ہو جاتا ہے۔ ایک شخص جو کہ رات دن نشہ میں رہتا ہے ہوش اس کے بجا ہی نہیں ہوتے تو اُسے دوسری بدیوں کے ارتکاب میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟ موقعہ موقعہ پر ہر ایک بات مثل زنا۔ چوری۔ قماربازی وغیرہ کر سکتا ہے۔ ہماری شریعت نے قطعاً اس کو بند کر دیا ہے اور یہانتک لکھ دیا ہے کہ یہ شیطان کے عمل سے ہے تاکہ خدا کا تعلق ٹوٹ جاوے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۵)

[1] المائدۃ: ۹۱

ایسی متبرک خیال کی گئی ہے کہ پہلا معجزہ مسیحؑ کا شراب کا ہی تھا تو پھر دلیری کیوں نہ ہو۔ جو بڑا پرہیزگار اُن میں ہوگا۔ وہ کم از کم ایک بوتل برانڈی کی ضرور استعمال کرتا ہوگا چنانچہ کثرت شراب نے ولایت میں آئے دن نئے نئے جرائم کو ایجاد کر دیا ہے اور پادری کے اس قول پر کہ اہلِ اسلام گناہ میں ڈوبے ہوئے ہیں سخت تعجب آتا ہے کہ کس حوصلہ اور دلیری سے یہ بات کہدی۔ بھلا اگر زمانہ دراز کی بات ہوتی تو ممکن تھا کہ اُن کے ایسے بہتان سے عیسائیوں کی نیک چلنی کا نسبتاً گمان ہوتا۔ مگر جب دونو قومیں ہمارے سامنے اپنے اعمال کے دفتر کھولے بیٹھی ہیں تو پھر کسی کی شیخی اور تعلّی سے کیا فائدہ؟ روشن ضمیر پبلک خود روزِ روشن میں دیکھ سکتی ہے۔ ولایت کے جیل خانوں میں ہندوستان کے جیل خانوں کی نسبت جرائم پیشہ لوگوں کی کس فیصدی سے زیادتی ہے؟ جن اصولوں کو عیسائی قوم مانتی ہے وہ اصول خود جرائم مثل زنا۔ قماربازی کے محرک ہیں۔ ان کی اصطلاح سے تو اب گناہ گناہ نہ رہنے چاہئیں۔ گویا گناہ سے وہ ایسے ہی بے پروا ہو گئے۔ جیسے شاکت مت والے[۱]

[۱] نوٹ از ایڈیٹر:۔ اس موقعہ پر حضرت حکیم الامت نے ایک قصّہ سُنایا کہ جب انہوں نے ایک شاکت مت والے سے پوچھا کہ یہ کیا بُرائی ہے کہ تم لوگ بدیوں سے ذرا بھی نہیں رُکتے تو اس نے جواب دیا کہ بدی کیا ہے؟ تمہارے قرآن میں یہ شکتی کہاں ہے کہ ماں اور بہن اور بیٹی وغیرہ صلبی رشتے حلال کر دے۔ ہمارے مذہب میں تو یہ سب باتیں طے کی ہوئی ہیں۔※

※ البدر میں یہ نوٹ زیادہ مفصل یوں لکھا ہے۔ "شاکت مت ایک ہندوؤں کا فرقہ ہے کہ جب وہ ایک خاص منتر پڑھتے ہیں تو اس وقت ماں اور بہن بیٹی وغیرہ سے مجامعت اُن کے ہاں جائز ہو جاتی ہے اور اس پر بڑا ثواب مترتب ہوتا ہے۔ حکیم نورالدین صاحب نے اس وقت ایک قصّہ سنایا کہ جب میں نے ایک شاکت مت والے پر ایک دفعہ اعتراض کیا تو اس نے جواب دیا کہ جب تمہارے قرآن کے منتر میں یہ طاقت ہے کہ اس کے پڑھنے سے تمہارے بھائی کی لڑکی تمہارے لڑکے کے لئے جائز ہو جاتی ہے تو ہمارے منتر میں یہ طاقت ہے کہ وہ ماں کو بھی جائز کر دیتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۵ مورخہ ۵؍ جون ۱۹۰۳ء)

حضرت اقدس نے پھر اپنی تقریر کو شروع کیا اور فرمایا کہ

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ایک شریف آدمی جب خلاف واقعہ بات سُنتا ہے اور پھر اس پر اصرار کرتا ہے تو دل میں سخت رنجیدہ ہوتا ہے۔ ہمارا سوال تو یہ ہے کہ پادری صاحب سے پُوچھا کہ گناہ سے تمہاری کیا مراد ہے ؟ آیا زنا۔ چوری۔ فریب۔ قتل۔ قمار بازی۔ شراب نوشی تمہارے نزدیک گناہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو کیا یورپ کی حالت اسلامی ممالک کی حالت سے بہتر ہے یا ابتر یا مساوی۔ صغائر کا علم اللہ تعالےٰ ہی کو ہے۔ مثلاً ایک شخص بدنظری میں مبتلا ہے۔ ممکن ہے کہ اس عورت کو خبر ہی نہ ہو جس پر بدنظری کرتا ہے۔ لیکن ایک شخص جو زنا کرتا، شراب پیتا ہے اس کی خبر ایک دنیا کو ہوگی۔ ان جرائم کا اس قدر زور ہے کہ چھپائے سے چھپ سکتا ہی نہیں۔ قمار بازی میں اتلافِ حقوق ہوتا ہے۔ شراب نوشی کے ساتھ دوسرے گناہ مثلاً زنا، قتل وغیرہ لازم پڑے ہوئے ہیں جہاں تک ہمیں مجرموں کے حالات سے شہادت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ شراب سے زنا ترقی کرتا ہے چنانچہ شراب نوشی میں اس وقت یورپ اوّل درجہ پر ہے اور زنا میں بھی اوّل نمبر پر ہے۔ اب دیکھئے کہ پردہ رسم ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسا کتاب اللہ نے بتایا ہے اور تجارب نے اس کی تصدیق کی ہے سچا تزکیہ نفس جو مجاہدات سے پیدا ہوتا ہے وہ پردہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

مومنوں کے تین طبقے ہیں:۔

ایک وہ جو ٹھوکر کھانے کے لائق ہوتے ہیں۔

دُوسرے وہ جو میانہ رو۔ کسی ٹھوکر سے بچتے اور ڈرتے رہتے ہیں۔

تیسرے وہ جو ہر ایک ٹھوکر سے ایسے بچ کر نکل جاتے ہیں جیسے سانپ اپنی کینچلی سے وہ ہر ایک خیر کے لئے دوڑتے اور ہر ایک شر سے بھاگتے ہیں۔

جن لوگوں نے اپنے تزکیہ کا خیال نہیں کیا وہ بالضرور بے پردگی سے ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔ عورتوں کو اُن سے پردہ کرنا چاہیئے۔ مثل مشہور ہے ؎

خو بستہ بہ گرچہ دزد آشنا است

قسم اوّل ظالمٌ لنفسہٖ[1]۔ دوئم مقتصد۔ سوم سابق بالخیرات

ان مختلف مدارج و مراتب کے اشخاص کیسے یکساں سلوک کے لائق ہیں؟ کیا عیسائی بتا سکتے ہیں کہ ان میں سب پاکباز ہیں۔ شرابی نہیں۔ زانی نہیں۔ اگر پردہ ہوتا تو ان جرائم کی نوبت کیوں آتی ہزارہا ولد الحرام کیوں پیدا ہوتے۔ تجربہ بتا رہا ہے کہ اوّل قسم کے لوگ بکثرت ہیں٭۔ اس لئے ان سے حتی الوسع پردہ کرنے کے لئے شریعت نے مجبور کیا کہ پردہ کی رسم ہو۔ شرابی آدمی کو نہ طعن و تشنیع کا فکر ہے نہ ڈنڈے کا خوف۔ اس لئے عیسائیوں کا اسلام پذیر ہونا محالات سے ہے

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۷ مورخہ ۱۷؍جون ۱۹۰۳ء)

۲۹؍مئی ۱۹۰۳ء

دربار شام

آج حضرت اقدس نے بہت سے احباب کی بیعت کے بعد تقریر فرمائی۔ فرمایا کہ

اب تم لوگ جو بیعت میں داخل ہوئے ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عہد تمہارا اللہ کے ساتھ ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس عہد پر مضبوط رہنا چاہیئے۔ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ امور شرعی کا پابند رہنا چاہیئے اور ہر ایک برائی اور شائبہ گناہ سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ ہماری جماعت کو ایک پاک نمونہ بنکر دکھانا چاہیئے۔ زبانی لاف و گزاف سے کچھ نہیں بنتا جب تک انسان کچھ کرکے نہ دکھائے۔ تم دیکھتے ہو کہ طاعون سے کس قدر لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ گھروں کے گھر برباد ہو رہے ہیں اور ابھی تک

٭ البدر میں ہے۔ ”اور تیسرے درجے والے دُور کے ستاروں کی طرح ہیں اس لئے بلحاظ کثرت نفس کے خدا کے قانون نے چاہا کہ پردہ کی رسم عام ہو۔ تجارب و نظائر بھی بتلا رہے ہیں۔ یورپ امریکہ اور فرانس کی سیر کرو تو پتہ لگے گا۔“ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۵)

[1] فاطر: ۳۳

معلوم نہیں کہ یہ تباہی کب تک جاری رہے۔ طاعون لوگوں کی بداعمالی کے سبب غضبِ الٰہی کی صورت میں بھیجی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی رسُول ہے جو اس کام کو کر رہی ہے۔ ہزاروں ہیں جو اپنے سامنے ہلاک شدہ لوگوں کے پشتے پر پشتے دیکھتے ہیں۔ خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے ہزاروں لاکھوں بچے بے پدر، لاکھوں خاندان بے ٹھکانہ ہو گئے۔ جہاں یہ پڑی ہے۔ بے نام نشاں اس جگہ کو کر دیا۔ بعض گھروں میں کیا، محلوں اور گاؤں میں کوئی آباد ہونے والا نہیں رہا انسانوں سے گذر کر حیوانوں کو تباہ کیا۔ گویا یہ بات کہ انسان کے گناہ سے تمام زمین لعنتی ہو گئی اب گویا اہلِ زمین کیا چرند اور کیا پرند انسان کی بدکاری کے بدلے پکڑے جا رہے ہیں۔ لوگوں میں باوجود اس کے کہ سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہیں مگر ویسے ہی رعونت و کبر سے مخمور پھرتے ہیں۔ موت کا خوف دل سے اُٹھ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عزت کا پاس دل میں نہیں رہا عوام تو عوام خواص کا یہ حال ہے کہ دنیا پرستی میں سخت جکڑے ہوئے ہیں۔ خدا کا نام فقط زبان پر ہی ہے اندرونہ بالکل اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت سے خالی ہے۔ ٭

مسیح کی وفات کا کیا معاملہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فلمّا توفّیتنی۔ [1] بخاری میں متوفیك کے معنے صاف رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ممیتك آئے ہیں۔ حدیث کے فرمودہ کے مطابق چودھویں صدی کے سر پر مجدّد آیا مگر انہوں نے قبول نہ

٭ البدر سے :- "پاک باطن اور پاک رُوح والے جو لوگ ہوتے ہیں وہ ان باتوں سے ہزاروں کوس دُور ہوتے ہیں۔ مُلا لوگ دین کے مقدم ہوتے ہیں۔ جب وہی ایسے ہوئے تو دنیا کا کیا حال۔ ایک زہرناک کیڑا اُن کے دلوں کو کھا گیا ہے۔ ہر ایک شخص کو دیکھ لو کہ بہت سا حصہ دُنیا کا اُس کے اندر بھرا ہوا ہے۔ ضرورت پر مقدموں میں جھوٹے گواہ بناتے ہیں خود جھوٹ بولتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہم کامیاب ہو جاویں۔ ہر پہلو میں دیکھ لو دُنیا پرستی نے ہلاک کر دیا ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶ مورخہ ۵ جون ۱۹۰۳ء)

[1] المآئدۃ : ۱۱۸

کیا۔ ہزاروں طرح کے حیلے دشیانے کئے۔ طرح طرح کی شرارتیں منصوبے تجویز کئے مگر اللہ تعالیٰ کا جیسا کہ وعدہ تھا اپنے زور آور حملوں سے سچائی ظاہر کرتا رہا۔

عیسائی لوگ زہرناک کیڑے کی طرح اسلام کے درخت کی جڑ کو کاٹ رہے ہیں ※ مگر علماء کو ذرا بھی خیال نہیں بلکہ اپنے خیالات سے کہ مسیح زندہ آسمان پر ہے اور دوبارہ قیامت سے پہلے آئے گا۔ مدد دے رہے ہیں۔ ان کی لگاتار کوشش یہی ہے کہ اسلام کا نام تک مٹ جائے اور یہ اپنے فاسد عقیدہ سے اُن کو مدد دے رہے ہیں۔ دیکھو کہ پادریوں نے شہر بہ شہر گاؤں بہ گاؤں مکر و تزویر کا جال پھیلایا ہوا ہے۔ عورتوں اور بچوں تک کمربستہ ہیں کہ کسی طرح ایک عاجزہ کے بیٹے کو خدا بنا کر منوا دیں۔ کئی کروڑ کتابیں ردّ اسلام میں بنا کر مفت تقسیم کردیں۔ اس پر بھی مسلمانوں کو غیرت نہ آئی۔ وہ خدا جو کہتا ہے اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ[1] کیا وہ غلط کہتا ہے؟ کیا اسلام کی وہ ابھی حالت نہیں ہوئی جو کسی مسیح موعود

※ البدر میں ہے:۔

"عیسائیوں کی لگاتار یہ کوشش ہے کہ کسی طرح اسلام کا نام زمین سے مٹ جاوے اور اب خدا چاہتا ہے کہ از سرِ نَو اسلام کو زندہ کرے۔ سابقہ کتب میں ان باتوں کا ذکر تھا کہ مسلمانوں کو ایک زحمت اندرونی ہوگی۔ ایمان اُٹھ جاوے گا دُنیا کے کیڑے ہو جاویں گے۔ جو محبت خدا سے چاہیئے وہ دُنیا سے کریں گے۔ دوستی محبت میل ملاپ سب دُنیا کے واسطے ہوگا۔ دوسری بَلا اور آفت یہ ہوگی کہ ایک انسان کی پرستار عیسائی قوم اُن کو گمراہ کرنے پر کمربستہ ہوگی۔ سو تم دیکھتے ہو کہ انہوں نے مکر کا جال کیسا پھیلایا ہے۔ شہر بہ شہر اُن کے پادری موجود ہیں۔ عورتیں ہر جگہ پھرتی ہیں۔ گاؤں میں چھاؤنیاں ڈالی ہوئی ہیں۔ اُن کا ارادہ ہے کہ ایک مسلمان بھی نہ رہے من گھڑت باتیں بنا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بے ادبیاں کرتے ہیں اور رات دن اس کوشش میں ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے دل بیزار ہوں بجائے کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

[1] الحجر: ۱۰

کی ضرورت پیدا کرے۔ طرح طرح کے زمینی اور آسمانی نشان پُورے ہو چکے مگر وہ ابتک منکر ہیں۔ آج تک ۲۹ لاکھ مسلمان مُرتد ہو گئے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اگر ایک مسلمان مُرتد ہو جاتا تھا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ جس قدر مسلمان باقی ہیں وہ بھی عیسائیت کے قریب قریب ہی ہیں۔ اگر ایک سَو سال تک ایسی ہی حالت رہتی تو اسلام کا نام نشان زمین سے مٹ جاتا۔ لیکن خدا تعالےٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے عین ضرورت کے وقت مجھے مسیح موعود کرکے بھیجا۔

یہ بات[۱] کوئی بناوٹی نہیں۔ صدہا نشان خرق عادت کے طور پر آسمان و زمین پر میری

مسلمان جن کی مَت ماری گئی ہے۔ بد قسمتی سے اندھے ہو گئے ہیں۔ وہی بات کرتے ہیں کہ اسلام کو فائدہ نہ پہنچے اور عیسائیوں کو پہنچے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس کہتے ہیں اور مسیح کو قیامت تک زندہ مانتے ہیں۔ پھر یہ کہ آخری زمانہ میں وہی آوے گا حَکَم اور قاضی بھی وہی ہوگا۔ دوسری بات یہ مانتے ہیں کہ وہ خالق بھی ہے جانور اس نے بنائے۔ مُردہ اس سے زندہ ہو گئے۔ غرض کہ اس قسم کی باتوں سے عیسائیوں کی اس قدر تائید کرتے ہیں کہ ان میں اور عیسائیوں میں صرف انیس اور بیس کا فرق رہ جاتا ہے۔ جس قدر وہ باتیں مسیحؑ کی نسبت کرتے ہیں ویسی ایک بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت نہیں کرتے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶ مورخہ ۵ جون ۱۹۰۳ء)

[۱] البدر سے۔

"ایک طرف نہ ان میں تقویٰ الٰہی نہ طہارت۔ ایک طرف عیسائی غالب آ گئے۔ کئی لاکھ رسالے ہر ماہ عیسائیوں کی طرف سے نکلتے ہیں جن میں افترا، عیب شماری، اور ہتک اسلام کے مضامین ہوتے ہیں۔ جس حالت میں خدا تعالیٰ نے اسلام کی نسبت کہا کہ وہ قیامت تک زندہ مذہب ہوگا وہ اسلام کی اس حالت کو کیسے دیکھے؟ کہ اب بھی وہ مجدد نہ بھیجے؟ حالانکہ سَو سال صدی کے گذر گئے۔ ۲۰ سال اُور بھی اُوپر ہوئے تو اب

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تصدیق کیلئے ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔* چنانچہ طاعون بھی ایک نشان ہے جسکی بابت کل انبیاء خبر دیتے رہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں لکھا ہے ان من قریۃ الا نحن مہلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا[1] کوئی بستی اور کوئی گاؤں ایسا نہ ہوگا کہ جسے ہم قیامت سے پہلے پہلے خطرناک عذاب میں مبتلا نہ کر دیں یا ہلاک نہ کر دیں۔

غرضکہ یہ منذر نشان ہے۔ کسوف و خسوف کا نشان لوگوں نے ہنستے ہوئے دیکھا اور طاعون کا نشان روتے ہوئے۔

احمدی طاعون سے کیوں مرتے ہیں؟

بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے آدمی کیوں مرتے ہیں۔ ان نادانوں کو اتنا معلوم نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی جب لوگ عذاب کا معجزہ مانگتے تھے

اندازہ کر لو کہ اور ایک صد سال تک اسلام کا کیا حال ہوتا؟ سو برس بعد مجدد آنے میں یہ حکمت ہے۔ ایک سو سال کے گذرنے تک پہلے علم والے گذر جاتے ہیں اور اپنی باتیں اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں اگر نئے علوم پھر خدا نہ بتلا دے تو حق کیسے قائم رہے؟ چونکہ علم میں فرق آجاتا ہے اس لئے آسمان پر ایک نئی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ صدی گذر گئی اور اس پر ۲۰ برس اور بھی گذر گئے اب خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا اور مجھے **مسیح موعود** بنایا۔ یہ بات بناوٹی نہیں ہے اس کے واسطے نشانیاں ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶)

* البدر سے:۔

"لکھا ہوا تھا کہ چاند اور سورج کا گرہن ماہ رمضان میں ہوگا ویسے ہی ہوا۔ پھر طاعون لکھی تھی۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر ستر ستر پچھتر پچھتر برس کی ہوتی ہے ابھی تو کے آدمی دکے پیر شدی والا معاملہ ہے۔ یہ خدا کی آفت ہے فیصلہ کر کے چھوڑے گی سب انبیاء نے اس کی خبر دی ہے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے جیسے لکھا ہے ان من قریۃ الا نحن مہلکوھا قبل یوم القیٰمۃ او معذبوھا[1]" (البدر حوالہ مندرجہ بالا)

[1] بنی اسرائیل: ۵۹

تو اُن کو تلوار کا معجزہ ملا اور یہ بھی ایک قسم کا عذاب تھا۔ چنانچہ کئی صحابہؓ بھی تلوار سے شہید ہوئے مگر کیا ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے بھی ہلاک ہوئے؟ اللہ تعالیٰ نے جس جس انسان کے دماغ یا ہاتھ سے کوئی اپنا کام لینا تھا وہ تو بچ ہی رہے اور بالمقابل جتنے رئیس کفار تھے اُن سب کا ٹھکانا جہنم ہوا۔ اور ان کے صغیر و کبیر سب کے سب ہلاک ہوگئے۔

اگر ایک شخص کا ایک پیسہ چوری ہوگیا ہے اور دوسرے کا تمام گھربار لُوٹا گیا ہے۔ تو کیا وہ آدمی جس کا تمام گھربار لُوٹا گیا پیسے والے کو کہہ سکتا ہے کہ تم اور میں برابر ہیں؟۔ بھلا سوچو تو سہی اگر ستّر برس تک ہمارا کوئی آدمی ہلاک نہ ہو تو کوئی ایسا آدمی ہے جو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے سے رُکا رہے؟

مگر اللہ تعالیٰ کو یہ امر منظور نہیں ہے اور نہ کبھی ایسا ہوا۔ ایمان کی حالت ہی کا پوشیدہ ہونا ضروری ہے۔ جب تک ہماری جماعت تقویٰ اختیار نہ کرے نجات نہیں پا سکتی خدا تعالیٰ اپنی حفاظت میں نہ لے گا۔ یہی سبب ہے کہ بعض ان صحابہؓ میں سے جن جن سے بڑے بڑے کام لینے تھے وہ سب سخت سے سخت خطروں میں بھی بچائے گئے دوسروں کو خدا تعالیٰ نے جلد اُٹھا کر بہشت میں داخل کیا۔ جاہل کو حقیقت معلوم نہیں ہوتی جو بات مُنہ میں آئی کہہ دی۔ ہر ایک نبی کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ جہاں کفار مرتے تھے۔ وہاں اصحاب میں سے بھی کوئی نہ کوئی مرجاتا تھا۔ اگر خدا تعالیٰ کھُلا کھُلا نشان مثلاً سوٹے کا سانپ کر دے[۱] تو نیک و بد میں فرق کیا رہے گا؟ تمام یورپ و امریکہ اسلام میں داخل ہوجاویں گے مگر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ امتیاز رکھا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو خدا تعالیٰ نے توحید پھیلانے

[۱] البدر میں ہے:۔ "اگرچہ مقابلہ کے وقت اصحابؓ بھی شہید ہوئے تھے مگر اسلام تو اُن کے ساتھ شہید نہ ہوجاتا تھا۔ ہر روز ترقی اسلام کی ہوتی۔ کفار گھٹتے گھٹتے ایسے معدوم ہوگئے کہ اُن کا نام و نشان نہ رہا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶)

[۲] البدر میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے:۔ " ہر نبی کے ساتھ ایسا ہوا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے پیدا کیا اور انہوں نے توحید پھیلائی۔ اب بھی خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ توحید پھیلے جو آوے گا وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہے گا مگر چاہیئے کہ اپنے وجود کو مفید بناوے[۱] اللہ تعالیٰ خود ان کی حفاظت کرے گا۔ زبان سے خدا خدا کہنا مگر عمل سے خدا تعالیٰ سے بیگانگی ایک طرح کا دہریہ پن ہے۔[۲]

گھروں کو ذکر الٰہی سے معمور کرو۔ صدقہ و خیرات دو۔ گناہوں سے بچو تا اللہ تعالیٰ رحم کرے جو لوگ بیعت کر کے چلے جاتے ہیں اور پھر شکل بھی نہیں دکھلاتے اُن کیلئے دُعا کیا ہو جب ہمیں وہ یاد تک نہیں رہتے۔ بار بار ملو اور تعلق محبت بڑھاؤ۔ جو بار بار آتا ہے اس کی ذراسی تکلیف سے دُعا کا خیال آجاتا ہے مگر جو لوگ دنیا کے معاملات میں مستغرق رہتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں گویا

جہاں کفار مرتے رہے اس کی جمعیت میں سے بھی کچھ مَرتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ کی جنگ میں اگر ایک طرف کنعانی مرتے تو ایک طرف اسرائیلی بھی مَرتے۔ اگر خدا ایسی ہی کھُلی کھُلی بات کر دے کہ اندھے بھی فرق کریں تو پھر ایک بھی کافر نہ رہے۔ سوٹے کا سانپ اگر بنا دیا تو تو اس سے لوگوں کو کیا؟ مگر جیان کے بچنے کا علاج اگر ان کو ملتا ہو تو ایمان لانے سے کون باہر رہتا ہے۔ تمام یورپ و امریکہ بھی جلدی ہی داخل اسلام ہو جاویں۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶ مورخہ ۵ جون ۱۹۰۳ء)

[۱] حاشیہ البدر سے:۔ "اپنے وجود کو جس قدر کارآمد بنا دیگا اسی قدر اس کی حفاظت ہوگی" (حوالہ مذکورہ)

[۲] البدر میں ہے:۔ "جب انسان ایک بدی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا نے اس سے منع کیا ہے تو وہ دہریہ ہوتا ہے۔ خدا کی عظمت اور جلال اس کے دل میں نہیں ہوتا۔ ایسا شخص خدا کی حفاظت میں نہیں ہے وہ جب چاہے اُسے مار دے یا ایسی بلا میں اُسے ڈال دے کہ نہ زندوں میں ہو اور نہ مُردوں میں۔ لیکن جو شخص خدا کی عظمت دل میں رکھتا ہے اور اس کی نافرمانی سے ڈرتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ کسی مصیبت میں پڑے خدا کی نظر میں ہوتا ہے اور وہ اُسے محفوظ رکھتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶۱ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۰۳ء)

انہوں نے بیعت ہی نہیں کی۔[1] یاد رکھو اور عمل کرو جس سے پیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہیں۔[2]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۷-۱۸ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۳ء)

۳۰ مئی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ایک صاحب کے مقدمہ کی تاریخ عنقریب تھی۔ وہ دعا کروانے کے واسطے آئے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

چار پانچ دن یہاں رہو اور ہر روز ملاقات کرو کہ دعا کی تحریک ہو۔ یہ خیال نہ کرو کہ پیچھے نقصان ہوگا۔ سب کچھ خدا کرتا ہے۔ اسباب پر نظر نہ رکھو ہم یہ نہیں کہتے کہ رعایت اسباب ہی چھوڑ دو۔ بلکہ یہ کہ یہ نہ خیال کرو۔ کہ فلاں بات ہو تو ہی یہ ہوگا ....

.... جیسے کہ روٹی کھانی پانی پینا منع نہیں ہے۔ مگر اس پر یہ بھروسہ کرنا کہ اس سے زندگی ہے یہ منع ہے۔ کئی آدمی روٹی کھاتے ہیں۔ ادھر سُول (درد) ہوا۔ اور جان گئی۔ پانی پیا اور ہیضہ سے مر گئے۔ ان پر بھروسہ کرنا یہ شرک ہے۔ اسباب وہی بہم پہنچاتا ہے۔

ریاست کپورتھلہ سے خبر آئی کہ بعض لوگوں نے ایک مشورہ کر کے اس امر کا منصوبہ بنانا چاہا ہے کہ وہاں کی احمدی جماعت کے بعض ممبروں کو ایذا دلویں۔ اس پر

---

[1] البدر سے۔ "مگر جو دنیا میں اس قدر غرق ہے کہ گویا اس نے بیعت ہی نہیں کی۔ اور اُسے ملنے کی فرصت ہی نہیں کیا وہ ان لوگوں کے برابر ہو سکتا ہے جو بار بار آکر ملتے رہتے ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶۱ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے۔ "بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مسلمان ہو کر پادریوں سے تعلق رکھتے ہیں بعض ہندوؤں سے رکھتے ہیں خدا فرماتا ہے کہ پھر وہ انہی میں سے ہیں۔ یہ باتیں ہیں ان کو یاد رکھو اور خدا سے عمل کی توفیق طلب کرو۔" (البدر حوالہ مذکورہ بالا)

فرمایا کہ

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ[1]۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فتنہ فساد ہو۔ دعا کی جاوے گی۔

ایک شخص نے عرض کی کہ سارے گاؤں میں مَیں ایک اکیلا آپ کا مرید ہوں۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا اکیلا نہیں ہوتا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶۱ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۰۳ء)

گذشتہ سالوں کے ملفوظات*

۳۰ ستمبر ۱۹۰۲ء

رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ

رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ دراصل دونو ایک ہی ہیں۔ آدم زاد کی پرستش کرنے میں کوئی ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہے۔ ایک بیٹے کی پرستش کرتا ہے تو دوسرا ماں کو بھی خدا بناتا ہے اور اس معاملہ میں وہ عقلمندی سے کام لیتا ہے۔ جب بیٹا خدا ہے تو ماں تو ضرور خدا ہونی چاہیئے مگر اب وقت آگیا ہے کہ انسان پرستی کا شہتیر ٹوٹ جاوے۔ ۳۰ 9/1902

اصل تبلیغ توکل علی اللہ سے ہوتی ہے

مفتی محمد صادق صاحب کو فرمایا جبکہ انہوں نے مسٹر وب کا ایک خط سنایا کہ۔

---

* حاشیہ۔ ترتیب کے لحاظ سے چاہیئے تھا کہ یہ ملفوظات جلد سوم میں درج ہوتے مگر چونکہ وہاں درج نہیں ہو سکے اس لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں بعض ان میں ایسے بھی ہیں جن پر کوئی تاریخ نہیں مگر ہیں یہ بھی پُرانے۔ (خاکسار مرتب)

[1] آل عمران: ۵۶

اُن کو لکھ دو کہ عمر گذرتی جاتی ہے جو کرنا ہے اب کر لو۔ دن بدن قویٰ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ دس برس پہلے جو قویٰ تھے وہ آج کہاں ہیں؟ گذشتہ کا حساب کچھ نہیں۔ آئندہ کا اعتبار نہیں۔ جو کچھ کرنا ہو آدمی کو موجودہ وقت کو غنیمت سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ اب اسلام کی خدمت کر لو۔ اوّل واقفیت پیدا کرو کہ ٹھیک اسلام کیا ہے۔ اسلام کی خدمت جو شخص درویشی اور قناعت سے کرتا ہے۔ وہ ایک معجزہ اور نشان ہو جاتا ہے جو جمعیت کے ساتھ کرتا ہے اس کا مزا نہیں آتا کیونکہ توکل علی اللہ کا پورا لُطف نہیں رہتا اور جب توکل پر کام کیا جاوے تو خدا مدد کرتا ہے اور یہ باتیں رُوحانیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب روحانیت انسان کے اندر پیدا ہو تو وہ وضع بدل دیتا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح پر صحابہؓ کی وضع بدل دی۔ یہ سارا کام اس کشش نے کیا جو صادق کے اندر ہوتی ہے۔ یہ خیالات باطل ہیں کہ کئی لاکھ روپیہ ہو تو کام چلے۔ خدا تعالےٰ پر توکل کر کے جب ایک کام شروع کیا جاوے اور اصل غرض اس کے دین کی خدمت ہو تو وہ خود مددگار ہو جاتا ہے اور سارے سامان اور اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ $\frac{۹}{۱۹۰۲}$ ۳۰

خواجہ کمال الدین صاحب

خواجہ کمال الدین صاحب کے ذکر پر فرمایا کہ

بڑے سعید اور مخلص ہیں اور حقیقت میں مردانگی یہی ہے کہ جب تعلق پکڑے۔ تو آخر تک نبھاوے۔ یک در گیر و محکم گیر۔ $\frac{۹}{۲}$ ۳۰

بےنظیر مجلس اور تائید اسلام

یہ مجلس خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے جس میں بیٹھ کر خدا نظر آتا ہے۔ جو راستہ ہم صاف کرتے ہیں۔ مشرق مغرب میں کہیں چلے جاؤ کسی جگہ وہ بات نہیں ملے گی۔ کوئی ہفتہ ایسا

نہیں گذرتا جب ایک یا دو باتیں اسلام کی تائید میں پیدا نہ ہوتی ہوں ۔ ۲۰ ۹/۲

بلا تاریخ

مذہب کے سچّے پیروؤں کیساتھ خدا ہوتا ہے

جو لوگ سچے مذہب کے پیرو ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ان ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کے اور اُن کے غیروں میں ایک امتیاز ہوتا ہے۔ جو تائید وہ اسلام کی کرتا ہے وہ دوسروں کی نہیں کرتا۔ اسلام کا خدا اپنے کلام کیساتھ ایک شرف عطا کرتا ہے۔ جو اور کسی کو نہیں ملتا اور اس طرح پر وہ قدرت کے نشان دکھاتا ہے اور کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاں باتیں بنانے والے بہت ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ انسان کے تابع ہو۔ بلکہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے تابع ہوں ۔ (بلا تاریخ)

بلا تاریخ

آج ہمیں کوئی دکھائے کہ اسلام کے سوا کونسا مذہب ہے جو اللہ اور اس کی مخلوق کے لئے پاک ہدایت کرتا ہے ۔ (بلا تاریخ)

بلا تاریخ

دُنیا کی بے ثباتی اور مصائب

دنیا ایسی ہے کہ یہ آرام کی جگہ نہیں بلکہ ایک خارستان ہے خوشی کی جگہ نہیں اس کے ساتھ آلام و اسقام لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے خاندان میں پچاس کے قریب آدمی تھے۔ وہ قریباً سب کے سب خاک کے نیچے چلے گئے بچوں بیویوں میں ابتلا آتے ہیں۔ اس سے بھی انسان کو سبق ملتا ہے۔ اس پر دنیا کی بے ثباتی اور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ انسان

چونکہ دو محبتوں کا مجموعہ ہے کیونکہ انسان اصل میں اُنسان ہے۔ اس لئے اُنس، شفقت کا مادہ زیادہ ہے۔ اگر اس میں یہ قوتیں نہ ہوتیں تو پھر بچوں اور دوسرے کمزور لوگوں کی پرورش کیونکر کرتا؟ حقوق کا ادا کرنا، دوستی کے تعلقات یہ سب اُنس کو چاہتے ہیں۔

دوستوں کیلئے فکر و غم

اس طرح پر میں دیکھتا ہوں کہ جس قدر یہ سلسلہ بڑھتا جاتا ہے اس قدر میرے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں اور متعلقین کا غم اور فکر بڑھ رہا ہے اور ہر روز کسی نہ کسی عزیز یا دوست کی تکلیف کی کوئی نہ کوئی خبر آجاتی ہے تو میں اس سے سخت کرب اور بے آرامی میں رہتا ہوں اور بعض وقت تو یہانتک حالت ہوتی ہے کہ نیند بھی نہیں آتی۔ یہ سچی بات ہے کہ جس قدر تعلقات بڑھتے ہیں اسی قدر غم اور فکر بڑھتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا حال لکھتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں بڑا خوش ہوں کیونکہ بے تعلق ہوں مگر یہ کوئی فضیلت اور خوبی نہیں ہے۔ اس سے اخلاق کے سارے شعبے مکمل نہیں ہوتے۔ یہ نقص کی بات ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بچے مرے تھے آپ نے جو ثبات قدم اور رضا بالقضا کا کامل نمونہ دکھایا کسی اَور کی زندگی میں کہاں ملتا ہے؟ (بلا تاریخ)

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ رجون ۱۹۰۳ء)